بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہلسنّت

فکر و تحریک

فتاویٰ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

کی روشنی میں

ترتیب: محمد عبدالہادی المصری حفظہ اللہ

ترجمہ: حامد محمود حفظہ اللہ

مطبوعات منہج الاسلامی

پوسٹ بکس ۱۴۱۰ اسلام آباد

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

عقیدہ لائبریری
www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے.

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com
www.islamic-forum.net
www.sadaislam.com
www.khatm-e-nubuwwat.com
www.zekr.tv
www.kitabosunnat.com
www.kalemeh.tv
www.muhammadilibrary.com
www.ahlehaq.org/hq
www.islamqa.info/ur
www.islamhouse.com
www.quran-o-sunnah.com
www.eeqaz.com
www.deeneislam.com
www.tauheed-sunnat.com
www.nadwatululama.org

ابتدائیہ

دنیا میں ہر بڑی شخصیت ایک تحریک کھڑی کرتی رہی ہے جس کی بنیاد کوئی نہ کوئی عالمی یا علاقائی فلسفہ اورنظریہ ہوتی ہے ۔جلد ہی اس کے امتیازات وجود میں آجاتے ہیں' اس کے بنیادی اصولوں پرمشتمل آئیڈیالوجی منظّم صورت میں تشکیل پاتی ہے' اس کے تاسیسی ارکان کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوجاتی ہے' اس کی ترجمانی کرنے والوں کوایک خاص مقام مل جاتا ہے' علم وفضل کے لحاظ سے مراتب کی تقسیم عمل میں آتی ہے' اس کی آئیڈیالوجی کے لئے فدائیت (Devotion) کی بنیاداس کے پیروکاروں کی درجہ بندی بھی فطری انداز سے ہوجاتی ہے اس سے انحراف کرنے والوں کے بارے میں بھی تحریک ایک پالیسی طے کرتی ہے' کسی کومعذورسمجھا جاتا ہے' کسی کو برداشت کیا جاتا ہے اورکسی کونکال دیا جاتا ہے اور پھر اس کے مخالفوں کی بھی صنف بندی ہوتی ہے جس کی بناء پر ہر صنف کے ساتھ الگ سے پیش آیا جاتا ہے۔

ایسی کسی تحریک کوذرا عمر درازنصیب ہونی ہوتو اصلاح اورتجدید کا بیڑا اٹھانے والوں کی ضرورت پڑتی ہے جواس تحریک کواس کی اصل بنیادوں سے پیوستہ کرکے دوام بخشتے ہیں ۔ایسی شخصیات کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں اگربعض اوقات حد سے بڑھ جائے تو ایک پرانی تحریک نئ شخصیت سے منسوب ہوجاتی ہے پھر انحراف کے نتیجے میں رفتہ رفتہ ذیلی تحریکوں کا تشخص بسااوقات اصل تحریک سے الگ حیثیت بھی اختیار کرنے لگ جاتا ہے جوکہ اس تحریک اوراس کے بانیوں سے وفاداری نبھانے والوں کے لئے کسی صورت قابل

قبول نہیں ہوتا اور عموماً بڑے انحرافات کا سبب بنتا ہے۔تاریخ انسانی میں تحریکوں‘ جماعتوں اور امتوں کے بننے بگڑنے‘ پروان چڑھنے اور زوال پذیر ہونے اور پھر سے نئی یا پرانی ڈگر پر ابھرنے اور یوں بقاوفنا کی کشمکش سے گزرنے کا عمل پیہم جاری وساری رہتا ہے ......اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بھی جو کہ انسانیت کی تاریخ میں عظیم ترین شخصیت ہیں آسمانی ہدایات کے مطابق اس امت کی شکل میں ایک تحریک کھڑی کی تھی جس کا سب کچھ قیامت تک باقی رہنا یقینی امر ہے اوراس تحریک کو زندہ وقائم رکھنے والے لوگوں کا بھی ہر دور میں ایک مستقل اور مسلسل انداز سے باقی رہنا آسمانی خبر کی رُو سے قطعی اور حتمی ہے۔اب وہ کون لوگ ہیں جو اس پیشگوئی کا مصداق بن کر اس عظیم ترین شخصیت کی دعوت برحق کا فکری تسلسل رہے۔ان کی وہ آئیڈیالوجی کیا ہے‘ جو ان کے امتیاز کی اصل بنیاد رہی ؟اس تحریک کی تاسیس کن لوگوں کے ہاتھوں ہوئی اور کن کے ہاتھوں اس کی ترجمانی وتجدید کا کام ہوتا رہا ؟اس کے پیروکاروں کی درجہ بندی اور تقسیم مراتب کیونکر ہوتی رہی؟اس سے انحرافات کو کس طرح ضبط میں لایا جاتا رہا اوراس کے مخالفوں کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کی جاتی رہی ؟ پھر موجودہ دور میں اس کے دائرہ کی حدود کیا ہیں؟اس کی ترجیحات کا محور کیا ہے؟اس سے انحرافات کی شکل کیا ہے اوراس کو درپیش اصل چیلنج کون سے ہیں۔فکر وعمل میں اس کے کردار کو زندہ کرنے کے لئے آغاز کہاں سے ہو اور زادراہ کی صورت کیا ہو؟

یہی سوالات اس کتاب کا موضوع ہیں..................

عرض مترجم

اسلام اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل دین فطرت ہے جو مکمل بھی ہے اور حتمی وآخری بھی، عقیدہ بھی ہے اور شریعت بھی، ضابطہ اخلاق وسلوک بھی ہے اور طریق تربیت ومنہج تحریک بھی۔ اپنے ان سبھی گوشوں سے مل کر یہ زمین پر ایسے انسانوں کی تعمیر کرتا ہے جو ایک طرف اس دین کی صحیح، جامع اور مکمل شکل اپنے وجود سے پیش کرتے ہیں پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام اور جاہلیت کے درمیان ہمیشہ سے جاری اس جنگ کو زندہ کرتے جس کی ابتداء آدم علیہ السلام وابلیس سے ہوئی تھی اور تیسری طرف انسان کے مضطرب ضمیر کو سکون قلب کی دوا دینے کے لئے ہدایت وراستی اور امن وآشتی کا پیغام بن جاتے ہیں۔ اسی بات کو زمین پر اللہ کی حجت قائم کرنے اور شہادت علی الناس کا نام دیا جاتا ہے۔

شہادت علی الناس کا یہ عمل ورثہ نبوت ہے جس کا عملی مظاہرہ کسی دور میں بھی، کم ہوا ہو یا نرم پڑ گیا ہو تو الگ بات ہے، ختم نہیں ہو پایا۔ ہر دور کے بہترین لوگوں نے اس میدان کارزار میں قیادت کا فرض سرانجام دیا ہے۔ اور ہر دور کے بدترین لوگوں نے ان کے مدمقابل آنے کی ٹھانی ہے۔ انسانوں کو جاہلیت کی ظلمتوں سے نکال کر اللہ بندگی کے نور میں لانے کا یہ عمل مسلسل جاری ہے جو دلوں کے بند کواڑ کھولنے سے لے کر باطل کے بلند وبالا قلعے مسمار کرنے تک ایک خاص ربانی طریقہ کار رہے اور وقت وحالات کے تقاضوں کا پورا پورا خیال رکھنے کے باوجود اپنے تمام مراحل میں یکساں، ٹھیٹ اور ٹکسالی ہے۔ دعوت الی اللہ اور اقامت دین کا یہ عمل صدیوں پر محیط طویل وعریض تاریخ کی صورت میں پھیلا ہوا

ہے جو ایک جگمگاتی ہوئی روشن تہذیب کی شکل میں نجات کے ہر متلاشی کو دعوت تفکر دیتا ہے ۔انسانی شکل وصورت اور بشری قالب میں دین اسلام کا یہ تاریخی وجود' جو کہ تا قیامت ورثہ نبوت ہے' اہلسنّت کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ اسماء والقاب سے قطع نظر بہرحال چونکہ زمین پر رسول ﷺ کی دعوت کا تسلسل یہی جماعت رہی ہے اس عقیدہ وفکر اور منہج وسلوک سمیت دین کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں اسی کے وجود سے اپنا وجود تلاش کرنا' اسی کے خطوط سے اپنے فکر وعمل کو موازنہ کرنا' اسی کو اتباع رسول کا پیمانہ اور محور تسلیم کر کے خود کو تولنا اور اسی کے علمی ورثے کے ذریعے حق کا فہم لینا ضروری ہے۔

اللہ کی طرف لوٹنے اور اس کی بنیاد پر امت کو بیدار کرنے کا جو کام اس دور میں ہو رہا ہے اور اس مقصد کے لئے پچھلی صدی سے لے کر جو بہت سی تحریکیں اٹھی ہیں (خاص طور پر برصغیر میں) ان میں ایک بہت بڑا رخنہ' جو آگے چل کر اور بڑے رخنوں کا سبب بنا' یہ رہا کہ اہلسنّت کے تاریخی وجود سے اپنے وجود کو متصل نہ کرنے کے باعث خود تجربات کرنے' اپنی فکر لڑانے' خود راستے تلاش کرنے اور فقہ سلف سے یک گونہ بے نیاز ہو کر کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ اور اجتہاد کرنے کی روش بہت زیادہ عام ہوئی ہے۔ یوں بعض روایتی مسائل یا معروف عقائد کو کسی حد تک چھوڑ کر دین کے بیشتر امور میں کتاب وسنت کی توضیح وتفہیم اور استدلال واستنباط میں ''اپنا خیال'' ظاہر کرنے کا رجحان بہت پلا بڑھا ہے اور اس میں روز بروز افزائش ہو رہی ہے۔ سلف اور اہل سنّت کے علم وفقہ کو ایک حد تک نظر انداز کر کے ایک نئے سرے سے دین وعقیدہ' سلوک وطرز عمل' اقامت دین' منہج تربیت وتحریک' اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایسے دین کے بنیادی تصورات کی تفہیم وتفسیر

یوں تو اہل علم و فضل کے لئے بھی قابل ستائش نہ تھی مگر جس وقت قرآن وحدیث کا یہ ''براہ راست'' فہم واستنباط ہر شخص کا حق قرار دے دیا گیا بلکہ بعضوں نے تو اسے فرض بھی قرار دے دیا تو جماعتیں اور تنظیمیں شمار سے باہر ہونے لگیں۔

اس حوالے سے زیر نظر کتاب کے دو پہلو پیش نظر ہیں۔

اس کتاب میں زیر بحث ہر موضوع کو پڑھنے کے بعد عین ممکن ہے آپ شدید طور پر عدم تشفی محسوس کریں اور مزید بحث و تحقیق کی خواہش پیدا ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب میں دین کے تمام اہم جوانب کا عمومی احاطہ کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے اس سے ہر جانب کا ایک انتہائی ساخاکہ ہی پیش ہوسکا ہے ۔جبکہ دراصل ان میں سے ہر موضوع ایک الگ تصنیف بلکہ بعض موضوعات تو کئی کئی تصانیف کے متقاضی ہیں ۔تاہم یہ مختصر سی کتاب اگر ایک طرف آپ کو منہج اہلسنّت کی وسعت کا کسی حد تک اندازہ کرنے میں کامیاب ہوجائے ۔جس کے بعد آپ یہ سمجھنے لگیں کہ ان تمام امور میں خاطر خواہ بصیرت پیدا کئے بغیر آگے چلنا اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے' اور دوسری طرف دین کے ان تمام پہلوؤں کی نسبت منہج اہلسنّت کی طرف علمی و فکری طور پر رجوع کرنے اور اپنے ''زور بازو'' پر انحصار کم کرنے کی ضرورت آپ کے ذہن میں اجاگر کردے' تو ہمارے خیال میں اس کتاب کا بڑی حد تک مقصد پورا ہوجائے گا اور اس صورت میں ایک صحیح سمت کی جانب آپ کا سفر شروع ہوجانا یقینی ہے۔صدق نیت اور اللہ کی رحمت شامل حال رہے تو یہ راستہ انشاءاللہ نجات کا ضامن ہے۔

اس کتاب کا دوسرا اہم پہلو عقیدہ اور تحریک میں ربط پیدا کرنا ہے کیونکہ اس دور میں

ایمان وعقیدہ اورتحریک وعمل میں ایک خلیج پیدا کردی گئی ہے اوراس بناپر ان لوگوں کا تو ذکر ہی کیا جوعقیدہ کی اولیت کے قائل ہونے کے سرے سے دعویدارنہیں دوسرے بیشتر طوائف بھی جو اپنے عمل کی بنیاد عقیدہ کوقرار دیتے ہیں' عقیدہ گویا تو ''رٹا'' قسم کی چیز بنادیتے ہیں یا پھرایک تاریخی یادگار جوآج بھی بحث ومباحثے کا موضوع ہونی چاہئے! زیادہ ہوا تو اس کے چند پہلوؤں کو ہی دین کی کل کائنات سمجھ لیتے ہیں' پھرانہیں پیش کرنے اور ان کی بنیاد پرلوگوں سے قرب وبعد اختیار کرنے میں جو افراط وتفریط روا رکھی جاتی ہے وہ بجائے خود ایک ستم ہے۔ یہ سب لوگ یہ فراموش کرجاتے ہیں کہ عقیدہ ہر دور کی جاہلیت سے مکمل براءت اور ہر دور کے طاغوتوں سے کفر کرنے کا سبق دیتا ہے اور ہر زمانے میں حق اور باطل کو دوصفوں میں بانٹ کران میں ازلی وابدی جنگ کومہمیز کردینے کا پیغام ہے جس کے نتیجے میں دین پورے کا پورا اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے ہوجائے اور ذلت وحقارت اس کے دشمنوں اورشریکوں کے لئے خاص ہوجائے۔ ایمان سے عمل کومربوط کرنے اور یوں عقیدہ کی بنیاد پرتحریک کھڑی کرنے کا علم جوعموماً ''منہج'' سے موسوم کیا جاتا ہے جس سے دین کے اصول وفروع کا تعین ہوتا ہے اور ان ہر دو میں کفر وبغی' بدعات واھواء یا خطا وتاویل اورجہل کی بناپر ہونے والے اختلاف وانحراف کی جو پیمائش ودرجہ بندی ہوتی ہے اور اہل ایمان کے پردہ شعور پراسلام اور جاہلیت کے اس حقیقی معرکہ کا نقشہ ابھرتا ہے جو انبیاء کی پیروی میں ہر دور کی ظلمت کو مٹانے کی خاطر لڑا گیا ہے پھراس کشمکش کواٹھانے کے لئے جو انداز واسلوب اختیار کیا جاتا ہے اس کتاب میں ان سب امور میں اصول اہلسنّت سے رہنمائی لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

انہی دو وجوہات کی بنا پر ہم نے آپ کے لئے اس کتاب کا انتخاب کیا ہے!

امید ہے اس کتاب کو پڑھ کر فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ کے بارے میں لوگوں کے لاشعور میں بیٹھ جانے والی اس غلط فہمی کے ازالہ میں بھی مدد ملے گی جو اس دور کے جماعتی مفہومات نے عام کر دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی ایسی جماعت ہوگی جس کا سنتے ہی ذہن میں ایک صدر، سکریٹری یا امیر و مجلس شوریٰ وغیرہ کا تصور ابھرتا ہے! قرون اولیٰ کے سلف صالح اور ائمہ اہل سنت کے ہاں خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین کے علاوہ ایسا کوئی بھی تصور نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس صرف اور صرف عقیدہ وفکر اور سلوک وطرز عمل کی بنیاد پر امتیاز ہی فرقہ ناجیہ کو ''جماعت'' بناتا ہے اور ''جماعت'' کا یہی وہ صحیح اور اصل مفہوم ہے جس کی بنا پر فرقہ ناجیہ تا قیامت باقی رہے گا وگرنہ حق کے نام پر اور بہت کچھ بنا بھی ہے اور بنتا بھی رہے گا......مگر ناپائیدار ہوگا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس حقیقی مفہوم کی بنا پر ''جماعت'' سے وابستگی رکھتے ہیں، اس کو اپنی دینی پہچان اور شناخت کا واحد عنوان قرار دیتے ہیں اور اس تشخص کو قائم وراسخ کرنے کے لئے دوسرے ہر تشخص کو قربان کر دیتے ہیں......یــد الله على الجماعة.

مختصر طور پر...... یہ کتاب دین کو منہج سلف اور مذہب اہلسنّت کی روشنی میں عدل وقسط کے ساتھ سمجھنے کے لئے صرف ایک تمہید اور اپنے گرد وپیش کو میزان حق میں تولنے کے لئے علم وبصیرت کی سمت مسلمان کے قلب وذہن کا رخ سیدھا کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اہل فکر ودانش کا یہ کام ہے کہ اس پر مزید غور فرمائیں۔

یہ کتاب جو کئی سال پیشتر عالم عرب میں لکھی گئی ہے اور اس کے مرتب بھی عالم عرب ہی

سے تعلق رکھتے ہیں علمی حلقوں میں خاطر خواہ طور پر مقبول ہوئی ہے' اس کے بہت سے ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں اور اہل علم کی معتد بہ تعداد نے اس کو تربیت اور منہج کی درستی کے لئے مفید قرار دیا ہے جس میں سعودی عرب کے شیخ عبداللہ بن محمد بن جبرین اور شیخ بکر عبداللہ ابوزید خاص قابل ذکر ہیں۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر ان لوگوں کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے جو اسلام کے بارے میں نہ صرف خاطر خواہ معلومات رکھتے ہیں بلکہ اس کے بہت سے مسائل' تعبیرات' اصطلاحات اور واقعات ان کے لئے معروف ہیں' یوں ان کا پس منظر بیان کرنے کی گنجائش بہت کم رہتی ہے' پھر بھی دوران ترجمہ جہاں ناگزیر مقامات پر مختصر انداز سے وضاحت کی گئی ہے وہاں حاشیوں کے آخر میں ''ازمترجم'' لکھ دیا گیا ہے۔ بہر طور اسلام کے بارے میں ابتدائی معلومات رکھنے والوں کو دشواری پیش آسکتی ہے ایسے حضرات موضوع کی نزاکت کے پیش نظر ہمیں معذور فرمائیں۔

وہ حضرات جو ان مسائل پر اپنے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کی تشفی اور مزید تفصیل طلب موضوعات اور غور طلب نکات کے فہم و تفہیم میں دلچسپی رکھتے ہوں' اپنے خیالات واشکالات اور افکار و آراء سے مستفید فرمائیں تو آئندہ مطبوعات کو مفید بنانے میں مدد ملے گی ۔اس کے علاوہ بھی چونکہ ہمارے پاس ابلاغ کا کوئی خاص ذریعہ نہیں اس لئے وہ اصحاب جو اس قسم کے موضوعات پر لٹریچر کی خواہش رکھتے ہوں بذریعہ ڈاک اپنا ایڈریس روانہ کردیں تو ان کو نئی مطبوعات کی بابت اطلاع کرنے میں رہنمائی مل سکے گی۔ یہ کتاب بذریعہ ڈاک بھی ادارہ سے منگوائی جاسکتی ہے۔

پیش لفظ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ‘ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا‘ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ‘ ومن یضلل فلا ھادی لہ. واشھدوان لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد وان محمداً عبدہ ورسولہ.

’’یاایھا الذین آمنو اتقو اللّٰہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون‘‘

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے‘ اور تمہیں موت نہ آئے سوائے اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو‘‘۔

’’یاایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحد وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء ، واتقوا اللّٰہ الذی تساء لون بہ الارحام ان اللّٰہ کان علیکم رقیبا‘‘

’’لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد عورتیں پھیلا دیئے ۔ اللہ سے ڈرتے رہو ۔ جس کا تم واسطہ دیتے ہو اور (قطع مودت) ارحام سے بچو ۔ یقیناً اللہ تم پر نگاہ رکھنے والا ہے‘‘۔

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولا سدیدا یصلح

لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کہو (اس سے) اللہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ بہت بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوگا“۔

نبی اکرم ﷺ سے کئی احادیث میں مروی ہے، جیسا کہ مسند احمد، سنن ابی داؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی اور ماسوائے ایک کہ سبھی دوزخ میں جائیں گے اور وہ ایک فرقہ ”جماعت“ ہوگی۔ ایک روایت میں ہے ”یہ وہ فرقہ ہوگا جو اس راستے پر چلے گا جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں“۔

مذکورہ حدیث کو امت نے صحیح سمجھ کر قبول کیا ہے رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث میں امت کو تنبیہ کی ہے اور اس فطری قانون سے خبردار کیا ہے جو اللہ نے ہمیشہ سے اپنی مخلوق میں جاری رکھا ہے۔ پہلی امتیں، ماسوائے جن کو اللہ نے بچائے رکھا، اسی میں پڑ کر برباد ہوئیں، چنانچہ یہ فطری قانون اس امت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے گا، سوائے جن کو اللہ اپنی خاص رحمت ہی سے بچائے گا اور اپنے رسول اور ان صحابہ کے راستے پر گامزن کردے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”یہودا کہتر فرقوں میں بٹے اور ایک کے سوا سب دوزخی بنے، عیسائی بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹے اور ایک کو چھوڑ کر سب دوزخ میں گئے، جبکہ یہ امت تہتر

فرقوں میں بٹے گی اور ایک کے علاوہ سب دوزخی ہوں گے ایک روایت میں ہے:

''تہتر ملتوں میں بٹے گی'' جبکہ ایک اور روایت میں ہے: صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول ﷺ فرقہ ناجیہ (نجات پانے والا) کون ہوگا؟'' فرمایا ''جو اس راستے پر ہوگا جو آج میرا اور میرے صحابہ کا ہے''۔

ایک دوسری روایت میں اس (فرقہ) کے بارے میں آتا ہے: فرمایا ''وہ جماعت ہوگی۔جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوگا''

اللہ کے رسول نے سچ ہی فرمایا تھا چنانچہ وہی ہوا' اور امت' رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد فرقوں میں بٹنے لگی **بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم** کے مصداق ''آسمانی ہدایت کے باوصف سرکشی کرتے ہوئے'' خواہشات و آراء کی کشش سے لوگ حق سے دور ہٹتے چلے گئے' اختلاف بڑھتا گیا اور یوں مختلف مذہب اور مسلک نظر آنے لگے۔ بدعات اور نظریات کی بھرمار ہونے لگی۔ لوگ کتاب وسنت سے بیگانہ ہو کر صراط مستقیم سے ہٹے اور مختلف بھول بھلیوں میں بھٹکنا شروع کر دیا۔ اللہ اور رسول ﷺ پر دوسروں کو سبقت دینے لگے اور غلط راستوں سے ایسے چمٹ کر بیٹھ گئے جیسے یہی حق ہوں۔

لیکن اسی دوران جہاں یہ سب کچھ ہوتا رہا' وہاں رسول امین کی پیشین گوئی کے مطابق فرقہ ناجیہ کا وہ علم بھی سربلند ہی رہا اور ایک پل بھی سرنگوں نہ ہونے پایا جس کے نیچے وہ صراط مستقیم کے راہی نجات کی فکر لے کے جمع ہوتے رہے جن کو اللہ نے گمراہیوں کی اندھیر نگری سے بچا رکھنا تھا۔ یہ لوگ اس ''جماعت'' سے وابستہ رہے جو رسول برحق اور صحابہ کرام کے راستے پر گامزن تھی۔ اسی سے تابعین' تبع تابعین اور راہ حق پر چلنے والے لوگوں کا سلسلہ چلتا

رہا

اس باوصف ''جماعت'' اور فرقہ ناجیہ نے زمان ومکان کی حدود سے بالاتر رہ کر ہمیشہ اپنا وجود برقرار رکھا۔ امت کو اس پاکیزہ درخت سے وہ ثمرات نصیب ہوئے جو اس کی طویل وعریض تاریخ میں مشرق یا مغرب ہدایت وراستی کا سبب بنتے رہے۔ اس کے سائے میں وہ تمام جلیل القدر ائمہ سلف اور اہل حق پروان چڑھتے رہے جنہوں نے اس جماعت کے ورثے کی پاسبانی کے فرائض سرانجام دیئے اور ساتھ ساتھ اپنے قلب وذہن کی کاوشیں شامل کرتے رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس امانت سے اپنے پیشرووں سے اس دین کو لیا تھا اسی امانت سے آئندہ نسلوں کے لئے اس ورثہ کو صاف شفاف اور اجلی نکھری صورت میں منتقل کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔ چنانچہ اپنے خاص منہج اور علوم وفقہ کے حوالے سے اس ''جماعت'' کو ایک امتیاز حاصل رہا ہے۔ اسی طرح اپنے سلوک وکردار اور طرز عمل کی بنا پر بھی یہ ''جماعت'' صاحب امتیاز رہی ہے۔ بلکہ اس کی ان مشہور شخصیات کو بھی امتیازی مقام حاصل رہا ہے جو اس جماعت کے منہج، علم اور مسلک کے حاملین ہونے کے شرف سے بازیاب ہوتی رہیں، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو اس امانت کو خلق اللہ میں عام کرتے رہے۔ خود ان کے لئے اس راستے کے نمونے بنے، اسی راستے میں صبر کرتے رہے، اسی کی طرف دعوت دیتے رہے، اور اس کی حفاظت کے لئے جہاد کرتے رہے کہ اس کی دعوت کا علم بلند رہے۔ پھر اس کا آئندہ نسلوں کی خاطر کتابوں کے اوراق میں محفوظ کرنے سے بھی غفلت نہ برتی تاکہ اس راہ دشوار گذار کے قافلے، گردوغبار کے باوجود، کوئی دھندلاہٹ محسوس نہ کریں اور اس منہج کی آب وتاب برقرار رہے۔

چونکہ زمان ومکان کے لحاظ سے حالات مختلف ہوتے ہیں اور ہر زمانے یا علاقے میں مختلف صورتوں میں فتنے' آزمائشیں اور مکر وفریب جنم لیتے ہیں اس لئے لوگ ان فتنوں سے بچنے اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کے لئے ہر دور میں اسی ''جماعت'' کے علمی ورثے اور انہی کے علماء کا سہارا لیتے رہے ہیں تا کہ افکار وعقائد کے فتنوں کا حل تلاش کریں۔ گو منہج تو واضح تھا مگر فتنے اس قدر شدید ہوئے اور پے درپے نئے سے نئے مذہب مختلف چولے بدل بدل کر آنے لگے لوگ حیران پریشان ہوتے رہ گئے' حق وباطل کے آمیزے تیار ہونے لگے' سنت اور بدعت کا فرق ختم ہوکر رہ گیا' ہر گروہ صرف اپنے آپ کو صراط مستقیم کا پیرو سمجھ کر خود کو واحد مستحق نجات باور کرنے لگا۔ پھر جو علماء اعلام کی کمی ہوئی اور دین پر دشمنان دین اور زنادقہ کی وحشیانہ جھپٹیں شدت اختیار کرنے لگیں تو آخر نوبت بایں جارسید کہ جادۂ حق اور اہل حق کی تمیز ان مخلص مسلمانوں تک کے لئے مشکل ہوگئی جو فرقوں کے ازدحام' افکار کی بھرمار اور فتنوں کی آندھیوں میں راہ نجات کی تلاش میں نکل کھڑے ہونے کے لئے تیار تھے۔

اگرچہ اس ''جماعت'' کے علماء نے اس کے طریق ومنہج کی نشان دہی اور تمیز کی خاطر عظیم الشان علمی کارنامے سرانجام دیئے ہیں مگر پھر بھی ہر زمانے کے حالات چونکہ مختلف ہوتے ہیں اور ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اور اسی انداز اور نقطہ نظر سے ہی لوگ حق کو تلاش کرتے ہیں۔ اسی چیز کی جھلک' جب ہم اس دور میں لوگوں کو ایک خاص انداز سے اپنے منہج کو پیش کرتے اور دعوت دیتے دیکھتے ہیں تو اس میں بھی نظر آتی ہے............ تو اس لئے بے شمار مخلص نوجوان اس تلاش میں ہیں کہ ان کو کوئی علمی تحقیق پر مبنی ایسا متوازن لٹریچر

میسر آجائے جو ان کے اس دور کے تقاضے بھی پورے کرتا ہو اور اس ’’جماعت‘‘ اور فرقہ ناجیہ کی تلاش میں ان کے لئے مشعل راہ کا کام بھی دے۔ مگر عموماً یہ خواہش پوری نہیں ہو پاتی۔ گو ائمہ اعلام کی اس میدان میں پیش کردہ کاوشیں موجود ہیں جو ’’مشعل راہ‘‘ کا کام دے سکتی ہیں مگر ان کاوشوں کے یہ موتی ابھی تک ان کی ضخیم کتب میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں جن کے لئے بہرحال یہ ضرورت ہے کہ انہیں علمی ورثے میں سے اکھٹا کر کے تحقیق و تدقیق کے ساتھ اس انداز سے ترتیب دیا جائے کہ ایک طرف اس دور کے انداز اور تقاضے پورے ہوتے ہوں اور دوسری طرف سلف کا فکر اور فرقہ ناجیہ کا منہج بھی اس انداز سے واضح ہو جائے کہ اس دور کے لوگ اپنی زندگی' افکار اور مناھج کا باآسانی موازنہ کر سکیں۔

یہاں ایک اور قابل ذکر اور قدرے تفصیل طلب امر کی وضاحت ضروری ہے۔ ہماری اس بحث کا موضوع' جیسا کہ بعض حضرات کو بظاہر گمان ہو سکتا ہے' اہلسنّت والجماعت کے اصول اور منہج کا کوئی ایک خاص پہلو نہیں ہے' مثلاً عقیدہ اہل سنت یا کوئی ایک دوسرا پہلو' بلکہ اس کتاب کا موضوع اور مقصد تمام پہلوؤں اور سبھی جوانب کا عمومی طور پر احاطہ کرنا ہے کیونکہ عقائد کا پہلو اپنی تمام تر اولیت و اہمیت کے ساتھ ساتھ بہرحال اس طائفہ منصورہ کے متعدد جوانب میں سے ایک جانب ہے' جبکہ اس فرقہ ناجیہ کے اصول و منہج کے اور بہت سے گوشے ہیں۔

’’اہلسنّت والجماعت‘‘ ایک خاص تعبیر ہے جسے بدقسمتی سے مختلف تاریخی' سیاسی اور معاشرتی و سماجی اسباب نے سکیڑ کے رکھ دیا ہے تاکہ عام لوگوں کے ذہنوں میں بادی

النظر اس تعبیر کے متعدد پہلوؤں میں سے ایک خاص پہلو ہی کا تصور اجاگر ہو سکے۔ جبکہ اس کے کئی دوسرے جوانب بھی ہیں جن کو طاق نسیان میں پڑا رہنے سے زمانے کے گرد وغبار نے بہت حد تک چھپا دیا ہے۔ جبکہ میزان حق اور معیار فلاح ونجات میں دنیوی اور اخروی دونوں لحاظ سے ان جوانب کی اہمیت کچھ کم نہ تھی۔ اہلسنّت والجماعت کے منہج میں عقائد کو جو اہمیت ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسی کو مجال انکار' بلکہ بقول امام رجب رحمہ اللہ یہ بے انتہاء حساس مسئلہ ہے اور اس کی مخالفت تباہی کے دھانے تک پہنچا دیتی ہے' لیکن اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں کہ ہم باقی جوانب کی حق تلفی کرتے ہوئے اہلسنّت کے دوسرے اصول اور منہج کے دیگر امور سے بے نیاز ہو جائیں جو کہ عقائد اہلسنّت کے ساتھ مل کر دین کی اس پرشکوہ عمارت کی بنیادوں اور ستونوں کی تکمیل کرتے ہیں جو اس ''جماعت'' کے اس عظیم الشان ورثے کو محفوظ کئے ہوئے ہے۔ کسی بھی چیز کے ''اصول'' جیسا کہ لغت کی کتابوں میں ملتا ہے' اس کی وہ بنیادیں ہوتی ہیں جن پر اس کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ تو پھر کیا اس ''طائفہ منصورہ''۔ اہل سنت والجماعت ...... کا سب کا سب ورثہ صرف اور صرف عقائد اہلسنّت ہی پر مشتمل ہے؟ اور کیا وہ پوری تہذیب جو دنیا وآخرت کی بھلائی کا سبب بن رہی ہے اور اس ملت کی پوری تاریخ پر محیط ہے عقائد کے سوا کچھ نہ تھی؟ آخر وہ علمی اصول وضوابط اور عقل کی حدود جو ''اہل سنت'' نے وضع کی ہیں کہاں جائیں گی؟ نظر واستدلال اور بحث واستقراء کے بارے میں (اہلسنّت کے) منہج کو کس خانے میں فٹ کریں گے؟ وہ اصول جو ہر دور کی واقعاتی حالت کو سمجھ کر (دین کی روشنی میں) ایک مثبت اور صحیح منہج اپنا کر تحریک برپا کرنے میں راہنمائی کرتے ہیں اور مصلحت

ومفسدت کی حدود (کتاب وسنت کی روشنی میں) طے کرنے کے لئے درکار ہوتے ہیں وہ سب کہاں جائیں گے؟ مخالفین کے متعلق موقف اختیار کرنے کے بارے میں اہلسنّت کے کیا اصول ہیں؟ کیونکہ ان سے جو طرز عمل اپنا چاہیئے وہ انہی ''اصول'' پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ کون سے اصول ہیں جو ان (اہلسنّت) کے مابین آپس کے تعلقات اور طرز عمل متعین کرتے ہیں؟ عالم اسباب کے ساتھ انسان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اور فطری قوانین اور اسباب وعلل کے بارے میں انسان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ یہ سب وہ ''اصول'' ہیں جن کے بارے میں اہلسنّت والجماعت کے منہج میں راہنمائی ملتی ہے...... آخر یہ سب امور کہاں جائیں گے؟

ہمارے یہ کہنے سے کہ اہلسنّت والجماعت کے اصول ومنہج کے بارے میں جامع قسم کی تحقیق کی کمی محسوس ہوتی ہے' ہمارا یہ مطلب ہے کہ فی الوقت ایسی منفرد قسم کی تصنیف میسر نہیں ہے جس میں ان تمام ''اصول'' کا جامع علمی تحقیقی انداز میں استخراج کر کے ایک متوازن اور متناسق قسم کی تالیف مرتب کی گئی ہو اور جس میں اہل سنت کے منہج کے سبھی پہلو زیر بحث لائے گئے ہوں۔ اس میں عقائد اہلسنّت کو بھی بنیادی موضوعات میں سے ایک موضوع اور اہم پہلو کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہو' تاہم اس میں دوسرے ''اصول'' اور موضوعات کو بھی موزوں حیثیت حاصل ہو' گو عقائد کی حیثیت بلحاظ اہمیت مقدم ہو۔ اسی قسم کی تحقیق کے بارے میں ہماری اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس امت کو یہ کام کرنے والے لوگ میسر آجائیں۔

اہل سنت والجماعت کے ''اصول'' میں سے صرف عقائد والے ''اصول'' ہی کو زیر بحث

لانے اور یہ تاثر قائم ہوجانے سے کہ اہلسنّت کے ''منہج واصول'' اول و آخر صرف اسی پہلو تک محدود ہیں جو بے شمار مخلص نوجوان لاعلمی سے ایسے تضادات کا شکار ہوگئے جو ''اہل سنت'' ہی کے بہت سے ''اصول'' سے ٹکراتے ہیں جبکہ یہ اصول اہلسنّت کے تحریکی منہج اور ہر دور کے واقعاتی ماحول کے ساتھ طرزِ عمل اختیار کرنے میں مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اہلسنّت ''اصول'' سے مراد اس جماعت اور طائفہ منصورہ کے وہ تمام جامع اور مکمل مناہج ہیں جن سے علم، عمل، فکر، سلوک و طرزِ عمل، عقیدہ اور شریعت کے میدانوں میں جادہ حق کی نشان دہی ہوتی ہے۔ مزید براں ان کا دائرہ کار نفس اور ذہن کی غذا فراہم کرنے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس منہج اور طریق کار تک کو محیط ہے جس سے اللہ کی زمین پر اس کا دین قائم ہوتا ہے۔ ہم اہل سنت کے کتابی ورثے میں سے اسی نقطۂ نظر سے تحقیق و استخراج کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس ٹھوس، مکمل، خالص اور جامع منہج تک رسائی آسان ہوسکے جو اس ''طائفہ منصورہ'' کے ''اصول'' کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کے لئے اپنی فکری، تحریکی اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام خدوخال درست کرنے میں دشواری پیش نہیں آتی اور اس کی سعی آخرت بآور ہوتی ہے۔

جب اس معیارِ حق پر گرد و غبار سے دھول پڑ گئی ...... اس دھندلاہٹ سے ہماری مراد یہ قطعاً نہیں کہ یہ فی نفسہٖ دھندلا گیا تھا بلکہ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں یہ اپنی واضح شکل میں موجود نہ رہ سکا تھا۔ حالانکہ موجودہ دور میں پیش آنے والے بہت سے مسائل اور ذہنوں میں گونجنے والے بے شمار سوالات کے جواب اسی معیار و میزانِ حق کی روشنی میں دیئے

جا سکتے تھے' مثلاً ''اہل سنت والجماعت'' کون لوگ ہیں ؟ مسلمان کب اس جماعت میں شامل ہوتا ہے اور کب اس سے خارج ہو جاتا ہے؟ اور کیا اس جماعت کا ایک فرد ہونے سے مطلق نجات یقینی ہے ؟ ''مفارق جماعت'' کون لوگ ہوتے ہیں ؟ اور کیا سبھی مفارقین جماعت فرداً فرداً بھی ہلاکت میں پڑنے والے ہونگے ؟ ایسے لوگوں کے بارے میں اہل سنت کا کیا موقف ہے؟ ان سے کیا طرز عمل اور رویہ رکھا جاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ......تو جب یہ ''جامع اور متوازن میزان'' ابہام اور دھندلاہٹ کا شکار ہوا تو اس کے اثرات مرتب ہونا یقینی تھے۔ چنانچہ عام مسلمان تحریکیں دو انتہاؤں کی طرف چل دیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اہل سنت اور دیگر فرقوں میں تمیز ہی ختم کر دی۔ نتیجتاً ان کے ہاں اہلسنّت اور غیر اہلسنّت میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ ان حضرات کے گمان میں ''سبھی فرقوں کی نجات ہو جائے گی یہ سب فرقے اجتہادی اختلافات کے سبب معرض وجود میں آئے ہیں اور یہ سبھی راستے ایک ہی منزل کی طرف جاتے ہیں''۔ یہ ذہن خاصا عام ہے۔ اگرچہ زبان سے کوئی نہ کہے ' مگر حقیقت میں بہت سو کا یہی خیال ہے۔ اس ذہن کے بہت سے لوگوں نے تو فرقوں (تہتر فرقوں اور صرف ایک فرقہ ناجیہ کی پیشینگوئی) والی مذکورہ حدیث تک میں تشکیک پیدا کرنی شروع کر دی ہے۔ اس صنف کے برعکس بعض دوسرے گروہوں نے اپنے اپنے گرد اپنے اپنے خیال سے کچھ حدود بنا رکھی ہیں اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ حدود اہلسنّت' طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کی امتیازی حدود ہیں۔ یہ اعتقاد تک رکھنا شروع کر دیا کہ صرف وہ اور ان کے ہم فکر حضرات ہی اہلسنّت' طائفہ منصورہ اور فرقۂ ناجیہ ہیں اور دیگر سب لوگ اہل بدعت' اہل تفرق اور اختلاف وگمراہی کے حامل ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ تحریکی

نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد حیران وششدر نظر آتی ہے جو واضح اور صریح جوابات کی تلاش میں لگی رہتی ہے تا کہ ٹھوس اور متوازن قسم کا معیار ومقیاس مل جائے جسے موجودہ دور کے حالات پر فٹ کر کے صحیح صحیح حکم لگایا جا سکے۔ موجودہ دور کی جماعتوں' گروہوں' تنظیموں اور تحریکوں کی حیثیت طے کی جا سکے اور فرقہ ناجیہ سے ان سب کے تعلق کی نوعیت واضح ہو سکے چاہے اس کا کوئی بھی نام یا پہچان ہو' خواہ وہ اس نام یا پہچان سے اپنے آپ کو متعارف کرائے یا دوسرے لوگ اس کو کوئی اور نام دیتے ہوں۔

ہم اس بات کی شروع ہی سے وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ معیار اور میزان مجموعی طور پر نہ تو ہمارے کسی اجتہاد کا نتیجہ ہے نہ کسی اور کے اجتہاد کا' بلکہ صحابہ کرام تک کا اجتہاد نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ ان کو اور پھر ہمیں لفظاً ومعناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ملا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور پھر ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں نے اگر کچھ کیا ہے تو اسے صرف عملی طور پر پیش کیا ہے۔

تا آنکہ یہ علمی شرح وبسط کی صورت میں نظر آتا ہے اور کتابی قواعد کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ تاہم جیسے ہم نے پہلے عرض کی ہے یہ قواعد واصول اہل سنت کے علماء کی کتابوں کو جمع کرنے کی حد تک اپنی سی ایک کاوش کی ہے۔ یقیناً اس سے زیادہ علمی' جامع اور وسیع بحوث کا راستہ بھی کھلا ہے اور گنجائش بھی موجود ہے۔

ہم نے موجودہ اسلامی لٹریچر میں اس موضوع کا احاطہ کرنے والی جامع قسم کی تحقیق کی خاصی تلاش کی ہے مگر مل نہ سکی۔ بلکہ جامعات میں لکھے جانے والے مقالات میں سے بھی کثرت اور تنوع سے پائے جانے کے باوصف کوئی ایسا جامع تحقیقی مقالہ نہ مل سکا جو اس

موضوع کی مختلف نظری اور عملی جوانب پر سیر حاصل بحث کرتا ہو‘اس تحریکی زندگی میں تشنہ نگاہوں کی بھی تشفی کرتا ہواور نازک سوالات کا بھی جواب دیتا ہو۔اہلسنّت کے عقائد کی کتابوں میں سے کسی کتاب پر تحقیق یا ائمہ سنت وحدیث میں سے کسی کی سوانح وغیرہ پر تو کتابیں کافی ملتی ہیں لیکن یہ صرف ایک پہلو ہوتا ہے۔چنانچہ ہم نے متقدمین کی کتابوں میں سے اس کی تلاش شروع کی تو بھی جہاں تک ہماری معلومات اور تلاش کا تعلق ہے صرف اس موضوع کا احاطہ کرنے والی تصنیف تو نہ ملی‘ تاہم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریروں میں بہت سا مواد منتشر حالت میں ضرور مل گیا۔چونکہ ان کی کتاب مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کی دیگر سب کتابوں سے بڑھ کر تمام دینی وشرعی موضوعات کا احاطہ کرتی ہے اور اس لحاظ سے بہت وسیع اور جامع بھی ہے‘اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں یہ کتاب عام بھی بہت ہے‘زبان اور اسلوب عام فہم ہونے کے علاوہ معلومات اور علمی گہرائی کا بے پناہ سمندر رہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خاصہ ہے‘اور اس لحاظ سے یہ ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے‘تو اس بنا پر ہم نے اپنی اس تحقیق میں اس کتاب پر بہت زیادہ انحصار کیا ہے ‘اس کوشش کے ساتھ کہ اس سے وہ بنیادیں اور خطوط استخراج کریں جو ان بہت سے سوالات کے درست جواب دے سکیں۔شاید اس طرح ہم اس سے زیادہ بہتر اور جامع تحقیق کے لئے راستہ کھول سکیں جو علمی وقت کے اعتبار سے ااس سے بھی بہتر ہو یا مزید تفصیل طلب موضوعات پر‘جو اس سے متعلق ہوں‘ قلم اٹھایا جا سکے۔

شاید یہ سوال اٹھے کہ آخر شیخ الاسلام رحمہ اللہ ہی کی تحریریں کیوں؟اس کے ایک پہلو کا جواب تو ہم ابھی دے چکے ہیں کہ ہمیں ......اپنی معلومات اور تحقیق کی حد تک ......شیخ

الاسلام رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرا کوئی نظر نہیں آتا جس نے اس موضوع پر اس قدر تفصیل، گہرائی، باریکی اور جامعیت سے قلم اٹھایا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان جلیل القدر ائمہ اعلام میں سے ہیں جن کے بارے میں اہلسنّت سے نسبت رکھنے والے سبھی مسلمانوں کے مابین مذاہب اور طریق ہائے کار کے اختلاف کے باوجود اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اہل سنت کی پوری تاریخ میں ان کو علم وعمل کے میدان میں بے انتہاء بلند مقام حاصل ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو ائمہ سابقین کے علم وفضل کا وافر حصہ نصیب ہوا تھا اور وہ صرف علم وحفظ ہی نہیں فہم وتفقہ اور باریک بینی میں بھی یکتا تھے۔ اس کی تفسیر وتفہیم اور شرح وتفصیل میں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کے وہ جوہر دکھائے کہ عظیم ترین مقام پر فائز ہوئے۔ بلکہ یہ کہنے میں شاید کوئی مبالغہ یا غلو نہ ہو کہ ان کے بعد آنے والے بیشتر ائمہ جنہوں نے اس علمی ورثے پر دیرپا نقوش چھوڑے ہیں، کی تحریریں اس میدان میں انہی کی مرہون منت نظر آتی ہیں بلکہ بیشتر تو انہی کی تحریروں کی بازگشت اور مختلف شکل وصورت میں انہی کی شروح وتفاسیر دکھائی دیتی ہیں، گویا یہ سب اسی کا پھیلاؤ ہے۔ مزید براں اس جلیل القدر امام نے جو معرکہ خیز زندگی گزاری ہے اور فکری، علمی، عملی اور منہجی لحاظ سے پرفتن دور سے گذرے ہیں، اور جن آزمائشوں سے اس دور میں اہلسنّت دوچار رہے ہیں ان سب کی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات وفتاویٰ تک میں نمایاں جھلک موجود ہے۔ اس سلسلے میں نہایت باریک بینی اور گہرائی سے موجودہ دور کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کتاب میں ہم صرف ان کے وہ اقوال نقل کریں گے جن کے بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے خود اہلسنّت والجماعت کی ترجمانی کی صراحت کی ہے۔ یوں یہ ان کا ایسا ذاتی فتویٰ یا اجتہاد نہیں رہتا

جس میں ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہو۔

ہم نے اپنی اس تحقیق کو اس تمہید اور مقدمہ کے علاوہ تین ابواب اور ''اختتام'' میں منقسم کیا ہے۔ پہلے باب میں قافلہ حق کے سفر کا ایک عام تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں اس فطری خدائی قانون پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کے تحت انسان صراط مستقیم سے خروج کرتے رہے ہیں۔ اس میں سے ہم نے بعض اہم تعریفات بھی پیش کی ہیں مثلاً اہل سنت والجماعت' اہل الحدیث' سلف اور طائفہ منصورہ وغیرہ کی تعریفات' اسی طرح ہم نے اہل سنت والجماعت کے نام کی تاریخی حیثیت بھی واضح کی ہے۔ اس باب میں ہم نے صرف امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریروں پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دوسرے مصادر سے بھی اس کا مواد جمع کیا ہے' حاشیہ میں اس کی وضاحت ساتھ ساتھ موجود ہے۔

دوسرا باب صرف شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اقوال کے لئے مختص ہے' جن کو ہم نے مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (طبع ریاض) سے نقل کیا ہے۔ اس باب کو مختلف فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر فصل میں ایک خاص موضوع پر بحث کی گئی ہے مثلاً نصوص کے قبول وفہم میں ''اہلسنّت کا منہج''' ''اہلسنّت کے متفق علیہ عقائد'' یا ''مخالفین'' کے بارے میں ''اہلسنّت کا نظری اور عملی موقف'' موقف وغیرہ۔ ہر فصل میں (اقوال ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کے مختلف پیروں میں ربط اور تسلسل قائم رکھنے اور زیر بحث موضوع کی وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ بعض اوقات ہم نئی فصل شروع کرتے وقت یا بعض پیروں کو ربط دیتے وقت اپنی طرف سے کوئی تبصرہ یا کوئی وضاحت کرتے ہیں تاکہ ان پیروں میں مذکورہ بعض اہم باتوں کی نشان دہی ہو سکے۔ ایسی جگہوں پر بریکٹ بطور علامت نقول نہیں ڈالی گئی تاکہ قارئین کے لئے

ہماری تعلیقات اورامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریروں میں امتیاز آسان رہے جبکہ امام صاحب کے منقولہ پیروں کے شروع اور آخر میں بریکٹ کی علامت موجود ہے ۔ جہاں ان کی تحریروں میں سے کوئی بات اختصار کی خاطر حذف کی گئی ہے وہاں تین نقطے (...) بطور علامت حذف ڈال دیئے گئے ہیں ۔ پوری بات نقل کرنے کے بعد فتاوی کی مذکورہ جلد اور صفحہ درج ہوتا ہے ۔

تیسرے باب میں ہم نے اس بحث کے نتائج کا جائزہ لیا ہے جس میں زیادہ تر توجہ ان مراحل اور مدارج پر مرکوز کی ہے جن سے' مختلف حالات میں اہلسنّت والجماعت کو واسطہ پڑسکتا ہے ۔ اس کے بعد موجودہ دور میں مسلمانوں کے حالات پر واقعاتی نظر ڈالی گئی ہے اور یہ سب کچھ گذشتہ بحث کے نظری نتائج کی روشنی میں کیا ہے ۔

''اختتام'' میں ہم نے اہل سنت والجماعت کو درپیش اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ جن حالات نے اہل سنت کو موجودہ دور میں گھیر رکھا ہے اس کے لئے اب کیا کام کرنا ہے؟ اس سلسلے میں ان سے کیا کچھ مطلوب ہے؟ کیسے کریں اور کہاں سے شروع کریں ؟

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق' راستی اور راہ حق کی ہدایت فرمائے ۔

اللھم فاطر السماوات والارض ' عالم الغیب والشھادۃ ' انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون . اھدنا لما اختلف فیہ من الحق باذنک. انک لتھدی من تشاء الی صراط مستقیم.

''اے اللہ! زمین وآسمان کے خالق' غائب وحاضر کی خبر رکھنے والے! تو اپنے بندوں

کے درمیان ان کے جھگڑوں کا فیصلہ فرمانے والا ہے جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ۔ہمیں اپنے ہی حکم سے اس حق کی راہ دکھادے جس کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے ۔بے شک تو ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت نصیب کیا کرتا ہے‘‘۔

پہلا باب

اس میں ہم نے حاملین اسلام کے جادۂ حق پر سفر کا ایک عام تاریخی جائزہ لیا ہے، ساتھ ساتھ اس فطری الٰہی قانون کا ذکر کیا ہے جس کے تحت انسان صراط مستقیم سے دور ہوجاتے رہے ہیں۔ بحث کی تمہید کے طور پر اہم تعریفات بھی نقل کی ہیں۔ علاوہ ازیں فتنوں کی ابتدا اور اہل سنت والجماعت کے نام کی تاریخی حیثیت پر بھی بحث کی ہے۔

اس باب میں تین فصلیں ہیں۔

فصل اول - تاریخ انحراف

فصل دوم - ضروری تعریفات

فصل سوم - اہلسنت والجماعت کے نام کی ابتداء

فصل اول

تاریخ انحراف

انسان کے کاندھوں پر ڈالی جانے والی ''امانت''

اللہ عزوجل نے انسان کو اس دنیا میں ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ایک خاص ذمہ داری بطور فریضہ سونپ کر بھیجا ہے۔اور اس کے لئے زمین کے بحر و بر' ہوا و بادل 'کوہ ودامن' حیوان و نبات اور تمام تر مخلوقات کو مسخر کر دیا بلکہ فطری قوانین اور کائنات میں پوشیدہ رازوں کے سراغ لگانے کی صلاحیت بھی ودیعت کر دی تاکہ وہ عظیم مقصد پورا ہو سکے جس کے لئے انسان کی تخلیق معرض وجود میں لائی گئی ہے' حتی کہ اس سے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں تک کو خوف آنے لگا اور انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ بقول قرآن:

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ. [احزاب:۷۲]

ہم نے (یہ) بار امانت آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔

یہ عظیم مقصد فریضہ جانگسل اور بے پناہ بھاری امانت جسے انسان اٹھا کر دیگر مخلوقات وموجودات سے ممتاز ہو گیا اللہ کی زمین میں اس کی خلافت ہے۔خداوند خداوندان' شاہ شاہان اور زمین وآسمان کے یکتہ وتنہا مالک جبار' اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی زمین میں خلافت کے لئے اور اس خلافت کی جواب دہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اللہ رب العزت نے فرشتوں کو انسان کی تخلیق کا مقصد ان الفاظ میں بتایا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً.(بقرۃ: ۳۰)

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ میں زمین میں اپنی جانب سے خلیفہ بنانے والا ہوں جو مخلوق کے درمیان فیصلہ وحکم میں میری خلافت (قائم) کرے گا اور یہ خلیفہ آدم ہوگا پھر اطاعت الٰہی اور مخلوق میں عدل کے حکم چلانے میں جو آدم کا جانشین ہوگا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بقول قرطبی رحمہ اللہ خلیفہ کا مفہوم علماء نے یہ سمجھا ہے کہ وہ لوگوں کے مابین مظالم کا فیصلہ کرنے والا اور محرمات اور گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔

پھر کہتے ہیں: قرطبی رحمہ اللہ اور دوسرے علماء نے اس آیت سے خلیفہ کے مقرر کرنے کے وجوب پر استدلال کیا ہے تا کہ لوگوں کے اختلافات کے مابین فیصلہ کرے' ان کے جھگڑے چکائے' ظالم سے مظلوم کو حق دلائے' حدود قائم کرے' خواہشات کے ارتکاب سے باز رکھے اور اسی طرح کے دیگر فرائض سرانجام دے جو امام (خلیفہ) کے بغیر ناممکن ہوتے ہیں۔ جبکہ ایسا کام جس کے بغیر ایک فرض کی انجام دہی ناممکن ہو وہ خود بھی فرض ہو جاتا ہے[1]۔ مـــا لایتم الواجب الا بہ فھو واجب

زمین میں انسان کی خلافت اور اس کی شروط

---

(1): ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس امانت سے مراد اطاعت ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ اس سے ذمہ داری (تکلیف) مراد لیتے ہیں اور اس کی بنا پر امر ونہی کی پابندی ہے چنانچہ حکم بجالانے پر ثواب ہوگا بصورت دیگر عذاب۔

چونکہ زمین میں انسان کی خلافت کچھ شرائط سے مشروط ہے جو کہ اس طرح پوری ہوتی ہیں کہ اس رب تعالیٰ، شہنشاہ مطلق اور امر و نہی کے یکتا مستحق کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، اس طرح کہ اس کے ثواب و خوشنودی کی خاطر اس کے احکام بجالائے جائیں اور اس کے عذاب اور خفگی سے ڈرتے ہوئے وہ جس چیز سے روکے، رک جایا جائے اور یہ سب کچھ غایت درجہ احترام، محبت اور تعظیم کے دائرہ میں رہتے ہوئے کیا جائے اس لئے انسان کی زمین میں خلافت کا مسئلہ اصل میں انسان کی اپنے رب جبار و قہار کی عبادت کا مسئلہ ہے بقول قرآن:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات:٥٦)

میں نے سب جنوں اور انسانوں کو صرف اس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر زمانے میں اللہ کی عبادت کی جائے، ان طریقوں سے جو اس نے اس زمانے میں رائج کئے ہیں①۔

---

①: بخاری اور مسلم دونوں نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ابن جریر میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آتا ہے کہ اللہ نے انسانوں سے میثاق لیا تھا کہ وہ اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ مسند احمد میں اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ، ابن جریر اور ابن مردویہ رحمہ اللہ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے انسانوں سے کہا میں تم پر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو اور تمہارے باپ کو گواہ بناتا ہوں تاکہ روز قیامت یہ نہ کہو ہمیں پتہ نہ چلا تھا۔ سن لو میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے؟ نہ میرے علاوہ کوئی رب ہے اور نہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس رسولوں کو بھیجوں گا کہ تمہیں میرا عہد و پیمان اور میثاق یاد دلادیں تم پر کتابیں بھی اتاروں گا۔ سب نے عرض کی۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود تجھ بن ہمارا کوئی رب نہیں ہے۔ چنانچہ اس دن سب نے اس کی فرمانبرداری کا اقرار کیا۔ پوری نصوص دیکھنے کے لئے معارج القول جلد اول صفحہ ۳۴ اور مابعد

بقول ابن کثیر رحمہ اللہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اس کی عبادت کریں اور اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کریں، جو اس کی فرمانبرداری کرے گا اسے وہ پورا پورا اجر دے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اسے سخت ترین عذاب چکھائے گا۔(مختصر ابن کثیر ج۳ ص ۳۳۸۷)

میثاق فطرت

اللہ تعالیٰ کو چونکہ یہ علم تھا کہ یہ امانت بہت ہی وزنی ہے اور انسان کا مکلّف بننا بے انتہا شاق ہے، کہ یہ بہت ہی ناتواں مخلوق ہے جو ہر لحظہ اپنے مالک کی مدد کی محتاج ہے پھر چونکہ اللہ تعالیٰ، جو حکمت و دانائی اور علم و معرفت میں بے مثل و بے مثیل ہے، کسی نفس کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلّف نہیں بناتا اس لئے اس حکیم و علیم نے انسان کو پیدا کرتے وقت اسے رب کی معرفت، توحید اور صرف اس کی عبادت و اطاعت کا تصور فطری طور پر ودیعت کر دیا تاکہ اسی سے ہدایت کی جستجو کرے اور اسی کی طرف جبین نیاز کا رخ کرے ۔ارشاد ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ، اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ، وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ.

اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسلوں کو نکالا اور ان کو

انہی پر گواہ بناتے ہوئے کہا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے (یک زباں ہوکر) کہا: کیوں نہیں ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔ (اس وجہ سے) کہ کہیں تم روزِ قیامت یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے غافل رہے یا یہ کہو کہ ہمارے تو باپ دادا (ہم سے) پہلے ہی شرک کرتے (چلے آئے) تھے اور ہم انہی کی اولاد تھے تو کیا (اے اللہ) ان خطا کاروں کے اعمال کے سبب ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ (چنانچہ) اسی طرح آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ (ابھی) لوٹ آئیں۔ (اعراف: ۱۷۲-۱۷٤)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دوزخی سے کہا جائے گا: بتا زمین کی ساری مال و دولت اگر تیرے پاس ہوتی تو کیا وہ سب کچھ دے کر تو (آج) چھوٹنے کی کوشش کرتا؟ وہ کہے گا ہاں کیوں نہیں۔ اللہ اس سے کہے گا میں نے تو اس سے کہیں زیادہ آسان چیز کا تجھ سے تقاضا کیا تھا۔ میں نے آدم کی پشت میں تجھ سے یہ میثاق لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے مگر تو میرے ساتھ شرک پر ہی بضد رہا۔

(مجموع فتاوی شیخ الاسلام ج ۱۱ ص ۲۷۵ و مابعد)

رحمت خداوندی کے کسی کو عذاب نہ دیا جائے تا آنکہ رسالت سے حجت قائم کی جائے۔

اس بات کے باوصف کہ حجت (اسی وقت) قائم ہو چکی تھی اور کوئی عذر باقی نہ رہا تھا اللہ بزرگ دانا اور علیم وخبیر کی بے اندازہ حکمت نے اس بات کا تقاضا کیا' کہ وہ بے انتہا رحمت

اور فضل وکرم کا بھی مالک ہے، کہ بنی آدم کو صرف اس میثاق فطرت کی بناء پر عذاب نہ دے اور نہ کسی کی پکڑ کرے جب تک رسالت کے ذریعے ان پر حجت قائم نہ کرے۔فرمان الٰہی ہے:

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (اسراء:۱۵)

اور ہم عذاب نہیں دیتے تا آنکہ کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

چنانچہ اس نے پے در پے رسولوں کو مبعوث کیا لوگوں کو اپنے مالک اور خالق کے ساتھ ان کا پرانا عہد و میثاق ذہن نشین کرادیں اور اس عظیم ترین امانت کی یاد دہانی کرادیں جوان کے رب نے اپنی زمین میں ان کے کندھوں پر ڈال رکھی ہے اور ان کو یہ حکم دیں کہ مالک کی زمین میں خلافت کے تقاضوں کی پابندی کریں۔اور اس طریقے سے کوئی آخری عذر لنگ تک نہ رہنے پائے کہ اولاد آدم جس کا سہارا لے سکے۔

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ.

خوشخبری سنانے والے اور عذاب سے ڈرانے والے پیغمبر مبعوث کئے ہیں تا کہ لوگوں کے پاس اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ (النساء:۱۶۵)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انسان کے ذہن وعقل میں سب سے زیادہ واضح اور جلی انداز میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ اس کائنات کا خالق بے انتہا کامل اور تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔اسی معرفت کی یاددہانی اور تفصیل کے لئے رسول آتے رہے۔اسی طرح انسان کی فطرت میں اس جہاں کے علاوہ کسی دوسرے جہان میں نفوس انسانی کی خوش

بختی یا بدبختی اور مکافات عمل کا احساس پایا جاتا ہے تاہم اس مکافات اور خوش بختی و بدبختی کی تفصیلات رسولوں کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ رسولوں کا کام یہ رہا ہے کہ ان فطرتوں کو نکھارتے رہے اور ان میں جو ودیعت کیا گیا تھا اس کی تذکیر و تفصیل فرماتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل صریح ہمیشہ نقل صحیح کی موافقت کرتی رہی ہے اور شریعت ہمیشہ فطرت کے مطابق رہی ہے۔ ان میں ایسا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے کہ آپس میں ٹکرانے کی نوبت نہیں آئی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان افعال و اعمال سے توبہ واستغفار تو لازم آتی ہے جو لاعلمی اور جہل کی حالت میں اس وقت سرزد ہوئے جب ابھی ان اعمال کا برا یا بد ہونا معلوم نہ ہوا تھا' کہ ابھی رسول کی بعثت عمل میں نہ آئی اور انسان پر حجت قائم نہیں ہوچکی تھی' مگر جہاں تک عذاب کا تعلق ہے تو فرمان الٰہی ہے:

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (اسراء: ۱۵)

اور ہم عذاب نہیں دیتے تا آنکہ کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

اسی طرح بعثت رسول سے قبل لوگوں کے اعمال قبیح اور بد تو تھے مگر ان پر حجت رسول کے آنے سے ہی پوری ہوتی ہے' یہ جمہور کا قول ہے......

سلف اور خلف میں سے جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ بعثت رسول سے پہلے لوگ شرک اور جاہلیت کے جن کاموں میں پڑے ہوئے تھے وہ شر' قباحت اور بدی کے حامل تو تھے مگر عذاب کے مستحق وہ بعثت رسول کے بعد ٹھہرتے ہیں۔ (مجموعة الفتاوی: ۱۱/۶۷۵)

الغرض اللہ عزوجل نے بنی آدم کواس دنیوی زندگی میں ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ عہد آدم سے روز جزا و سزا تک ان کے لئے منہاج نبوت اور نور رسالت کا بندوبست کیا ہے ۔اور عقل وفطرت انسانی کو وہ ضروری اشیاء ودیعت کر کے انبیاء کی دعوتوں کو کائنات میں پھیلی ہوئی کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ متناسق وہم آہنگ کر کے بنی آدم کے لئے منارہ نور بنادیا جو بنی آدم کی سعی آخرت میں ہدایت کا سامان بنے اور ان اندھیاروں میں بھٹکنے والوں کو صراط مستقیم کا سرا تھما دے۔

مگرلوگ اپنے رسولوں سے اختلاف کرنے لگے فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا ''لوگوں کی اکثریت (ہدایت آنے کے بعد) کفر پر ہی بضد رہی'' (اسراء:۸۹)

جسے ایمان لانا تھا وہ ایمان لایا --- یہ لوگ بہت تھوڑے تھے --- کیونکہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا یہی قانون رہا ہے۔

وَ اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ ''اگر تم اہل زمین کی اکثریت کی بات تسلیم کرو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔(الانعام:۱۱۶)

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللہِ تَبْدِیْلًا ''تم اللہ کے قوانین میں کوئی تبدیلی نہ دیکھو گے۔(الاحزاب:۶۲)

بقول قرآن:

کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًاۢ بَیْنَهُمْ

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

یہ سب لوگ ایک امت تھے۔ چنانچہ اللہ نے خوشخبری دینے اور عذاب سے ڈرانے والے نبی بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کے مابین فیصلہ کرے۔ اس کتاب میں بھی انہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو یہ ملی تھی، باہم سرکشی وزیادتی کرتے ہوئے، جبکہ ان تک بینات پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے اختلافات (کے اندھیروں) میں سے حق کی ہدایت دے دی اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ (بقرة:٥٤)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے مابین دس نسلیں تھیں۔ سب کی سب شریعت حق پر تھیں، پھر ان میں اختلاف ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے اور قہر خداوندی سے ڈارنے والے نبی مبعوث فرمائے......

قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہتے ہیں سب لوگ ہدایت پر تھے تا آنکہ اختلاف میں پڑ گئے چنانچہ اللہ عزوجل نے نبیوں کی بعثت فرمائی ان میں سے جو سب سے پہلے مبعوث ہوئے وہ نوح علیہ السلام تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی طرح مجاہد رحمہ اللہ کا بھی قول ہے......اس لئے کہ ملت آدم پر تھے تا آنکہ بت پرستی شروع کردی، پھر اللہ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث کیا لہٰذا وہ پہلے رسول تھے جنہیں اللہ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت میں کہا ہے وَ اَنۡـزَلَ مَـعَهُـمُ الۡـكِتٰـبَ بِـالۡحَقِّ لِيَـحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ وَ مَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَـا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًا ۢ بَيۡنَهُمۡ ''ان کے ساتھ اللہ نے کتاب نازل کی کہ لوگوں کے مابین اختلافات کا فیصلہ کرے' اس میں اختلافات انہی لوگوں نے باہم سرکشی وزیادتی کرتے ہوئے کیا جن کو یہ کتاب ملی تھی جبکہ علم ان کے پاس آ گیا تھا''---یعنی ان پر حجتیں قائم ہو چکنے کے بعد' جس کا سبب ان کی باہمی زیادتی وسرکشی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا فَهَـدَى اللّٰهُ الَّـذِيۡـنَ اٰمَـنُـوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ''چنانچہ اللہ عزوجل نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو اختلاف (کے اندھیروں) میں سے ہدایت نصیب فرمادی''یعنی بوقت اختلاف وہ لوگ اسی مذہب پر قائم رہے جو اختلافات پیدا ہونے سے پہلے انبیاء لے کر آئے تھے' ایک اللہ کے دین کو خالص کئے رہے بلاشریک غیرے اس کی عبادت پر کمر بستہ رہے' نمازوں کو قائم اور زکوٰۃ کو ادا کرتے رہے' اور اس طریقے سے اس پہلے والے منہج پر ہی قائم رہے جو اختلافات ہونے سے قبل موجود تھا اور اختلاف سے دور کنارہ کش رہے' قیامت کے روز لوگوں پر گواہ ٹھہرے کہ قوم نوح' قوم ہود' قوم صالح' قوم شعیب' آل فرعون وغیرہ پر گواہی دیں گے کہ ان کے رسولوں نے ان تک اللہ کا دین پہنچا دیا تھا مگر انہوں نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا تھا۔(تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۵۰)

فطرت میں فساد

جب انسانوں کی اکثریت کی فطرت میں فساد برپا ہو گیا اور جب كَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلًا ''انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہو گیا'' (الکھف:۵۴) شیطان نے لوگوں کی

برائیوں کو دلکش بنا کے پیش کیا' حق اور باطل کو خلط ملط کر دیا' لوگوں کو وہ دلیلیں سمجھائیں جن سے وہ اپنے باطل کی تائید و دفاع کریں وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِـــــهِ الْـــحَـــقَّ ''کفار اپنی باطل دلیلوں کے ذریعے بحث کرتے ہیں کہ حق کو زیر کریں'' (الکهف: ٥٤) انسان کی صورت عجیب ہوگئی کہ اس کی فطرت میں جو بساند پیدا ہوگئی تو بصیرت سے اندھا اور عقل سے کورا ہوگیا' باطل حق اور حق باطل نظر آنے لگا' یا اس قدر ٹیڑھ پیدا ہوئی کہ نظر آنا ہی بند ہوگیا مگر اس حکیم وخبیر نے سچ کہا ہے:

فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ.

جسے اللہ چاہے ہدایت نصیب کر دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے (کہ) وہ غالب اور حکیم و دانا ہے۔ (براهیم: ٤)

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا.

جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہی گمراہ کر دے تو اس کے لئے کوئی کارساز نہ ملے گا جو اسے بھلائی کی راہ پر ڈال سکے۔

(الکهف: ١٧)

اہل کفر نے آپس میں مزید اختلاف کیا فرقوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے' دھڑوں اور جماعتوں کی شکل اپنالی اور ان فرقوں اور گروہوں کے کفر و گمراہی اور صراط مستقیم سے دوری میں درکات (درجات) متفاوت ٹھہرے چنانچہ ان میں سے کسی نے تو خالق کا سرے سے انکار کر دیا' کسی نے وحدانیت کا انکار کیا' کسی نے نبوتوں کا انکار کیا' اور کسی نے بعثت اور بعد از موت زندگی کا انکار کیا' کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ' غرض شیطان نے اپنے

ساتھیوں اور ہمجولیوں کو قسم قسم کی پٹیاں پڑھا دیں[1]۔

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

دین اسلام کی مخالفت میں قائم ہونے والے بڑے چھ فرقے ہیں پھر ان میں سے ہر فرقہ کئی کئی فرقوں میں بٹا ہوا ہے میں ان میں سے انشاء اللہ بیشتر کا ذکر کروں گا۔ یہ چھ فرقے (دین برحق) سے بعد کے لحاظ سے اس ترتیب سے ہیں۔

① وہ لوگ جو حقائق کو ہی باطل گردانتے اور انکار کرتے ہیں علم کلام والے ان لوگوں کو سوفسطائی کا نام دیتے ہیں۔

② وہ لوگ جو حق کے اثبات کے تو قائل ہیں مگر ان کا عقیدہ ہے کہ عالم (جہان) ہمیشہ سے ہیں اس کو وجود میں لانے والا اور تدبیر کرنے والا کوئی نہیں۔

③ وہ لوگ جو حقائق کے اثبات کے قائل ہیں مگر اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عالم ہمیشہ سے ہے اور اس کی تدبیر کرنے والا بھی ہے جو خود بھی ہمیشہ سے ہے۔

④ ان کے بعد وہ لوگ آتے ہیں جو اثبات حقائق کے تو قائل ہیں تاہم کچھ کا عقیدہ ہے عالم ہمیشہ سے ہے اور کچھ کا اعتقاد ہے کہ نہیں یہ وجود میں لایا گیا ہے لیکن اس بات پر ان سب کا اتفاق ہے کہ اس کے چلانے والے ہمیشہ سے ہیں جو ایک سے زیادہ ہیں

---

①: امام ابن قیم رحمہ اللہ سورہ ''القیامۃ'' کی آیت (اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ان رازوں میں سے ایک یہ ہے کہ نبوت اور زندگی بعد از موت عقل سے بھی سمجھ میں آتی ہیں۔ ہمارے علماء اور دیگر اصحاب کے ہاں اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور یہی درست ہے کیونکہ اللہ کی شہنشاہی برحق اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کا امر ونہی اور انعام وسزا ہو اس طرح اس کے پیغمبروں کی بعثت، کتابوں کے نزول اور اخروی زندگی کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ بھلے کو بھلائی اور بد کو بدی کا بدلہ ملے۔ (التبیان فی اقسام القرآن لابن قیم ص ١٦١-١٦٢)

تاہم ان کی تعداد کے بارے میں ان کا اختلاف رہا ہے۔

⑤ پھر وہ لوگ ہیں جو اثبات حقائق کے قائل ہیں اور عالم کے محدث ہونے (وجود میں لائے جانے) کے بھی قائل ہیں اور یہ کہ اس (عالم) کا ایک خالق ہے جو ہمیشہ سے ہے مگر یہ لوگ سب نبوتوں کے منکر ہیں۔

⑥ آخر میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو اثبات حقائق کے قائل ہیں عالم کے محدث ہونے کے بھی قائل ہیں اور اس بات کے بھی کہ اس کا خالق ایک ہے جو ہمیشہ سے ہے نبوتوں پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں لیکن بعض نبوتوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں بعض انبیاء کے اقراری ہیں اور بعض کے منکر۔(الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ۱ ص ۳)

یہ تو ان ملتوں کے بارے میں ہے جو دین اسلام کی مخالف ہیں جہاں تک اسلام کی ملت کا تعلق ہے تو اللہ عزوجل ہر امت میں رسول مبعوث کرتا رہا ہے۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ.

ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچ کے رہو۔(النحل:۳۶)

لہٰذا ہر رسول اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف بلاتا رہا جو کہ ''اسلام'' تھا......اسلام جس سے مراد الٰہ برحق کے لئے انسان کی خودسپردگی اور سرِتسلیم خم کر دینا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ.(آل عمران:۱۹)

دین (برحق) اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔

اور اس کے سوا اللہ کے ہاں کوئی دین بھی قابل قبول نہیں ہے۔

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَ هُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ.(آل عمران:۱۹)

جس کسی نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اپنانا چاہا تو وہ قطعاً قابل قبول نہ ہوگا اور روز قیامت وہ خسارے میں ہی رہے گا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انبیاء سب کے سب دین اسلام کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں اس کے علاوہ کوئی دین انسانیت کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کسی کا اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں (العبودیہ ص ۳٤)۔ایک اور جگہ کہتے ہیں: جہاں تک آسمانی کتابوں کا تعلق ہے جو انبیاء کرام سے تواتر کے ساتھ ملی ہیں تو ان میں سے اس بات کی قطعی صراحت ہے کہ اللہ رب العزت دین حنیف کے ماسواء کوئی دین قبول نہیں کرے گا۔ یہ دین حنیف اسلام ہے جس مطلب ہے کہ صرف ایک اللہ کی، بغیر کسی کو شریک کئے، عبادت کی جائے اور اس کی کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لایا جائے۔(فتاوی کبریٰ ج ۱ ص ۳۳۵)

پھر فرماتے ہیں: آیت اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ میرے رب نے قسط کا حکم فرمایا ہے اور یہ ہر نماز میں اپنے رخ سیدھے کیا کرو اور اسی کو پکارا کرو سارے کا سارا دین اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔اس آیت میں ''قسط کا حکم دیا گیا ہے'' اس سے مراد توحید کا حق ادا کرنا، پورا کرنا اور اس کے ساتھ انصاف کرنا جو کہ ایک اللہ کی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اور یہ دین کی اصل اور اساس ہے اس کے برعکس کا ارتکاب ایسا گناہ ہے

جو کبھی معاف نہیں ہوتا قرآن میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ. اللہ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کردے۔ مزید براں یہی وہ دین ہے کہ جس کا اللہ نے تمام رسولوں کو حکم دیا ہے اسی کو دے کر ان (رسولوں) کو تمام امتوں کی طرف بھیجا...... یہی وہ عمومی اسلام ہے جس پر تمام نبیوں (کی دعوت) کا اتفاق ہے ...... یہی وہ توحید ہے جو اصل دین ہے اور سب سے بڑا عدل ہے اس کی ضد شرک ہے جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ (فتاویٰ کبریٰ ج ۱ ص ۳۴۸)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید وضاحت کرتے ہیں: اللہ کا دین جو اسلام سے موسوم ہے دو بنیادوں پر قائم ہے: ایک یہ کہ صرف ایک اللہ کی بلا شرکت غیرے عبادت کی جائے دوسری یہ کہ صرف اس انداز اور طریقے سے اس کی عبادت کی جائے جو اس نے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے مشروع ٹھہرایا ہے۔ ان دونوں بنیادوں کی حقیقت اس کلمہ میں نظر آتی ہے **اشھدان لاالہ الااللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ**. میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ (قاعدہ جلیلہ فی التوسل والوسیلہ ص ۱۶۲)

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں **لکل جعلنا منکم شرعة ومنھاجا**. تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے ہم نے کسی نہ کسی شریعت اور منہاج کا تقرر کیا ہے۔

اس میں مختلف ادیان کی حامل سابقہ امتوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے یہ اس اعتبار

سے کہ انبیائے کرام توحید کے متفق علیہ احکام کے ساتھ ساتھ شریعتیں مختلف لے کر مبعوث ہوئے ہیں ......حلال وحرام کے بارے میں ان شریعتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے......اور وہ دین جس کا ماسوا اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں وہ توحید' دین وعبادت کو اللہ کے لئے خالص کرنا......اسی کو لے کر سبھی انبیاء کرام آتے رہے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ٦٦)

ہر رسول کے متبعین جو اس کے ساتھ ایمان لاتے تھے' اپنے رسول کی زندگی میں اس کی صحبت اختیار کیا کرتے تھے۔اس کے ساتھ گھل مل کر زندگی بسر کرتے تھے' علم حاصل کرتے تھے' دین سیکھتے تھے' اس کے نقش قدم پر چلتے' اس سے اپنے رب کی کتاب لے کر محفوظ کرتے 'اس کے طریقوں اور سنتوں کی حفاظت کرتے درپیش مشکلات کے بارے میں استفسار کرتے اور اپنی دنیا وآخرت کے تمام امور کے بارے میں براہ راست سوال کیا کرتے تھے۔

تاآنکہ جب رسول کے فوت ہوجانے پر اس کی قوم پر عرصہ دراز گذر جاتا' اہل وفا وصحبت اٹھ جاتے' نئی نسلیں جنم لیتیں' حوصلے پست اور ہمتیں کمزور پڑ جاتیں تو خواہشات واہواء کا زور ہونے لگتا' شبہات جنم لینے لگتے' دل پتھر ہونا شروع ہوجاتے' پیروی واقتداکم ہونا شروع ہوجاتی 'سنتیں غائب اور بدعتیں غالب ہونا شروع ہوجاتیں' حق' باطل آمیز ہونے لگتا' آسمانی کتابوں اور رسول کے اقوال میں بت پرست فلسفیوں کو ٹھونسا جانے لگتا اور عقل ومنطق کی سان کس دی جاتی۔حتیٰ کہ لوگ جو کبھی حق پر قائم ایک امت ہوا کرتے تھے اب اختلاف کرتے اور فرقہ فرقہ ہوجاتے۔بقول قرآن:

وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا. (یونس:١٩)

لوگ تو ایک ہی امت تھے پھر اختلاف میں پڑ گئے۔

فَمَا اخۡتَلَفُوۡٓا اِلَّا مِنۡ بَعۡدِ مَا جَآءَ هُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًا بَيۡنَهُمۡ. (جاثية:١٧)

اختلاف میں وہ لوگ علم آ چکنے کے بعد پڑتے تھے' باہم سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے۔

فَتَقَطَّعُوۡٓا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ زُبُرًا كُلُّ حِزۡبٍ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ. (مؤمنون:٥٣)

لوگوں نے اپنے دین کو متفرق کر کے جدا جدا کر لیا جو چیز جس فرقے کے پاس ہے وہ اسی پر پھولا نہیں سماتا۔

وَ اِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِى الۡكِتٰبِ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ. (بقرہ:١٧٦)

جن لوگوں نے (آسمانی) کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔

جس قدر لوگ اپنے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سے دور ہٹتے چلے گئے اسی قدر ہوا و نفس کی تاریکیوں اور عقلیات کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور اسی قدر صراط مستقیم سے بھٹکتے چلے گئے چنانچہ "من بعد ما عقلوہ" اچھی طرح سمجھنے کے بعد حق کو کلی یا جزوی طور پر جھٹلانے لگے اور اللہ اور اس کے رسول پر دوسروں کو سبقت دینے لگے' یوں نسل در نسل گمراہی کا کا سلسلہ چل نکلا تا آنکہ لوگ علم آ چکنے کے بعد باوجود باہم سرکشی و زیادتی کرتے ہوئے اختلاف کرتے گئے اور فرقے فرقے بن کر بکھر گئے

بقول امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "جو لوگ نبوت (کی ہدایت) سے نکلے شرک اور دیگر

گمراہیوں میں پڑ گئے ......تو انسانوں میں اصلاً تو شرک نہ تھا بلکہ آدم علیہ السلام اور بنی آدم میں سے ان کے ہم مذہب توحید الٰہی پر قائم رہے تھے کیونکہ وہ سب نبوت کی پیروی کرتے تھے ۔قرآن مجید کے مطابق **وما کان الناس الا امة واحدة فاختلفوا.** لوگ تو ایک ہی امت تھے پھر اختلاف میں پڑ گئے ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے مابین دس نسلیں تھیں سب کے سب اسلام پر تھے پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعت ترک کرنے سے لوگ شرک میں پڑ گئے ۔(مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۱۰۶ ومابعد)

خاتم الانبیاء والمرسلین

آخر ایک طویل گمراہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ہدایت دینے کا ارادہ کیا کہ اختلاف کی اس قدر طویل بھول بھلیوں سے نکل کر حق کی چمک سے اپنی نگاہوں کو بہرہ ور کرلیں ۔اس علیم وحکیم کی مشیت کا تقاضا ہوا کہ پوری انسانیت کی طرف اپنی رسالت اور پیغام رسانی کا سلسلہ خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ختم کرے چنانچہ ان پر قرآن کریم کا نزول فرمایا جو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لئے خالق انسانیت کی کھلی کتاب ہے۔

فَهَدَى اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِه. (بقرہ:۲۱۳)

چنانچہ اللہ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو اختلافات (کے اندھیروں) میں سے ہدایت نصیب فرمادی۔

اس کے ساتھ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب کی حفاظت کے ذریعے اپنے دین کی حفاظت

کا وعدہ فرمایا کہ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں یہ دین بھی باقی رہے گا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر:۹)

یقیناً ہم ہی نے (یہ) ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کی ہے کہ اسی نے ''ذکر'' نازل کیا ہے، جو کہ قرآن ہے، اور وہ خود ہی تحریف وتبدیل سے اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔

(مختصر ابن کثیر ج۲ ص ۳۰۸)

پھر اللہ نے اپنے رسول کو یہ حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو اپنی سنت مطہرہ کے ذریعے اس ذکر حکیم کی تفصیلات بیان کر کے بتادیں **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم**. ہم نے تمہاری طرف (یہ) ذکر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو نازل شدہ وحی تفصیل سے بیان کر کے بتادو۔

ابن کثیر کے مطابق: **وانزلنا الیک الذکر** سے مراد ہے قرآن **لتبین للناس مانزل الیھم** کہ تم لوگوں کو نازل شدہ وحی تفصیل سے بیان کر کے بتادو یعنی تمہارے رب کی طرف سے نازل شدہ وحی، تمہیں اس وحی کا علم ہونے کے ناطے اور اس کے ساتھ بے پناہ تعلق اور اتباع کرنے کے باعث (تم اس قابل ہو) اور اس وجہ سے کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم افضل الخلائق اور سردار بنی آدم ہو، چنانچہ اس میں جو مجمل ہے اس کی تفصیل بتاؤ اور جو مشکل ہے اس کی وضاحت بیان کردو۔

چنانچہ آپ نے امت کو رسالت پہنچادی، یوں یہ امانت ادا کردی اور امت کو نیکی کے

راستے پر ڈال دیا' گردوغبار کے بادل چھٹ گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پتھر دلوں کوموم کر دیا اور بہرے کانوں میں شنوائی کی صلاحیت پیدا کر دی۔

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه. (مائده:٦٧)

اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا جاتا ہے وہ آگے پہنچا دو اگر تم نے یہ نہ کیا تو (گویا) رسالت کی تبلیغ کا کام ہی نہ کیا۔

ظاہر ہے کہ اگر اللہ کے رسول تبلیغ رسالت کا کام نہیں کریں گے تو کون کرے گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہانوں کے لئے رحمت کی خاطر رسول بنا کر بھیجا ہے اگر وہ بیان وتبیین کا کام سرانجام نہ دیتے تو کون دیتا؟

ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندہ ورسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بمنصب رسالت مخاطب ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے سب کا سب آگے پہنچا دیا جائے......آخر آپ کی امت نے اس بات کی گواہی دے کہ آپ نے حجۃ الوداع جیسے عظیم ترین اجتماع میں لی تھی جہاں پر تقریباً چالیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جم غفیر تھا' جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران فرمایا: ''لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ ''سب نے کہا: ہم گواہ ہیں کہ آپ نے رسالت پہنچا دی ء امانت ادا کر دی' اور امت کو نصیحت کا کام پورا کر دیا ہے۔ آپ انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر ان کی طرف کر کے کہتے اللھم ھل بلغت اے اللہ میں نے پہنچا دیا ہے نا!۔

رسول اکرم ﷺ نے رفیق اعلیٰ سے جا ملنے سے پہلے امت کو اس روشن ترین راستے پر مجتمع چھوڑا جس کی رات بھی اس کے دن کی مانند روشن تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہو چکی تھی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکم بھما : کتاب اللہ و سنۃ رسولہ. میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جن کو جب تک پکڑ رکھو گے گمراہ نہ ہونے پاؤ گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول کی سنت۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں: اس امت پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس کے لئے اس نے دین مکمل کر دیا، تو اب کسی دوسرے دین کے محتاج نہیں ہیں، نہ اپنے نبی کے علاوہ کسی دوسرے نبی کے حاجت مند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا اور تمام جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا۔ (مختصر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۲)

جماعت'' کا حکم اور تفریق کی ممانعت:

اللہ عزوجل نے اس ملت اور اہل ملت کو حق پر مجتمع رہنے کا حکم دیا ہے، ساتھ ساتھ فرقہ بندی اور اختلاف سے ڈرایا ہے، جس میں کہ پہلی امتیں پڑتی رہی ہیں فرمان ہے:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا. (آل عمران:۱۰۳)

اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام رکھو اور فرقے نہ بنو۔

وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ ھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ

اُولٰئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (آل عمران: ۱۰۳)

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقہ بندی اور اختلاف میں پڑ گئے جبکہ ان تک روشن دلیلیں پہنچ چکی تھیں، یہی لوگ عذاب عظیم کے مستوجب ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ. (الانعام:۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقوں میں بانٹ لیا اور ٹولوں میں منقسم ہو گئے تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے اور پھر وہی ان کو بتائے گا کہ یہ کیا کرتے رہے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لاتفرقوا'' میں جماعت کا حکم اور تفرقہ کی ممانعت ہے۔ تفرقہ کی ممانعت اور اجتماع واتحاد پر زور دینے کے سلسلے میں کئی احادیث بھی آئی ہیں ......قرآن مجید کی آیت ''یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ'' جس دن کچھ چہرے سفید (روشن) اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔ کا مطلب ہے قیامت کا دن، جبکہ اہلسنّت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت واہل تفرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (مختصر ابن کثیر ج ۱/۳۰۵-۳۰۷)

آیت اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ. (الانعام:۱۵۹)۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقوں میں بانٹ دیا اور ٹولوں میں منقسم ہو گئے تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے پھر وہی ان کو بتائے گا کہ یہ کیا کرتے رہے ہیں'' کی تفسیر کے

سلسلہ میں ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:......(وکانوا شیعا) ''اور ٹولے فرقے بن گئے'' یہ لوگ خوارج ہیں، بعض کا کہنا ہے کہ یہ لوگ بدعات پرست ہیں۔ جبکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت ان سبھی لوگوں کو شامل ہے جو دین کو چھوڑتے اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کردے، اس کی شریعت ایک ہی ہے جس میں کوئی اختلاف ہے نہ افتراق۔ اب اس میں جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اور ''ٹولوں میں منقسم ہوجاتے ہیں'' جیسا کہ اہل فرق اور اہل ضلال خواہشات وشہوات کی بنا پر منقسم ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں سے ہی اللہ نے اپنے نبی کو بری الذمہ اور لاتعلق ٹھہرایا ہے......'' (مختصر ابن کثیر ۲/۶۳۲-۶۳۸)

افتراق امت بصورت فرقہ جات...... مستحق نجات صرف ایک:

ان سب باتوں کے باوجود لوگوں کی اکثریت اختلاف اور تفرقہ میں پڑنے سے نہ رہی 'الا ماشاء اللہ' چنانچہ دین میں نزاع وافتراق عام ہوا، اور لوگ فرقوں' گروہوں اور ٹولوں میں بٹنے لگے اور قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ ان کو اس کا ایک حصہ دوسرے سے متعارض نظر آنے لگا' علم اور روشن دلیلیں واضح طور پر مل چکنے کے باوجود حق کے بارے میں اختلاف کرتے رہے' تا آنکہ قرآن کی آیت ان پر فٹ ہونے لگی۔

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَ لِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ. (ھود:۱۱۹)

اگر تمہارا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنائے رکھتا (مگر نہیں) یہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے سوائے جس پر اللہ کی (خاص) رحمت ہو۔ اور اسی لئے

ان کو پیدا کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

ان اهل الكتاب اقترفوا فى دينهم على ثلث وسبعين ملة وان هذه الامة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة۔ يعنى الاهواء ۔ كلها فى النار الا واحدة وهى الجماعة. اہل کتابین نے اپنے دین کو بہتر ملتوں میں تقسیم کرلیا اور یہ امت تہتر ملتوں میں منقسم ہوگی، سب کے سب دوزخی ہونگے، ماسوا ایک کے، اور وہ ''جماعت'' ہوگی۔

ایک روایت میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! وہ جماعت یا فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا ''جو اس راستے پر ہوگا جو میرا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔''

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی رحمت کے اہل، اہل جماعت ہیں چاہے ان کے افراد اور ملک ووطن مختلف ہوں، جبکہ اہل معصیت اہل فرقہ ہیں چاہے ان کے افراد اور ملک ووطن ایک ہوں۔ (مختصر ابن کثیر ج ۲/۲۳۶)

چنانچہ اس امت میں بھی کچھ ہی دیر بعد لوگوں نے اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ ہدایت اور سنت نبوی ﷺ کو خیر باد کہنا شروع کردیا، شہوات وخواہشات کے بھنور میں گھومنے لگے، اختلافات کی دلدل میں پھنستے چلے گئے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے لوگوں کی آراء وخیالات کو سبقت دینے لگے، فلسفے کی گمراہیوں اور علم کلام کی موشگافیوں میں ایسے پڑے کہ اللہ کے راستے سے خود بھی بھٹکے اور دوسروں کو بھی بھٹکانے لگے اور شیطان نے دین کی صحیح صورت ان کے لوح ذہن سے دھندلانی شروع کردی، اللہ کی یہ بات سچ نظر آنے لگی:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا.

(الکھف:۱۰۳-۱۰۴)

کہو کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں بتائیں جو اعمال کر کے بھی سب سے زیادہ خسارے میں رہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی جدوجہد راہ گم کردہ میں گزر جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول ''......اس آیت میں خوارج بھی شامل ہیں اور یہود ونصاریٰ وغیرہ بھی، یہ خاص طور پر انہی کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ ہر وہ شخص اس کی زد میں آتا ہے جو اللہ ہی کی عبادت اس طریقے سے کرتا ہے جو اسے تو پسند نہیں مگر وہ یہ سمجھ کے کئے جاتا ہے کہ وہ صحیح کر رہا ہے اور اس کے اعمال قبول ہو رہے ہیں جبکہ وہ باطل طریقے پر ہوتا ہے اور اس کے اعمال مردود (نا قابل قبول) ٹھہرتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:۲/۴۳۸)

اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی فرمایا تھا:

لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبرا و ذراعا بذراع ، حتى لو دخلوا حجر ضب تبعتموهم قلنا : يارسول الله، اليهود والنصارىٰ؟ قال: لمن ؟ تم اپنے سے پہلی امتوں کے طور وطریقے اپناؤ گے، قدم بقدم ہو بہو ان کے پیچھے چلو گے حتی کہ اگر وہ کسی سانڈ کے بل میں بھی گھسے ہوں گے تو تم اس میں بھی ان کی پیروی کرو گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہود ونصاریٰ کی پیروی؟ فرمایا تو اور کس کی؟۔

اہلسنت کا علم ہر دور میں بلند رہا ہے

لیکن اس تمام تر اختلاف وافتراق کے گھمسان میں بھی مشیت الٰہی نے اس بات کا تقاضا کیا کہ اپنے دین کے لئے ہر دور میں ایسے لوگوں کا انتخاب کرتا رہے جن کے ذریعے اس کا وہ ابدی ارادہ ظہور پذیر ہوتا رہے جو اس نے حفظ دین کی خاطر کر رکھا ہے۔رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد یہی تھے جنہوں نے اس فریضہ کی انجام دہی کو اپنا مقصد بنایا: رِجَــالٌ صَــدَقُــوْا مَـا عَـاهَـدُوا اللهَ عَـلَيْـهِ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد و پیمان سچ کر دکھایا (احزاب: ۲۳)۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فرض کو ادا کرنے میں کوئی کسر روا نہ رکھی اور سب کچھ لٹا کر اس عظیم امانت کو ادا کر دیا جس کا بار ان کے کندھوں پر ڈالا گیا تھا، انہوں نے تابعین رحمہم اللہ تک اس امانت کو بلا کم وکاست پہنچایا ، پھر تابعین رحمہم اللہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے بہترین جانشین ثابت ہوئے چنانچہ انہوں نے اسے اپنے بعد کی نسلوں کے لئے تبع تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ سنت وحدیث تک اسی دیانت اور ذمہ داری سے پہنچایا کہ راہ حق پر چلنے والوں کے لئے اس کی وہی آب وتاب سلامت رہے۔اس میدان میں نہ کسی کی مخالفت کی پرواہ کی اور نہ کسی ملامت کرنے والے کا خوف کھایا، اپنی عزت وآبرو تک کو لٹا کر اس خالص دین کو اہل بدعت وضلالت اور خواہشات وآراء کی چیرہ دستیوں سے محفوظ کرنے میں لگے رہے ،تعلیمات نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کی سنت وآثار کا دامن تھامے رکھا ،اس کی پابندی بھی کی ،حفاظت بھی کی اور بعد کی نسلوں کو تلقین بھی کرتے رہے۔

یونہی یہ سلسلہ چلتا رہا اہل سنت اور اہل حق کی ہر نئی نسل پہلی نسل کے ہاتھوں سے (مذہب) سنت کا پرچم تھامتی رہی۔یوں سنت کے نقوش مٹنے کی بجائے روشن اور امر ہوتے

رہے۔ ہر نسل نئی نسل کو یہ پرچم اسی انداز سے سپرد کرتی رہی، تا آنکہ ہر دور اور ہر زمانے میں سنت کا علم سربلند رہا، اس کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لئے طائفہ منصورہ کے مضبوط بازو ہمیشہ آگے بڑھتے رہے کہ اس کی وہ چمک دمک باقی رہے۔ آندھیاں چلتی رہیں، نسلیں گزرتی رہیں مگر یہ علم سایہ فگن ہی رہا کہ اسے رہتی دنیا تک رہنا ہے۔ آخر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: لا یزال طائفة من امتی ظاهرين ، حتى ياتيهم امر الله، وهم ظاهرون. میری امت میں کچھ لوگ (حق کے ساتھ) ظاہر و غالب رہیں گے تا آنکہ قیامت بھی آجائے گی اور وہ اسی طرح رہیں گے (صحيح البخاری)۔

زمانے بیت گئے اور صدیاں گزر گئیں اہلسنّت نے اپنا وجود برقرار رکھا۔ اس دوران اس طائفہ ناجیہ کے اصول اور قواعد نے ایک مرتب شکل اپنالی، اس کے مناہج کی تحدید ہوئی، اس کے افکار اور علوم کا امتیاز نکھر کر واضح ہو گیا، اس کے عقائد کی تدوین ہوگئی اور دیگر فرقوں کے عقائد، اصول اور افکار و نظریات کے درمیان ایک واضح تمیز پیدا ہوگئی۔ یوں اس طائفہ منصورہ کی حیثیت ملت کے دیگر فرقوں کے مقابلے میں وہ شکل اختیار کر گئی جو ملت اسلامیہ دوسری ملتوں کے مقابلے میں رکھتی ہے①۔ اس جماعت کے لوگ عقائد، فقہ، اخلاق اور سلوک غرض ہر چیز میں دیگر فرقوں سے متمیز ہوگئے۔ یہ لوگ اس دین کی بہترین مثال بن گئے۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اقامت حجت کا کام انہی لوگوں سے لیا۔ ان

---

①: فتاویٰ میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل الحدیث اور اہل السنۃ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے سے خاص تعلق رکھتے ہیں اللہ کا ان پر خاص فضل ہے کہ علم، حلم میں ان کو خاص مقام پر فائز کیا ہے اور ان کے لئے دوہرا اجر ہے جو دوسروں کے لئے نہیں جیسے سلف میں سے کسی کا قول ہے اہل سنت کی اسلام میں وہ حیثیت ہے جو اسلام کی دیگر ملتوں میں ہے۔ (فتاوىٰ ابن تيمية: ج ٤ / ٤٠)

کے ائمہ ہدایت آج تک ان روشن مشعلوں کی طرح چراغ راہ بنے ہوئے ہیں جو راہ حق ،اتباع سنت اور پیروی رسول کی راہوں میں رہنمائی کا کام دیتی ہیں، کہ اللہ کو جس کی خیر اور بھلائی منظور ہو اس راہ پر گامزن کردے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور حجیت

ہر زمانے میں اس طائفہ کا وہ خاص اصل الاصول جس کی بنیاد پر ان کو امتیاز حاصل ہوا ،وہ تھا کتاب اللہ ،سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سلف از صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین عظام رحمہم اللہ اور ائمہ قرون ثلاثہ رحمہم اللہ سے ان کا والہانہ لگاؤ،اور یہی وہ ڈھال تھی جس نے ان کو افتراق ،اختلاف اور عقل واھواء کے پے درپے حملوں سے بچائے رکھا۔پھر جب بات کتاب وسنت کی ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کتاب اللہ کو سمجھنے والا اور سنت کا علم رکھنے والا کون ہوگا؟

شارح ''الدرر المضیہ'' کہتے ہیں :امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم جسے تمام امتوں پر فضیلت حاصل ہے،اس پوری امت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح کا کوئی نہیں ہے جو کہ خیر البشر کی صحبت سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ائمہ سنت کا معتمد قول یہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عدول ہیں ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:محمد رسول الله والذين امنوا معه محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ جو ان کے ساتھ ایمان لائے ۔لہٰذا فضیلت میں کوئی شخص صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجے کو نہیں پہنچتا،جس کی دلیل صحیحین کی اس حدیث سے ملتی ہے جس کے راوی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں :لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بيده لو ان احدكم انفق مثل احد ذهبا ماادرك مدى احدهم ولا نصفه. میرے صحابہ کو گالی مت دو۔مجھے اس ذات کی قسم جس

کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے اگر کوئی احد (پہاڑ) جتنا سونا بھی (اللہ کے راستے میں) خرچ کرے ان (صحابہ) میں سے کسی کی مٹھی (جتنے صدقے) تو کیا اس سے آدھے کو بھی نہ پا سکے گا۔ ترمذی نے ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: یبلغ الحاضر الغائب ، اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی ، لا تتخذوھم غرضا بعدی، فمن احبھم فبحبی ومن ابغضھم فبغضبی ابغضھم، ومن اذاھم فقد اذانی ، ومن اذانی فقد اذی اللّٰہ ، ومن اذی اللّٰہ فیوشك ان یاخذہ ومن یاخذہ اللّٰہ فیوشك ان لا یفتله. جو سن رہے ہیں وہ دوسروں کو بتا دیں! میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں تختہ مشق نہ بنالینا جس نے ان کے ساتھ محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے نفرت کی اس نے مجھ سے نفرت کی بناء پر ان سے نفرت کی جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھ کو ایذاء پہنچائی، اور جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جس نے اللہ کو ایذا پہنچائی تو دیر نہیں کہ وہ اسے پکڑے گا پھر جسے اللہ پکڑے گا تو وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ پائے گا۔

نیکوکاری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا کوئی نہیں ہے، کہ وہ سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کی اطاعت کرتے تھے، اس کے تقرب کے سب سے زیادہ خواہشمند تھے۔ لوگوں کے ساتھ احسان اور شریعت کے تقاضوں کو پورا کیا کرتے تھے، محرمات سے پرہیز میں سب سے آگے ہوتے تھے اور نیکی اور ثواب کے مواقع ڈھونڈا کرتے تھے۔ کوئی خردمند معمولی شک بھی نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتباع دین میں سبقت حاصل ہے جنہوں نے اللہ کے

فضل سے سچائی، فضائل، معروف، اور عزیمت وسرفرازی کی بلند چوٹیوں کو سر کیا تھا۔اب خوش بخت وہ ہے جو ان کے سیدھے راستہ پر چلے گا اور ان کے منہج مستقیم کی اتباع کرے گا ،بد بخت وہ ہے جو ان کے راستے سے ہٹ جائے اور ان کے نقش قدم سے انحراف کر بیٹھے۔

کون سی ایسی بھلائی ہے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامن خالی رہا ہو؟ کون سی فضیلت ہے جس کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سبقت نہ کی ہو نیکی کی وہ کون سی وادی ہے جس میں ان کے گھوڑے نہ دوڑے ہوں؟ ان لوگوں کی زندگیاں صاف شفاف اور میٹھے چشمے نظر آتی ہیں جنہوں نے دین کی بنیادوں کو یوں پختہ کیا اور نیکی ومعروف کی وہ آبیاری کی کہ بعد میں آنے والوں کی حیثیت ان کے مقابلے میں نہ رہی۔اللہ کے پیارے بندے دلوں کو قرآن کی شیرینی اور ذکر وایمان کی حلاوت سے فتح کیا کرتے تھے اور ملکوں بستیوں کو شمشیر وسنان سے مسخر کرتے تھے، اور ان سب فتوحات میں رب کی خوشنودی کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیا کرتے تھے، حتی کہ کوئی نیکی نیکی نہ رہی جس کی ان سے سند نہ ملتی ہو، کوئی دلیل حجت نہ رہی جس کی تصدیق ان کے ذخیرہ ہائے علم سے نہ ہوتی ہو اور کوئی راستہ راہ نجات نہ بن سکا جب تک اس پر وہ لوگ نہ چلے ہوں۔بھلائی، خیر اور سعادت سب کے سب انہی کی طرز عمل اور عقیدہ ومنہج سے منسوب ٹھہری۔جب تک مجالس علم وفضل میں ان کا ذکر ہے اور جب تک یہ امت تلاش حق کی راہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی وادیوں سے گزرتی رہے گی ان کی قربانیوں، محنتوں اور کاوشوں کے سامنے دل احسامندی اور تشکر کے جذبات سے ممنون ہوتے رہیں گے اور مشیت الٰہی ہے کہ اس وقت تک ان پر اللہ کی خوشنودی ورحمت کا سایہ رہے گا۔

شریعت کے فہم اور ہدایت کی رسائی میں بھی اس امت میں صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا کوئی اور نہیں ہے، حق اور صواب سے قریب ترین صحابہ رضی اللہ عنہم ہی ہیں جو قرآن اور سنت کی مطابقت میں پوری مخلوق سے بڑھ کر ہیں۔اس پر امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ رحمہم اللہ کی روایت شاہد ہے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: جسے اسوہ ونمونہ کی تلاش ہے اسے چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے کیونکہ اس امت میں سب سے پاک طینت اور متقی لوگ ہیں، علم کی گہرائی میں سب سے بڑھ کر، تکلف میں سب سے کم، ہدایت میں سب سے راسخ اور (دینی) حالت میں سب سے بہتر ہیں، کہ آخر یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنے پیارے نبی کی صحبت کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چنا ہے۔اس لئے ان کی فضیلت کو مانو اور ان کی برتری کا پاس کرو، ان کے راستے کی اقتدا کرو کہ یہ صراط مستقیم پر چلے ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ صحیح طور پر منسوب ہے اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم بقیہ امت کی نسبت اقرب الی الحق ہیں کیونکہ وہ لوگ زیادہ متقی، علم میں زیادہ گہرائی کے حامل اور تکلف میں سب سے پیچھے تھے۔حق تک کی رسائی کے لئے ان کو زیادہ توفیق ہوا کرتی تھی کیونکہ اللہ نے ان کو بے بہا ذہانت، فصاحت زبان، سخن فہمی، وسعت علم، حسن ادراک اور سرعت فہم عطا فرمائی تھی، نیک نیتی، تقوی اور پرہیز گاری سے وافر حصہ نصیب کیا تھا پھر مزید یہ کہ دین کا منبع ان سے دور نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اختلاف یا بحث ومناظرہ ان کے ہاں بہت کم تھا بلکہ تھا ہی نہیں۔فصیح عربی ان کی بے ساختہ زبان تھی۔الفاظ کے صحیح معنی ان کی فطرت اور عقل میں

موجود تھے، بلکہ ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے، اسناد، راویوں کے حالات، سند کی کمزوریوں اور جرح وتعدیل میں پڑنے کی ان کو ضرورت ہی نہیں تھی، قواعد واصول فقہ اور اصولیوں کی تفصیلات میں جانے کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ ان سب چیزوں سے وہ لوگ بے نیاز تھے۔ ان کے ہاں تو دو باتیں تھیں ایک یا تو اللہ نے یا اس کے رسول ﷺ نے کیا کہا ہے؟ دوسری یہ کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ انہی دو باتوں میں وہ بے انتہاء خوش قسمت تھے بلکہ پوری امت کی نسبت خود کفیل تھے کہ ان کی ساری کی ساری صلاحیتیں اور قوتیں مجتمع ہو کے اسی کام پر لگی ہوئی تھیں۔ کیوں نہ ہو کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا جو اس صحبت کے دوران قرآن کے اسرار کا مشاہدہ کرتے رہے، نبی اکرم ﷺ سے بنفس نفیس علم لیتے رہے، نزول قرآن، اسباب نزول، تفسیر اور آداب تفسیر سے براہ راست بہرہ ور ہوتے رہے اور قرآن کی روشنیوں اور نبوت کی شعاؤں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ امت میں سے یہ حضرات خوش قسمت ترین اقرب الی الصواب اور قرآن وسنت کے تفقہ کے سب سے بڑھ کر اہل ہیں①۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں: انبیاء علیہم السلام کی وراثت کا حق رکھنے والے

---

①: اس عبارت کے پیرے کتاب لوامع الانوار البہیۃ صفحہ ۵۲۵ سے لئے گئے ہیں جس کے مصنف الشیخ محمد بن سلوم ہیں یہ کتاب محمد بن سالم الفارینی کی کتاب لواصع الانوار البہیہ کا اختصار ہے جبکہ یہ کتاب الدرۃ المضیۃ فی عقیدہ الفرقہ المرضیہ کی شرح ہے اس سلسلے میں شرح عقیدہ طحاویہ کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے (صفحہ ۴۶۴ اور مابعد) جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم) لوگوں میں سب سے بہتر میرے زمانے کے (لوگ) ہیں پھر ان کے بعد والے اور پھر ان کے بعد والے۔ اس روایت کے ایک راوی عمران کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانے کہا تھا یا تین زمانے (صحیحین)۔

قرآن کے معانی سے استدلال ان روایات کی مدد سے کرتے ہیں جو ثقہ راویوں کے ذریعے رسول اکرم ﷺ تک پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ۔ ان کے نزدیک اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اور پھر تابعین رحمہم اللہ وائمہ ہدی کے اقوال کا درجہ ہے۔ کیا کسی ذی ہوش اور عقلمند آدمی سے یہ بات اوجھل رہ سکتی ہے کہ تفسیر قرآن کا یہ طریقہ اس طریقے سے لاکھ درجے بہتر ہے جو ائمہ ضلالت اور جہمیہ ومعتزلہ کے مریسی، جبائی، نظام اور علاف جیسے مشائخ سے لیا گیا ہے جو کہ اہل افتراق واختلاف ہیں، دین کے ٹکڑے کرتے ہیں اور ہر فرقہ اپنے اپنے عقائد وافکار کو دیکھ کر پھولا نہیں سماتا؟

اگر تفسیر قرآن، اس سے استدلال اور علم یقینی کا حصول رسول اکرم ﷺ کی سنن صحیحہ ثابتہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے اقوال درست نہیں ہے تو کیا قرآن کے معانی کا استخراج جہم اور اس کے حواریوں کی تحریفات سے کیا جائے گا؟ یا علاف، نظام، جبائی، مریسی ،عبدالجبار اور ان کے چیلوں کی تاویلات سے کیا جائے گا جن کی آنکھیں اندھی، اور دل ٹیڑھے ہیں؟ جن کی زبان کو سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جبکہ قرآن اہل علم اور اہل ایمان کے ہاں بسا کرتا ہے......(مختصر الصواعق المرسلة ج ۲/ ۳۳۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول ﷺ قرآن لفظاً اور معناً ملا ہے:

بقول امام ابن قیم رحمہ اللہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن پاک لفظاً اور معناً ہر دو لحاظ سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ جیسے رسول اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن کے الفاظ پہنچائے اسی طرح قرآن کے معنی بھی پہنچائے۔ ظاہر ہے بیان اور بلاغ پورا بھی اسی طرح ہوسکتا ہے، ارشاد الٰہی ہے: **وما على الرسول الا البلاغ**

المبین. رسول کا فرض واضح طور پر پہنچا دینا (بلاغ) ہے۔اس (بلاغ) پہنچا دینے میں معانی بھی شامل ہیں بلکہ یہ تو بیان کے اعلیٰ درجات میں شامل ہے۔لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے امت کو اپنے اور اپنے رب کے کلام کے معانی نہیں پہنچائے بلکہ صرف الفاظ پہنچائے ہیں (یعنی الفاظ کی حد تک بلاغ مبین کیا ہے) جبکہ معانی کے فہم کے سلسلے میں آپ نے امت کو ان لوگوں کے اقوال پر چھوڑ دیا ہے ایسا شخص گویا یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ آپ نے بلاغ کا فریضہ سرانجام دے دیا ہے۔جبکہ اہل علم اور اہل ایمان آپ ﷺ کے بارے میں اسی بات کی شہادت دیتے ہیں جس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے ،اس کے فرشتوں نے اور خیرون القرون نے دی ہے کہ آپ نے بلاغ مبین کا فرض اس حد تک پورا کیا ہے کہ کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا،جس سے حجت قائم ہوگئی ہے اور علم ویقین لفظاً اور معناً حاصل ہوگیا ہے۔اس بات کا یقین کہ آپ ﷺ نے قرآن وسنت کے معانی امت کو (ابلاغ) پہنچائے ہیں وہی اہمیت رکھتا ہے جو اس بات کے یقین کی ہے کہ آپ نے الفاظ کا ابلاغ کیا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ،کیونکہ قرآن وسنت کے الفاظ تو امت کے خاص لوگ ہی حفظ کرتے ہیں جبکہ معانی کا علم عام بھی اور خاص بھی سبھی اس میں مشترک ہوتے ہیں۔

حبیب بن عبداللہ البجلی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: ہم نے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا تو ہمارے ایمان میں اضافہ ہوا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم ﷺ سے قرآن کے الفاظ اور معنی دونوں حاصل کیا کرتے تھے بلکہ معانی کے حصول کا زیادہ خیال کیا کرتے تھے پہلے معانی اور مفاہیم حاصل کیا کرتے تھے پھر الفاظ لیتے تھے کہ ان معانی کو ضبط میں لایا

اور محفوظ کیا جاسکے۔ اب جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی بھی محفوظ کر لیتے تھے تو انہیں کسی دوسرے کے الفاظ کی ضرورت نہ رہتی لہٰذا قرآن کے معانی بھی اس کے الفاظ کی طرح برابر نقل ہوتے ہیں۔ جب سلف سابقین یہ ایمان رکھتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے جسے اس نے ان کے لئے اتارا کر ہدایت فراہم کی ہے اور ان کو اس کی پیروی کا حکم دیا ہے تو وہ قرآن فہمی کا کوئی موقع کیونکر ہاتھ سے جانے دیتے کہ اس کا معنی ومراد عام اور خاص ہر جہت سے معلوم ہو جائے؟ جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تو قرآن اور اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی محفوظ کلام یا کتاب بھی نہیں تھی جس کو وہ پڑھتے اور تفقہ حاصل کرتے۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی مجالس میں ان دونوں کے علاوہ کچھ پڑھتے سناتے نہ تھے بلکہ ان لوگوں کے ہاں قرآن ہی وہ علم تھا جس کے حفظ وفہم اور علم وتفقہ میں وہ صبح وشام لگے رہتے تھے اور اس سلسلے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کے مابین موجود تھے جو خود بھی اس کی تفسیر کا علم رکھتے تھے اور اس کو ان تک بھی اس کے الفاظ ہی کی طرح پہنچاتے تھے۔ اس وجہ سے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ اس سلسلے میں کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے ہوں، یہ بھی ممکن نہیں کہ اس علم کی خاطر ان کے دلوں میں تڑپ پیدا نہ ہوتی ہو پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ علم نہ سکھاتے ہوں اس بات کا تصور کیسے ممکن ہے جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم وہدایت کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہوں اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو کہ وہ ان کی تعلیم وہدایت کے لئے ہمہ وقت بے تاب رہتے ہوں، وہ تو کفار کی ہدایت وراستی کے لئے بے چین رہا کرتے تھے!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بے شمار احادیث اپنے کانوں سے سنیں ،آپ کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور مشن کو اپنے دلوں میں محسوس کیا ان سب کی بنا پر وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وفرامین کی وہ مراد بخوبی سمجھتے تھے جس کے فہم میں بعد میں آنے والی نسلیں ان کے برابر نہیں ہوسکتیں ۔آخر وہ شخص جس نے کہنے والے کو سنا بھی ہو، جانتا بھی ہو اور دیکھا بھی ہو اور نہ سنا ہو یا اس کی شنید اور علم کئی واسطوں سے حاصل کر پایا ہو! اب جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو کسی اور کو حاصل نہ ہوسکی تو اس سلسلے میں کسی دوسرے کی بجائے صرف اور صرف انہی کی طرف رجوع لازمی اور قطعی ٹھہرتا ہے چنانچہ بقول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ''ہمارے ہاں اہلسنّت کے اصول یہ ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول کے مسلک کی پابندی کی جائے''۔اسی لئے فرقہ ناجیہ کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق کار پر چلنا ہے جیسا کہ اس فرقہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شہادت ہے:من كان على مثل ما انا عليه واصحابى. کہ وہ اس طریقہ پر ہوں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ان وجوہ اور اسباب کی بنا پر جو کہ اہل بصیرت کے ہاں قطعی دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں ،چاہے دل کے اندھوں کے ہاں بے شک ظنی بھی نہ ہوں ،قرآن کی تفسیر اور مراد الٰہی کی صحیح بین تاویل کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع ہی سیدھا راستہ ہے پھر یہ تو معلوم ہی ہے کہ تابعین عظام رحمہم اللہ نے یہ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیا اور سیکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو علم ان تک پہنچایا اس میں کسی قسم کا انحراف نہیں کیا۔

(مختصر الصواعق المرسلة ج ٢/٣٣٥)

امت میں تفرقہ کی پیشین گوئی ،طائفہ حق اور’’ جماعت‘‘ سے لزوم احادیث کی روشنی میں:......

آنحضرت ﷺ سے بہت سی احادیث روایت ہوئی ہیں جن میں اس بات کی پیشین گوئی ہے کہ یہ امت آپ ﷺ کے بعد ستر سے اوپر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی ،ایک کو چھوڑ کے سب کے سب دوزخی ہوں گے اور یہ ’’جماعت یا فرقہ ناجیہ‘‘ ہوگا جو کہ اس راستے اور طریقے پر ہوگا جس پر آپ خود اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

اسی طرح بہت سی احادیث ایسی وارد ہوئی ہیں جن میں یہ پیشینگوئی ہے کہ آپ ﷺ کی امت میں کچھ لوگ ہمیشہ ظاہر وغالب رہیں گے، اللہ کے حکم ودین کی اقامت کرتے رہیں گے اور ان کے مخالفین اور بدخواہ ان کا بال بیکا نہ کرسکیں گے اور یہ اس وقت تک رہیں گے جب تک اللہ کا حکم نہ آجائے اور قیامت قائم نہ ہوجائے ،اسی طرح ایسی احادیث بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن میں سنت کے لازم پکڑنے اور جماعت کے ساتھ وابستگی پر زور دیا گیا ہے اور شدوذ اور تفرقہ سے منع کیا گیا ہے پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت آتی ہے جس پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے: کیف الامر اذا لم تکن جماعة؟ جب جماعت نہ ہو تو اس وقت کیا کرے۔

تہتر فرقوں والی حدیث۔۔۔طرق وروایات

۱۔ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ افترقت الیھود علی احدی او اثنتین و سبعین فرقة‘ وافترقت النصاری علی احدی او

اثـنتـی و سبـعیـن فرقة‘ و تفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقة ابو داؤد والترمذی و ابن ماجة و الحاکم و احمد و غیرهم.

(یہ حدیث حاکم‘ ذہبی‘ عراقی‘ ابن حجر‘ ابن تیمیہ اور البانی کے صحیح یا حسن کے درجے میں آتی ہے)

’’ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹے اور عیسائی اکہتر یا بہتر فرقوں میں‘ جبکہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔‘‘

۲۔ عـن ابی عامر عبداللّٰہ بن لحی قال حججنا مع معاویه بـن ابـی سفیان ‘ فلما قدمنا مکة قام حین صلی صلاة الظهر فقال ان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قـال ان اهـل الـکتابین افترقوا فی دینهم علی اثنتین و سبعین ملة ‘ و ان هذه الامة ستفترق علی ثلاث و سبعین ملة ۔ یعنی الاهـواء۔ کـلهـا فی النار الا و احدة ‘ و هی الجماعة و انه سیخرج فی امتـی اقـوام تجاری بهم تلك الاهواء کما یتجاری الکلب بصاحبه‘ لا یبـقـی منه عرق و لا مفصل الا دخله، و اللّٰه یا معاشر العرب لئن لم تـقـومـوا بـمـاجـاء به نبیکم صلی اللّٰه علیه و سلم لغیرکم من الناس احری ان لا یقوم به.

’’ابو عامر عبداللہ بن لحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ کہتے ہیں ہم نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج کیا جب ہم مکہ پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ظہر ادا کرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا‘‘ دونوں اہل

کتاب (یہود ونصاریٰ) اپنے دین میں بہتر ملتوں میں متفرق ہوئے اور یہ امت تہتر اھواء پر مبنی ملتوں میں مفترق ہوگی سب کی سب دوزخ میں جائیں گی صرف ایک بچے گی جو "جماعت" ہوگی اور میری امت میں بہت سے ایسے گروہ ہوں گے جن میں اھواء وشہوت ایسے سرایت کر جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹے میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے' اس کی کوئی رگ کوئی جوڑ اس کے اثر سے سلامت نہیں رہتا۔

اے عرب کے لوگو! اللہ کی قسم اگر تم نے اس وقت اپنے نبی کے لائے ہوئے دین کو قائم نہ کیا تو دوسرے لوگ بالا دلی یہ کام نہ کریں گے"۔

(ترمذی' حاکم' ابن تیمیہ' سیوطی' مناوی' شاطبی' ذہبی اور البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

۳۔ عن عبداللّٰہ بن عمر قال : قال رسول اللّٰہ ﷺ لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل ' حذو النعل بالنعل ' حتی ان کان منھم من یاتی امه علانية لكان فی امتی یصنع ذلك ' وان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنتین و سبعین ملة' وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار الا ملة واحدة قالوا:ومن ھی یا رسول اللّٰہ؟ قال ما انا علیه واصحابی .(الترمذی والاجری واللالکائی وغیرھم.

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر بھی وہی کچھ گزرے گا جو بنی اسرائیل پر گزرا ہے' ہو بہو' حتی کہ اگر ان میں سے کوئی کھلے بندوں اپنی ماں سے بدکاری کرتا تھا تو میری امت میں بھی

ایسا کرنے والا ضرور ہوگا۔اور بنی اسرائیل بہتر ملتوں میں متفرق ہوئے ہیں جبکہ میری امت تہتر ملتوں میں متفرق ہوگی' سب کی سب دوزخ میں جائینگی سوائے ایک ملت کے' صحابہ نے عرض کی وہ کون سی ہوگی اے اللہ کے رسول ﷺ ؟ فرمایا'' جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق پر ہوگی''۔

(یہ حدیث بہت سے شواہد کی بنا پر حسن ہے' ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن تیمیہ نے اس سے حجت پکڑی ہے)

٤ ۔ عن عوف بن مالك قال : قال رسول اللّٰه ﷺ : "افترقت اليهود على احدى و سبعين فرقة ' فواحدة فى الجنة و سبعون فى النار وافترقت النصارىٰ على ثنتين و سبعين فرقة فاحدى و سبعون فى النار واحدة فى الجنة' والذى نفسى محمد بيده لتفترقن امتى على ثلاث و سبعين فرقة' واحدة فى الجنة وثنتان و سبعون فى النار قيل : يا رسول اللّٰه من هم؟ قال: "الجماعة" (ابن ماجة والالكائى وابن ابى عاصم)

''عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' یہود اکہتر فرقوں میں بٹے ان میں سے ایک جنتی اور ستر دوزخی ہوئے 'عیسائی بہتر فرقوں میں بٹے ان میں سے اکہتر دوزخی ہوئے اور ایک جنتی' جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس کی قسم میری امت تہتر فرقوں میں بٹ کر رہے گی ایک فرقہ جنتی ہوگا اور بہتر دوزخی'' کہا گیا: اے اللہ کے رسول

ﷺ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: ''جماعت''۔

(سلسله صحيحه از البانی ج ٣ ص ٤٨ حديث نمبر ١٤٩٢)

٥۔ عن انس بن مالك قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:"ان بنی اسرائيل افترقت على احدی وسبعين فرقة' وان امتی ستفترق على اثنتين وسبعين فرقة كلها فی النار الا واحدة' وهی الجماعة"۔ (ابن ماجة واحمد ولالكائی وغيرهم)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا: بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں مفترق ہوئے' اور میری امت بہتر فرقوں میں بٹے گی سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے جو ''جماعت'' ہوگی''۔

(السنۃ لابن ابی عاصم کی تخریج میں شیخ البانی نے بوصیری رحمہ اللہ کے حوالے سے اسے صحیح کہا ہے)

٦۔ عن ابی امامة قال : "افترقت بنو اسرائيل على احد وسبعين فرقة' او قال اثنتين وسبعين فرقة' وتزيد هذه الامة فرقة واحدة' كلها فی النار الا السواد الاعظم فقال له رجل : يا ابا امامة' من رايك او سمعته من رسول اللّٰه ﷺ قال: انی اذا لجری ' بل سمعته من رسول اللّٰه ﷺ غير مرة ولا مرتين ولا ثلاثة" (ابن ابی عاصم واللالكائی والطبرانی)

''ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: بنی اسرائیل اکہتر یا بہتر فرقوں میں متفرق ہوئے۔ اس امت میں اس سے بھی ایک فرقہ زیادہ ہوگا' سوائے

سوادِ اعظم کے سبھی فرقے جہنم میں جائیں گے۔ ایک شخص بولا: ابوامامہ! یہ تمہارا خیال ہے یا تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ ابوامامہ نے کہا (اگر ایسا ہوتا تو) پھر تو میں بہت بڑی جسارت کرتا' میں نے تو یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہے ایک یا دو یا تین مرتبہ نہیں (بے شمار مرتبہ)

ثانیاً حدیث: لاتزال طائفة من امتی علی الحق:

۱۔ عن معاویة رضی اللّٰه عنه قال: سمعت النبی ﷺ یقول "لاتزال طائفة من امتی قائمة بامر اللّٰه' لایضرهم من خذلهم او خالفهم حتی یاتی امر اللّٰه وهم ظاهرون علی الناس(مسلم)

''معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا: میری امت میں کچھ لوگ ہمیشہ اللہ کے دین کو تھام کر کھڑے ہوتے رہیں گے' ان کو رسوا یا مخالفت کرنے والے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ لوگوں پر غالب رہیں گے''۔

۲۔ وفی لفظ "من یرد اللّٰه به خیرا یفقهه فی الدین' ولا تزال عصابة من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم الی یوم القیامة" (مسلم)

''ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے اور قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی۔''

۳۔ وفـی لفظ ”من یرد اللّٰه به خیرا یفقهه فی الدین ‘ وانما انا قاسم ‘ ویـعـطی اللّٰه‘ ولن یزال امر هذه الامة مستقیما حتی تقوم الساعة‘ او یاتی امر اللّٰه“۔ (بخاری)

”ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ”اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کردیتا ہے‘ میں تو بانٹنے والا ہوں دینے والا اللہ ہے۔اس امت کا دین استقامت (سیدھی راہ) پر رہے گا تا آنکہ قیامت آجائے یا تا آنکہ اللہ کا حکم آجائے۔“

٤۔ وفـی لـفـظ (فـقــام مــالك بـن یـخـامر السکسکی فقـال : یـا امیـرالـمـومنین ‘ سمعت معاذ ابن جبل یقول: وهم اهل الشام. فقام مـعـاویة ورفـع صوته هذا مالك یزعم انه سمع معاذا یقول:وهم اهل الشام۔ (مسند احمد‘ابن ماجة‘ابو داؤد‘طیالسی‘لالکائی)

”ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”مالک ابن یخامر سکسکی کھڑے ہوئے اور کہا :امیر المومنین میں نے معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ اہل شام ہیں‘ معاویہ رضی اللہ عنہ بلند آواز سے بولے: یہ مالک ہے اس کا خیال ہے کہ اس نے معاذ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ: وہ اہل شام ہیں۔

۵۔ عـن المغیره بن شعبة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قـال: ”لاتزال طائفة من امتی ظاهرین حتی یاتیهم امر اللّٰه وهم ظاهرون“ (بخاری)

”مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری

امت میں کچھ لوگ ہمیشہ غالب رہیں گے تا آنکہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ بدستور غالب رہیں گے''۔

٦۔ وفی لفظ:"لا یزال ناس من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین حتی یاتیھم امر اللّٰہ عزوجل""۔ (مسند احمد'دارمی'لالکائی)

''ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:''میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ حق کے لئے لڑتے اور غالب رہیں گے تا آنکہ اللہ عزوجل کا حکم آجائے''۔

٧۔ وعن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہما قال : سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول:"لاتزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیامة. قال:فینزل عیسی ابن مریم علیہما السلام' فیقول امیرھم: تعال صل لنا'فیقول: لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة اللّٰہ ھذہ الامة. (مسلم'احمد)

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' کہتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا: میری امت سے ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ حق کے لئے لڑتا اور غالب رہے گا۔آخر عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے اس (گروہ) کے امیر ان سے کہیں گے''آیئے ہماری امامت کیجئے''تو وہ کہیں گے''نہیں اللہ نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو''۔

٩۔ وعن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : "لاتزال طائفة من

امتی ظاھرین علی الحق ‘ لایضرھم من خذلھم حتی یاتی اللّٰہ امر اللّٰہ وھم کذلک“ (مسلم)

”ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا‘ ان کو رسوا کرنے والا ان کو کوئی ضرر نہ پہنچائے گا تا آنکہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ اسی حالت میں ہوں گے“

٨۔ وفی لفظ”ان اللّٰہ عزوجل زوی لی الارض ۔ او قال ان ربی زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا ‘ وان ملک امتی سیبلغ مازوی منھا‘ وانی اعطیت الکنزین الاحمر والابیض‘ وانی سالت ربی لامتی ان لا یھلکھا بسنۃ عامۃ‘ ولا یسلط علیھم عدوا من سوی انفسھم یستبیح بیضتھم ‘ وان ربی عزوجل قال: یا محمد انی قضیت قضاءً فانہ لایرد.وقال یونس:لایرد.وانی اعطیتک لامتک ان لا اھلکھم بسنۃ عامۃ‘ ولا اسلط علیھم عدوا من سوی انفسھم یستبیح بیضتھم ولوا اجتمع علیھم من بین اقطارھا. او قال: من باقطارھا.حتی یکون بعضھم یسبی بعضا‘ وانما اخاف علی امتی الائمۃ المضلین‘ واذا وضع من امتی السیف لم یرفع عنھم الی یوم القیامۃ‘ ولا تقوم الساعۃ حتی یلحق قبائل من امتی بالمشرکین‘ وحتی تعبد قبائل من امتی الاوثان‘ وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی‘ وانا خاتم النبیین‘ لانبی بعدی. ولا تزال

طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لا یضرهم من خالفهم حتی یاتی امر اللّٰہ عزو جل“.

”ایک حدیث کے الفاظ ہیں: ”اللہ عزوجل نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا تو میں نے زمین کے مشرق ومغرب دیکھ لئے‘ میری امت کی بادشاہی بھی وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے دکھایا گیا‘ اور مجھے سرخ وسفید دونوں خزانے دیئے گئے ہیں‘ اور میں نے اپنے رب سے دعا کی ہے کہ اس کو قحط عام سے ہلاک نہ کرے اوران پر اپنوں کے علاوہ غیر میں سے کوئی دشمن مسلط نہ کرے جوان کو صفحۂ ہستی سے مٹادے ۔میرے رب عزوجل نے کہا ہے: اے محمد ﷺ میں جب کوئی فیصلہ کرلوں تو وہ لوٹا یا نہیں جاتا (اور یونس نے کہا نہیں لوٹتا) میں نے تیری خاطر تیری امت کے لئے یہ طے کر دیا ہے کہ اس کو قحط عام سے ہلاک نہ کروں گا اوران پر اپنوں کے علاوہ پرایوں میں سے کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کروں گا جو انہیں صفحۂ ہستی سے ختم کردے چاہے وہ پورے کرہ ارض سے جمع ہوکران پر آلیں‘ یہاں تک کہ اس امت کے لوگ ایک دوسرے کو غلام بھی بنائیں گے ۔مجھے اپنی امت پر اصل ڈر تو گمراہ کرنے والے اماموں (حکمرانوں یا علماء) سے ہے‘ اور میرے امت میں لڑائی پڑ جائے گی تو وہ قیامت نہیں اٹھائی جائے گی‘ اور قیامت اس ووقت تک نہ آئے گی جب تک میری امت کے کچھ قبائل مشرکین سے نہ مل جائیں اور جب تک میری امت کے کچھ قبائل بت پرستی نہ کرنے لگیں‘ اور میری امت میں تیس کذاب (جھوٹے) ہوں گے سب

کے سب نبوت کا دعویٰ کریں گے' جبکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' اور میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا ان کے مخالفین ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے' یہاں تک کہ اللہ عزوجل کا حکم آ جائے گا''۔

۱۰۔ عن عبدالرحمن بن شمامة المهری قال: کنت عند مسلمة بن مخلد وعنده عبداللّٰه بن عمرو بن العاص' فقال عبداللّٰه: لا تقوم الساعة الا علی شرار الخلق' هم شر من اهل الجاهلية' لا یدعون اللّٰه بشیٔ الا رده علیهم. بینما هم علی ذلك اقبل عقبة بن عامر ' فقال له مسلمة یا عقبة' اسمع ما یقول عبداللّٰه فقال عقبة: هو اعلم ' واما انا فسمعت رسول اللّٰه ﷺ یقول: لا تزال عصابة من امتی یقاتلون علی امراللّٰه' قاهرین لعدوهم ' لایضرهم من خالفهم حتی تاتیهم الساعة وهم علی کذلك'' فقال عبداللّٰه: اجل' ثم یبعث اللّٰه ریحاً کریح المسك مسها مس الحریر' فلا تترك نفسا فی قلبه مثقال حبة من الایمان الا قبضته' ثم یبقی شرار الناس ' علیهم تقوم الساعة. (مسلم)

''عبدالرحمٰن بن شماسہ المہری سے روایت ہے کہتے ہیں: میں مسلمہ بن مخلد کے پاس تھا وہاں عبداللہ ابن عمرو ابن العاص بھی تھے۔ عبداللہ کہنے لگے: قیامت اسی وقت آئے گی جب مخلوق میں سے بدترین لوگ رہ جائیں گے' یہ لوگ اہل جاہلیت سے بھی بدتر ہوں گے' اللہ سے جو بھی دعا کریں گے وہ ان کے منہ پر

ماردی جائے گی ۔وہ یہ کہہ رہے تھے کہ عقبہ بن عامر بھی آ پہنچے' مسلمہ نے ان سے کہا: عقبہ سنو عبداللہ کیا کہہ رہے ہیں؟ عقبہ نے کہا: وہ زیادہ علم رکھتے ہیں' جہاں تک میری بات ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''کہ میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے دین پر (جم کے) لڑتا رہے گا' یہ لوگ دشمن پر بھاری رہیں گے' ان کے مخالفین ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے' یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی حالت میں ہوں گے''۔عبداللہ کہنے لگے: ہاں پھر اللہ تعالیٰ ایسی ہوا چلائے گا جو کستوری ایسی خوشبودار اور ریشم ایسی نرم ہوگی جو کہ کسی بھی ایسے شخص کو نہ چھوڑے گی جس کے دل میں ذرے برابر بھی ایمان ہوگا' پھر بدترین لوگ رہ جائیں گے' انہی پر قیامت آئے گی۔''

۱۱۔ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : ''لا یزال اھل الغرب ظاھرین علی الحق حتی تقوم الساعۃ''. (مسلم ، لالکائی)

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اہل مغرب (شام) ہمیشہ حق پر غالب رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔''

۱۲۔ عن قرۃ المزنی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : ''اذا فسد اھل الشام فلا خیر کم ' ولا یزال اناس من امتی منصورین ' لایبالون من خذلھم حتی تقوم الساعۃ''.(احمد'ترمذی'ابن

ماجة'لالکائی)

''قرۃ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل شام خراب ہو جائیں گے تو تم میں کوئی خیر باقی نہ رہے گی' اور میری امت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ غالب رہیں گے جو مخالفین کی کچھ پرواہ نہ کریں گے تا آنکہ قیامت آجائے گی۔''

۱۳۔ عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم : ''لا تـزال طـائـفة مـن امتـی یـقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یقاتل اخرهم المسیح الدجال''. (مسلم)

''جابر ابن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تا آنکہ قیامت آجائے یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا' اس پر رہ کر مسلمانوں میں سے ایک جماعت لڑتی رہے گی''۔

۱۵۔ عن سلمة بن نفیل رضی اللہ عنہ قـال : کنت جالسا عند رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ' فـقـال رجـل : یـا رسـول اللّٰہ اذال الناس الخیل ووضعوا السـلاح وقـالوا:لاجهاد'وقد وضعت الحرب اوزارها. فاقبل رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم بـوجـهـه وقـال:کـذبوا' الان جاء القتال' ولا یزال من امتی یـقـاتـلون علی الحق ویزیغ اللّٰہ لهم قلوب اقوام ویرزقهم منهم حتی تـقـوم السـاعة. وحتـی یـاتـی وعداللّٰہ ' والخیل معقود فی نواصیها الـخیـر الی یوم القیامة' وهو یوحی الی انی مقبوض غیر ملبث' وانتم

تتبعونی افنادا، یضرب بعضکم رقاب بعض، وعقر دارالمومنین الشام. (نسائی)

''سلمہ بن نفیل کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس بابرکت میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی کہنے لگا: حضور لوگوں نے گھوڑے باندھ لئے ہیں اور ہتھیار رکھ دیئے ہیں کہتے ہیں اب جہاد بس، جنگ ختم ہو چکی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک آگے کیا، فرمانے لگے: جھوٹ کہتے ہیں اب ہی تو جنگ ہے، میری امت میں تو ایک امت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی، ان کے سامنے اللہ کچھ قوموں کے دل ہوا کر دے گا اور انہی سے ان کو رزق بھی فراہم کرے گا حتی کہ قیامت آجائے گی اور حتی کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا، اور قیامت تک کے لئے اللہ نے گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر رکھ دی ہے۔ اللہ نے مجھ کو وحی کی ہے کہ میں کچھ دیر تک دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا اور تم میرے بعد گروہ در گروہ آؤ گے تو ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ گے، اور مومنوں کا مرکز شام ہوگا۔''

''یہی احادیث صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی اور حضرات نے روایت کی ہیں جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ عنہ، ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور مرہ بن کعب ابو مزی رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

احادیث لزوم ''جماعت'' واتباع سنت:

۱۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کرہ من امیرہ شیئا

فليصبر فانه من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية". (بخاری)

'ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: کہ اگر کسی کو اپنے امیر کی کوئی بات ناپسند لگے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونک جو شخص امارت/خلافت سے بالشت بھر خروج کرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

۲۔ وفی لفظ " من رای من امیرہ شیئا فلیصبر' فانہ من فارق الجماعة شبرا فمات الا مات میتة جاهلية". (بخاری و مسلم)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''جسے اپنے امیر کی کوئی بات یا کام ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ جس نے ''جماعت'' سے بالشت بھر بھی مفارقت (علیحدگی) اختیار کی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

۳۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما – ان عمر بن خطاب – رضی اللہ عنہ – خطب بالجابية فقال: فينا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مقامی فيكم فقال: واستوصوا باصحابی خيرا' ثم الذين يلونهم' ثم الذين يلونهم' ثم يفشوا الكذب' حتى ان الرجل ليبتدئ بالشهادة قبل ان يسالها' فمن اراد منكم بحبحبة الجنة فليلزم الجماعة' فان الشيطان مع الواحد وهو من الاثنين ابعد....." (احمد' ترمذی' حاکم' ابن ماجة)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا' فرمایا: جس جگہ میں تمہارے درمیان کھڑا ہوں اسی جگہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے مابین کھڑے تھے' انہوں نے فرمایا تھا: میرے صحابہ کو خیر پر باور کرتے رہنا' پھر ان کے بعد جو آئیں گے' پھر ان کے بعد جو آئیں گے' پھر لوگ جھوٹ عام کریں گے حتی کہ آدمی مانگے بغیر گواہی دینے لگے گا۔ چنانچہ تم میں سے جو کوئی جنت کی عیش اور ٹھاٹھ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ ''جماعت'' کو لازم پکڑے کیونکہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے' اور جب دو ہوں تو نسبتاً دور ہوتا ہے۔''

٤ ۔ عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال ' قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: والصلاة المكتوبة الى الصلاة المكتوبة التی بعدها كفارة لما بينهما ' قال والجمعة الى الجمعة ' والشهر الى الشهر --يعنی رمضان الى رمضان-- كفارة' قال: ثم قال بعد ذلك الا من ثلاث -- قال فعرفت ان ذلك الامر حدث -- الا من الاشراك بالله' ونكث الصفقة' وترك السنة' قال: اما نكث الصفقة ان تبايع رجلا ثم تخالف اليه تقاتله بسيفك' واما ترك السنة فالخروج من الجماعة". (احمد والحاكم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک فرض نماز اپنے بعد کی فرض نمازوں تک کے (گناہوں) کے لئے کفارہ ہے' ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک ماہ رمضان دوسرے ماہ رمضان تک کے (گناہوں) کے لئے کفارہ ہے' سوائے تین قسم کے گناہوں کے (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جان لیا کہ امر وقوع پذیر ہو چکا ہے) شرک باللہ' بات

سے پھر جانا اور ترک سنت۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بات سے پلٹنے کا مطلب ہے کہ تم ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت کرو پھر اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاؤ اور تلوار سے اس کے ساتھ جنگ شروع کر دو، اور ترک سنت کا مطلب ہے ''جماعت'' سے خروج۔''

۵۔ عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال : اما بعد فان النبی ﷺ سمی خیلنا خیل اللّٰه اذا فزعنا' وکان رسول اللّٰه ﷺ یامرنا اذا فزعنا بالجماعة والصبر والسکینة اذا قاتلنا. (ابوداؤ)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: ہم پر جب خوف طاری ہوتا تو اللہ کے نبی ﷺ ہمارے گھوڑوں کو اللہ کے گھوڑے کہتے اور جب ہم پر خوف طاری ہوتا تو اللہ کے رسول ہمیں ''جماعت'' اور صبر کا حکم دیتے اور لڑائی کے وقت سکینت کا۔''

٦۔ عن ابن عباس – رضی اللہ عنہما– قال: قال رسول اللّٰه ﷺ : یداللّٰه مع الجماعة. (ترمذی'طبرانی'ابن ابی عاصم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔''

۷۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللّٰه ﷺ قال: ولا یجمع اللّٰه هذه الامة -- او قال امتی -- علی ضلالة. (ترمذی'حاکم'ابن بی عاصم'طبرانی'لالکائی)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ اس امت۔۔۔یا میری امت۔۔۔کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔''

٨۔ وفی لفظ وبعده : "واتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ فی النار". (حاکم)

ایک روایت کے الفاظ میں اس کے بعد آتا ہے: ''سواد اعظم کی اتباع کرو کیونکہ جس نے علیحدگی اختیار کی اسے علیحدہ کر کے جہنم رسید کیا جائے گا۔''

٩۔ وعن ابن مسعود -- رضی اللہ عنہ -- قال ' قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: "لا یحل دم امرئ مسلم یشهد ان لاالٰه الااللّٰه وانی رسول اللّٰه الا باحدی ثلاث: النفس بالنفس' الثیب الزانی' والمفارق لدینه التارك للجماعة." (بخاری)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمان ہے' اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے بارے میں شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں' تو اس کا خون (کرنا) حلال نہیں ہے' سوائے یہ کہ تین صورتیں ہوں' خون کے بدلے خون یا شادی شدہ زانی یا دین سے علیحدگی اختیار کرنے والا اور جماعت چھوڑنے والا۔''

١٠۔ وعن العرباض بن سارية - رضی اللہ عنہ - قال وعظنا رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم یوما بعد صلاة الغداة موعظة مودع فماذا تعهد الینا یا

رسـول الـلّٰـه -- ؟ قـال: اوصيكم بتقوى اللّٰه والسمع والطاعة‘ وان عبـد حبشـى ‘ فـاتتـه مـن يـعـش مـنـكم يرى اختلافًا كثيرا‘ واياكم ومحدثات الامور فانها ضلالة‘ فمن ادرك ذلك منكم فعليكم بسنتى وسنة الـخـلـفـاء الـراشـديـن الـمـهـديـيـن عـضوا عليها بالنواجذ.“ (ترمذی‘ابوداؤد‘احمد)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ کہتے ہیں ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز فجر کے بعد وعظ کیا۔ وعظ اتنا بلیغ تھا کہ اس سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل پسیج گئے۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ایسا وعظ ہے گویا (آپ ہم سے) روانہ ہورہے ہیں۔ فرمایا: ”میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں چاہے (امیر) کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو‘ کیونکہ تم میں سے جو کوئی (میرے بعد) رہے گا بے اندازہ اختلاف دیکھے گا۔ خبردار نئے کاموں (محدثات) سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں‘ اگر کوئی یہ زمانہ پائے تو تم پر میری سنت لازم ہے اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے‘ اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھنا۔“

۱۱۔ وعـن جـابـر بـن عبـداللّٰه قال: كان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم اذ خـطـب احـمـرت عيـناه وعلا صوته واشتد غضبه‘ حتى كانه منذر جيـش يـقـول صبحـكـم ومسـاكم ‘ ويقول: ”بعث انا والسـاعة

كهـاتين'' ويقرن بين اصبيعه السبابة و الوسطى ' ويقول: اما بعد خير الـحـديـث كتـاب اللّٰـه' وخيـر الهـدى هدى محمد' وشر الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة' ثم يقول: انا اولى بكل مومن من نفسه ' من ترك مالا فلاهله و من ترك دينا او ضياعا فالى وعلى.''(مسلم)

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے' کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو ان کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں' آواز بلند ہو جاتی اور لہجہ غضبناک ہو جاتا' یہاں تک کہ ایسا لگتا کہ جیسے وہ کسی لشکر سے خبردار کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہوں کہ لشکر صبح آیا کہ شام آیا۔ فرمایا کرتے کہ میں اور قیامت ایسے بھیجے گئے ہیں ......ساتھ اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی ملاتے......اور کہتے: اما بعد یاد رکھو بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے 'اور بدترین چیز محدثات (نئی باتیں) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ پھر فرماتے: میں ہر مومن پر اس کے نفس سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں اگر کسی نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے اہل خانہ کا ہے' اور اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہو یا کوئی ضیاع تو وہی میری طرف آئے اور وہ مجھی پر ہے۔ (مسلم)

حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ:

١۔ قـال حذيفة -- رضی اللہ عنہ -- :كـان الـنـاس يسالون رسول اللّٰه ﷺ عـن الـخيـر' و كـنـت اسـالـه عـن الشر مخافة ان يدركني ' فقلت يا رسـول الـلّٰـه انـا كـنا فى جاهلية و شر فجاء اللّٰه بهذا الخير' فهل بعد

هـذا الـخيـر مـن شر؟ قال: ”نعم“ قلت: وهل بعد هذا الشر من خير؟ قـال:”نـعم“ وفيه دخن قلت: وما دخنه؟ قال:”قوم يهدون بغير هدي تعرف منهم وتنكر“ قلت:فهل بعد ذلك الخير من شر؟قال:نعم دعاة الـى ابـواب جهنم ‘ من اجابهم اليها قذفوه فيها“ قلت: يا رسول اللّٰه صـفـهـم لنا قال”هم من جلدتنا ويتكلمون بالسنتنا“فقلت:فما تامرنى ان ادركـنـى ذلك؟ قال: ”تلزم جماعة المسلمين وامامهم“ قلت: فان لـم يـكن لهم جماعة ولا امام؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كلها ولو ان تعض باصل شجرة حتى يدرك الموت وانت على ذلك.“ (بخارى ومسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے اور میں ان سے شر کے بارے میں دریافت کیا کرتا تھا‘ اس ڈر سے کہ میں اس میں نہ پڑ جاؤں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اے اللہ کے رسول ہم لوگ جاہلیت اور شر میں تھے کہ اللہ نے ہمیں یہ خیر دکھائی‘ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں نے عرض کی تو کیا اس شر کے بعد کوئی خیر ہے؟ فرمایا: ہاں‘ اور اس میں دخن ہوگا۔ میں نے عرض کی: اس میں دخن کیا ہوگا؟ فرمایا: ایسے لوگ ہوں گے جو میرے طریقہ وتعلیمات کی ہدایت نہیں دیں گے‘ کچھ باتیں اچھی ہوں گی اور کچھ بری‘ میں نے پھر عرض کی تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں جہنم کے راستوں کی طرف دعوت دینے

والے ہوں گے جو ان کی دعوت قبول کرلے گا وہ اس کو جہنم پہنچا ئیں گے۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ان لوگوں کے اوصاف بتایئے‘ فرمایا: وہ ہماری ہی نسل سے ہوں گے اور ہماری ہی زبانوں میں بات کرتے ہوں گے۔ میں نے سوال کیا اگر مجھے وہ وقت آلے تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور امام سے (وابستگی) کو لازم پکڑنا‘ میں نے عرض کی اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہوں تو؟ فرمایا: تو پھر ان سب فرقوں سے الگ اور دور رہنا‘ چاہے تمہیں درخت کی جڑیں کیوں نہ چبانی پڑ جائیں تا آنکہ تجھے موت آجائے اور تمہاری وہی حالت ہو۔‘‘

۲۔ وفی لفظ لمسلم عن ابی سلام قال: قال حذیفة بن الیمان: قلت یارسول اللّٰہ ‘ انا کنا بشر فجاء اللّٰہ بخیر ‘ فنحن فیه ‘ فهل من وراء هذا الخیر شر ؟ قال: ”نعم“ قلت کیف؟ قال:”یکون بعد ائمة لا یهتدون بهدای ‘ ولا یستنون بسنتی ‘ وسیقوم فیهم رجال ‘ قلوبهم قلوب الشیاطین فی جثمان انس“ ‘ قال‘ قلت: کیف اصنع یا رسول اللّٰہ ان ادرکت ذلك ؟ قال:”تسمع وتطیع للامیر وان ضرب ظهرك ‘ واخذ مالك‘ فاسمع واطع.“ (مسلم)

صحیح مسلم میں ابوسلام سے ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول ہم لوگ شر میں تھے کہ اللہ تعالیٰ یہ خیر اور بھلائی لے آیا جس میں ہم آج ہیں‘ تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر ایسے ائمہ ہوں گے جو میری ہدایت اور راستے پر نہ چلیں گے اور نہ میری سنت کی پیروی کریں گے' ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطان کے اور بدن انسانوں کے ہوں گے۔ میں نے عرض کی: حضور اگر میں ایسا زمانہ پالوں تو کیا کروں؟ فرمایا: امیر کی بات سننا اور اطاعت کرنا ' چاہے وہ کمر پر کوڑے مارتا ہو اور چاہے تمہارا مال چھینتا ہو بس سنتے رہنا اور اطاعت کرتے رہنا''۔

٣۔ وفی لفظ لاحمد و ابی داؤد : کان الناس یسالون رسول اللّٰہ عن الخیر و اسالہ عن الشر ' وعرفت ان الخیر لن یسبقنی ' قلت یا رسول اللّٰـہ ' ابعد ھذا الخیر شر' قال: "یا حذیفۃ ' تعلم کتاب اللّٰہ و اتبع ما فیـہ" -- ثـلاث مـرات -- قـال: قـلـت:یارسول اللّٰہ' ابعد ھذا الشر خیـر؟ قال "ھدنۃ علی دخن' جماعۃ علی اقذاء" قال : قلت یا رسول اللّٰـہ: الھدنۃ علی دخن ما ھی؟ قال "لاترجع قلوب اقوام علی الذی کـانـت عـلیـہ" قال قلت یا رسول اللّٰہ، ابعد ھذا الخیر شر؟ قال:فتنۃ عـمیـاء صـماء، علیھا دعاۃ علی ابواب النار، وانت تموت یا حذیفۃ وانـت عـلی عاض علی جذل خیر ذلک لک من ان تتبع احدا منھم.
(احمد و ابو داؤد)

مسند احمد اور ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں ''لوگ رسول اکرم ﷺ سے خیر اور بھلائی کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں یہ جانتا تھا کہ

خیر کی بات تو مجھ سے چھوٹ نہیں پائے گی، میں نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ آپ نے فرمایا: حذیفہ اللہ کی کتاب کا علم سیکھو اور اس میں جو کچھ ہے اس کا اتباع کرو ......تین بار ایسے ہی فرمایا...... میں نے (پھر) سوال کیا: اللہ کے رسول کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ فرمایا: دخن والی صلح ہوگی اور گدلے پن کے ساتھ (بادل نخواستہ) ایک اتفاق ہوگا، میں نے عرض کی اللہ کے رسول، دخن والی صلح! کیا مطلب؟ فرمایا کہ سب فریقوں کے دلوں میں پہلے جیسی محبت و مودت نہ آسکے گی۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ فرمایا: گھٹاٹوپ فتنہ جس کی طرف جہنم کی دعوت دینے والے لوگ بلاتے ہوں گے، حذیفہ اس وقت تم جڑیں چباتے بھی مر جاؤ تو ان جہنم کے داعیوں کے پیچھے چلنے سے بہتر ہے۔

٤۔ وفی لفظ عن خالد الیشکری......وذکر القصة......قال:وحدث القوم (ای حذیفة)فقال:ان الناس کانوا یسالون رسول اللّٰہ عن الخیر وکنت اساله عن الشر، فانکر ذلك القوم علیه، فقال لهم:انی ساخبرکم بما انکرتم من ذلك جاء الاسلام حین جاء فجاء امر لیس کامر الجاهلیة، وکنت قد اعطیت فی القرآن فهما، فکان رجال یحبون فیسالون عن الخیر، فکنت اساله عن الشر، فقلت: یارسول اللّٰہ، ایکون بعد هذا الخیر شر کما کان قبله شر؟ فقال:نعم،قال:

قلت:فما العصمة يا رسول اللّٰہ؟قال:"السيف"قال:قلت:وهل بعد هذا السيف بقية؟ قال:نعم "امارة على اقذاء وهدنة على دخن" قال: قلت: ثم ماذا؟ قال:ثم تنشاء دعاة الضلالة، فان كان اللّٰہ يومئذ فى الارض خليفة جلد ظهرك واخذ مالك فالزمه، والا فمت وانت عاض على جذل شجرة" قال: قلت:ثم ماذا؟ قال: يخرج الدجال بعد ذلك......الحديث(ابو داؤد و احمد)

خالد یشکری کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا۔ سننے والوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو اچھا نہ سمجھا تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم اسے ناپسند کرتے ہو، جب اسلام آیا تو ایسے آیا کہ جاہلیت سے قطعی مختلف تھا، مجھے قرآن کا کچھ فہم نصیب ہوا تھا لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں دریافت کیا کرتا تھا میں نے عرض کی :اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے شر تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے عرض کی حضور اس سے بچاؤ کی کیا تدبیر ہوگی؟ فرمایا تلوار: میں نے عرض کی کیا اس جنگ کے بعد کچھ بچے گا؟ فرمایا: ہاں !ناپسندیدہ صورت حال میں امارت کا قیام اور سلگتی ہوئی (دخن) صلح، میں نے عرض کی : پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر گمراہی کی دعوت دینے والے اٹھیں گے اس وقت اگر زمین میں اللہ کا کوئی خلیفہ ہو، چاہے وہ تمہیں مارتا یا مال بھی چھینتا ہو تو تم اس سے وابستہ رہنا ورنہ درختوں کی جڑیں چباتے ہوئے زندگی گزار دینا۔ میں نے عرض کی پھر کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر اس کے بعد دجال نکلے گا......

ضروری تعریفات

① سنت:

عربی زبان میں سنت کا مطلب ہے طریقہ، چاہے طریقہ اچھا ہو یا برا دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ سَنَن کے مادہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے طریقہ راستہ!① انہی معنوں میں یہ حدیث آتی ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها بعده، من غير ان ينقص من اجورهم شئ ، و من سن فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ، و وزر من عمل بها من بعده، من غير ان ينقص من اوزارهم شئ ②

جس شخص نے اسلام میں کسی اچھے طریقے کو ترویج دی اسے اس کا بھی ثواب ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا، جب کہ ان لوگوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا راستہ چلایا اسے اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بار بھی اس پر ہوگا جب کہ ان لوگوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: و قوله: لتتبعن من كان قبلكم ، بفتح السين

①: لسان العرب۔ مادہ س ن ن۔ ②: مسلم۔

والنون، رويناه هنا، اى طريقهم ، وسنن الطريق، نهجه، ويقال:سنة--بضمها--وسنة-بفتح السين وضم النون - جمع سنة وهى الطريقة ايضاً (مشارق الانوار ج۲/۲۲۳)

رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان میں: کہ تم اپنے سے پہلوں کی سنتوں پر ضرور چلو گے ،سنتوں سے مراد ان کے راستے ہیں سن الطریق ، نہج کو بولتے ہیں سنن،سنن اور سنن سبھی سنت ہی کی جمع ہیں جس کا مطلب ہے راستہ ''طریقہ''

ابن الاثیر فرماتے ہیں:(وقدتكرر فى الحديث ذكر (السنة) وما تصرف منها والاصل فيها الطريقة والسيرة اهـ (النهاية ۲/۴۰۹)

حدیث میں لفظ''سنت'' سے خاص مراد ہے۔محدثین کے ہاں سنت سے مراد ہے:

واما السنة فى الاصطلاح الشرعى:فهى عندالمحدثين (ما اثر عن النبى ﷺ من قول او فعل او تقرير، او صفته خلقية اور خلقية او سيرة، سواء كان قبل البعثه او بعدها، وهى بهذا ترادف الحديث عند بعضهم (السنة ومكانتها فى التشريع الاسلامى از مصطفى السباعى :۴۷)

جو کچھ نبی اکرم ﷺ چھوڑ گئے ہیں اس میں آپ کے قول ،فعل ،تقریر،فطری صفات،اخلاقی صفات اور سیرت سبھی شامل ہیں چاہے بعثت سے پہلے کی ہوں یا بعد کی ،اور اس لحاظ سے بعض محدثین کے ہاں سنت حدیث کی مترادف قرار پاتی ہے۔

اصول فقہ کی اصطلاح میں سنت سے مراد نبی اکرم ﷺ سے منقول وہ خاص بات ہے جو قرآن مجید کی نص میں شامل نہ ہو بلکہ آپ نے اپنی زبان سے کہی ہو اور قرآن مجید میں مذکور کسی چیز کے بیان کے طور پر فرمائی ہو۔(موافقات شاطبی ٤/٤٧)

جبکہ فقہاء کے نزدیک ''سنت'' سے مراد وہ چیز ہے جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو اور فرض یا واجب کے علاوہ ہو۔(موافقات شاطبی ٤/٤)

پھر جب فرقے بننے لگے، بدعات جنم لینے لگیں اور خواہشات واھواء پیچ در پیچ بڑھنے لگیں تو بدعت کے مقابلے میں سنت کا اطلاق ہونے لگا، مثلاً فلاں شخص اہل سنت میں سے ہے یا وہ متبع سنت ہے۔اسی طرح یہ بات کہ فلاں شخص سنت پر ہے اس وقت بولا جانے لگا جب وہ حضور اکرم ﷺ کے عمل کے مطابق کام کرنے والا ہو۔اس سے بڑھ کر ہر اس عمل یا کام پر سنت کا اطلاق ہونا شروع ہو گیا جس پر کوئی شرعی دلیل ملتی ہو چاہے وہ قرآن پاک سے ملتی ہو یا نبی اکرم ﷺ سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے، مثلاً جمع قرآن، لوگوں کو قرآن مجید کی قرات میں ایک لفظ پر اکٹھے کرنا اور تدوین دواوین۔(السنة للسباعی ص :٤٨)

پھر بیشتر متاخرین علماء اہل الحدیث اور دوسرے علماء کے عرف میں سنت ان اعتقادات پر بولی جانے لگی جو شبہات سے پاک ہوں خاص طور پر اللہ کے ساتھ ایمان اور فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت کے مسائل میں، اسی طرح تقدیر کے مسائل اور فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے عقائد میں بھی سنت کا اطلاق ہونے لگا، اسی علم میں علماء نے کتابیں بھی تصنیف کی ہیں اور انہیں ''کتب سنت'' کا نام دیا ہے۔اس علم (عقائد) کے لئے سنت کا نام اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ یہ بے انتہاء نازک حساس اور خطرناک مسئلہ ہے اور اس میں

مخالفت اور اختلاف کرنے والا تباہی کے دھانے پر پہنچ جاتا ہے۔(ابن رجب)

یعنی سنت کی اصطلاح عقائد وغیرہ کے باب میں اگرچہ متاخرین کے ہاں خاص ہوئی لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مسئلہ بہت ہی پرخطر تھا اور اس میں اختلاف یا مخالفت بہت بھیانک نتائج کی حامل۔ پھر کیونکہ مطلق سنت سے مراد نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہوتا ہے چاہے وہ علم، عمل، خلق، سلوک، ادب یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو، امام ابن رجب رحمہ اللہ کے بقول حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: اہل سنت کے ساتھ حسن ظن رکھو، یہی لوگ غرباء ہیں تو ان ائمہ کی سنت سے مراد نبی اکرم ﷺ کا وہ طریقہ ہے جس پر آپ خود اور آپ کے صحابہ رہے ہوں اور وہ شبہات اور شہوات دونوں سے پاک ہو۔ چنانچہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہلسنّت وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ حلال کھا رہا ہے یا حرام، ان کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حلال خوری سنت کے ان بڑے خصائل میں سے ہے جن پر رسول اکرم ﷺ خود اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہے تھے۔(ابن رجب)

② ''جماعت''

جماعت کا لغوی اشتقاق تو واضح ہے یہ ''اجتماع'' سے ماخوذ ہے جبکہ اجتماع کا الٹ فرقہ یا تفرقہ ہوتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بقول: (مجموع الفتاوی ابن تیمیة رحمہ اللہ ۳/۱۵۷)

''جماعت کا مطلب ہے اجتماع، اس کی ضد فرقہ ہے اگرچہ جماعت کا لفظ، خود مجتمع ہونے والوں پر بھی بولا جاتا ہے''۔ لیکن جب ''جماعت'' کا لفظ ''سنت'' کے ساتھ بولا جائے مثلاً ''اہل السنۃ والجماعۃ'' تو وہاں اس سے مراد ''اس امت کے سلف مراد ہوتے ہیں یعنی صحابہ، اور تابعین جو اللہ کی کتاب اور رسول اکرم کی سنت مطہرہ سے ثابت شدہ حق

صریح پر رہے ہوں‘‘۔(شرح الواسطیة از ہراس ص:١٦)

ابوشامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ’’جہاں جماعت سے وابستگی اور لزوم کا حکم آیا ہے وہاں اس سے مراد حق سے وابستگی اور اس کی اتباع ہے، چاہے حق پر جمے رہنے والے لوگ کم اور اس کے مخالف زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ حق وہ ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم والی جماعت تھی اب ان کے بعد اہل باطل کی کثرت ہو جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے؟(الباعث لابی شامہ ص:٢٢)

ایک بار عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے ’’جماعت‘‘ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کسی نے کہا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما تو فوت ہو چکے ہیں فرمایا ’’تو پھر فلاں اور فلاں‘‘ اس نے کہا وہ بھی فوت ہو چکے ہیں؟ ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہا :(تو پھر) ابوحمزہ سکری رحمہ اللہ جماعت ہیں۔(شرح السنة للبغوی رحمہ اللہ ١/٢٠٥)

چنانچہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے جماعت کی تفسیر اس شخص یا اشخاص سے کی ہے جن میں کتاب وسنت کی مکمل اتباع کی صفات پوری ہوتی ہوں۔ اس لئے ان لوگوں کو بطور مثال پیش کیا ہے جن کی اقتداء کی جا سکے اور اس لحاظ سے اپنے زمانے میں صرف ابوحمزہ سکری رحمہ اللہ کا ہی ذکر کیا ہے جو کہ اہل علم وفضل اور زہد وورع میں یگانہ تھے۔ جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن میں التزام جماعت اور اس سے عدم خروج کو فرض قرار دیا گیا ہے تو علماء کے مابین اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ ان احادیث میں جماعت کے لفظ سے مقصود کیا ہے مگر یہ اختلاف کسی بڑے تضاد یا تعارض پر مبنی نہیں ہے بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ تنوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں:

① بعض علماء کا مسلک ہے کہ یہاں جماعت سے مراد صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں نہ کہ بعد کے لوگ (کیونکہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے دین کے ستونوں کو پیوستہ کیا تھا اور زمین میں اس کی خم ٹھونکی اور یہی وہ لوگ ہیں جو ضلالت یا گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہو سکتے تھے۔(الاعتصام للشاطبی رحمہ اللہ ۲/ ۲۶۲)

یہی قول حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔

اس لحاظ سے ''جماعت'' کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دوسری روایت میں اس قول کا مترادف قرار پاتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: ''ماانا علیہ واصحابی ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں ۔گویا یہ لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ،طریقوں اور اجتہاد سے متعلق ہے اور وہ علی الاطلاق حجت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مذکورہ شہادت دے رکھی ہے خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہوتے ہوئے:فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین...... ''تو تم پر میری سنت اور خلفاء الراشدین کی سنت واجب ہے۔

اس طرح کے الفاظ بہت سی احادیث میں ملتے ہیں۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ مجتہدین ایسے اہل علم اور حاملین فقہ وحدیث ہیں ''کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق پر حجت بنایا ہے اور دین کے معاملے میں لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں''۔(فتح الباری ۱۳/ ۲۷)

یہ قول امام بخاری رحمہ اللہ کا ہے چنانچہ وہ اس پر اس طرح کا باب باندھتے ہیں

باب:وکذلك جعلناکم امة وسطا وما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلزوم الجماعة ، وھم

اهل العلم(فتح الباری ۱۳/۳۱۶)

''اس آیت کے باب میں ''کہ ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے'' اور نبی اکرم ﷺ کا حکم جماعت سے وابستگی کے بارے میں اور جماعت سے مراد ہیں: اہل علم''۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کے نزدیک ''جماعت'' کی تفسیر یہ ہے کہ وہ اہل فقہ اور حاملین علم وحدیث ہیں'' پھر امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ والی روایت ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے جماعت کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

(سنن الترمذی ٤/٤٦٥)

ابن سنان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ :اس سے مراد اہل علم اور اصحاب الآثار (محدثین) ہیں۔(شرف اصحاب الحدیث ص:٢٦-٢٧)

ان اقوال کی بنا پر ''جماعت'' مراد اہلسنّت علماء ومجتہدین ہوں گے اور اس لحاظ سے بدعتی اس میں شامل نہیں ہوں گے ،اس طرح وہ عوام بھی شامل نہیں ہوں گے جو عالم دین اور مجتہدین نہیں ہیں کیونکہ ان کی اقتدا نہیں ہوسکتی بلکہ یہ لوگ عام طور پر علماء کے پیچھے ہی چلتے ہیں۔

③ تیسرا قول:

کہ جماعت سے مراد اہل اسلام کی وہ جماعت ہے جب وہ شریعت کے کسی مسئلہ پر اجماع کرلیں، ''یعنی اہل اجماع جب وہ کسی مسئلے یا حکم پر اجماع کرلیں چاہے وہ کوئی احکام کا مسئلہ ہو یا عقائد کا، یہ قول اس حدیث سے ماخوذ ہے: لاتجتمع امتی علی ضلالة. میری امت ضلالت (گمراہی) پر مجتمع نہیں ہوگی۔(الاعتصام ٢/٢٦٣)

امام بخاری رحمہ اللہ کے قول ’’وھم اھل العلم‘‘ کہ جماعت سے مراد اہل علم ہیں، کی شرح میں امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد بالجماعة اهل الحل والعقد من كل عصر. وقال الكرمانى: مقتضى الامر بلزوم الجماعة انه يلزم المكلف متابعة ما اجمع عليه المجتهدون، وهو المراد بقوله وهم اهل العلم، والاية ترجمة لها (اى البخارى)احتج بها اهل الاصول لكون اجماع حجة لانهم عدلوا بقوله تعالىٰ: جعلناكم امة وسطا اى عدولا۔ ومقتضى ذلك انهم عصموا من الخطا فيما اجمعوا عليه قولا وفعلا. (فتح البارى ۳۱۶/۱۳)

’’جماعت سے مراد ہر دور کے اہل حل وعقد ہیں۔ کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ لزوم جماعت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مکلّف مسلمان مجتہدین کے اجماع کے پیچھے چلے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول ’وھم اھل العلم‘ سے یہی مراد ہے اور جس آیت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے اس سے اہل اصول نے حجیت اجماع پر استدلال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ’جعلناکم امة وسطا‘ یہ امت عدول ٹھہرتی ہے جس کا تقاضا ہے کہ وہ قولی اور فعلی لحاظ سے جس مسئلے پر اجماع کر لیں اس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔

یہ تیسرا قول دوسرے قول سے ملتا جلتا ہی ہے۔

④ **چوتھا قول:**

یہ ہے کہ ''جماعت'' سے مراد سواد اعظم ہیں۔ یہ روایت (وھم سواد الاعظم) کہ وہ سواد اعظم ہوں گے اس قول پر محمول ہوتی ہے' ابن الاثیر رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں: روایت میں ہے کہ ''علیکم بالسواد اعظم'' کہ سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ سواد اعظم سے مراد ہے عام لوگ اور لوگوں کی وہ اکثریت جو خلیفہ کی اطاعت کرے اور صحیح و درست منہج پر مجتمع ہو۔

یہی قول ابو غالب رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے مثلاً ان کا یہ قول کہ ''سواد اعظم فرقوں میں سے نجات پانے والی جماعت یا لوگوں کو کہتے ہیں کہ دین کے جس مسئلے پر وہ چلیں وہی حق ہے اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے جاہلیت کی موت مرتا ہے چاہے وہ شریعت کے کسی مسئلے میں ان کی مخالفت کرے یا ان کے امام (خلیفہ) اور سلطان کے بارے میں مخالفت کرے، وہ حق ہی کی مخالفت کرتا ہے''۔ یہ رائے رکھنے والوں میں ابو مسعود انصاری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔

یہ نقل کرنے کے بعد امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس قول کے لحاظ سے ''جماعت'' میں وہ سب لوگ شامل قرار پاتے ہیں جو مجتہدین امت، علماء اور باعمل اہل شریعت ہیں، دوسرے لوگ بھی انہی کے حکم میں آتے ہیں کیونکہ وہ انہی کے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں اور انہی کی اقتدا کرتے ہی، پس وہ سب لوگ جو ان کی ''جماعت'' سے نکلتے ہیں وہ شذوذ کے مرتکب ہوتے ہیں (من شذ شذ فی النار) اور وہی لوگ شیطان کے ہتھے چڑھتے ہیں، ان لوگوں میں سب اہل بدعت شامل ہیں کیونکہ امت کے جن لوگوں کا ذکر ہوا ہے وہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امت کے سواد اعظم میں کسی

طور شامل نہیں ہیں۔(الاعتصام ۲/ ۳٦۱)

⑤ پانچواں قول

یہ ہے کہ ''جماعت'' سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے اس وقت جب وہ ایک امیر پر اکھٹے ہوں۔ یہ رائے امام طبری رحمہ اللہ کی ہے جو گذشتہ تمام اقوال ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''صحیح یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس جماعت کی پابندی وابستگی رکھی جائے جو اس شخص کی اطاعت کرتی رہے جس کی امارت پر انہوں نے اتفاق کیا ہو۔ پھر جس نے اس کی بیعت توڑی وہ ''جماعت'' سے خارج ہوگا''۔(فتح الباری ۱۳/ ۳۷)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پابندی کا حکم دیا ہے اور امت کے درمیان اس بات میں تفرقہ سے منع فرمایا ہے جس پر پہلے وہ مجتمع ہو چکے ہوں(الاعتصام ۲/ ۲٦٤) اور وہ ''جماعت'' جو اگر برضا ورغبت کسی امیر پر متفق ومجتمع ہو چکی ہو تو جماعت سے مفارقت کرنے والا جاہلیت کی موت مرتا ہے تو یہ وہ جماعت ہے جس کے اوصاف ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے ذکر کیے ہیں، اور یہ جماعت اہل علم اور اہل اسلام وغیرہ ایسے عام اور اکثر لوگوں پر مشتمل ہے اور یہی سواد اعظم ہیں۔(الاعتصام ۲/ ۳٦۵)

غرض اس قول کے تحت خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ''ایسا امام (خلیفہ) جو کتاب اور سنت کے موافق ہو اس امام پر اتفاق اور اجتماع کی بنیاد پر ''جماعت'' کا مفہوم بنتا ہے جبکہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ سنت کے ماسوا کسی چیز پر اجتماع تو مذکورہ احادیث میں مذکور ''جماعت'' کے مفہوم ہی سے خارج ہے۔(الاعتصام ۲/ ۳٦۰)

یہ ہیں اہم اقوال ''جماعت'' کے مفہوم کے بارے میں جس کے لزوم کا احادیث میں حکم وارد ہوا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ جماعت کے مفہوم کے دو پہلو ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ جماعت ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ایک امام (خلیفہ) پر شریعت کے تقاضوں کے مطابق مجتمع ہوتے ہیں، چنانچہ اس ''جماعت'' کا لزوم واجب ہے اور اس سے خروج حرام ہے۔

دوسرا یہ کہ جماعت وہ ہے جس پر اہلسنت، اتباع اور ترک بدعات کی صورت میں چلتے ہیں، بالفاظ دیگر ''جماعت'' مذہب حق کا نام ہے۔ جماعت کی یہ تفسیر کہ اس سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں یا اہل علم یا اہل اجماع ہیں یا یہ کہ سواد اعظم ہیں، یہ سبھی کچھ ایک معنی کی طرف لوٹتا ہے اور وہ یہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اس راستے پر چلنے والے ہوں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ خواہ کم ہوں یا زیادہ، اور امت کے احوال یا زمان و مکان کا کتنا بھی فرق کیوں نہ ہو، اسی لئے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''جماعت'' وہ ہے جو حق کی موافقت پر ہو چاہے تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو① ایک دوسری روایت کے الفاظ میں ان کا قول یوں ہے: ''جماعت'' اللہ کی اطاعت کی موافقت ہی میں ہوتی ہے چاہے تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو②

③ اہل الحدیث

عربی زبان میں لفظ حدیث قدیم کی ضد ہے۔ اصطلاح میں حدیث ہر اس بات کو بولتے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو چاہے وہ کوئی قول یا فعل ہو یا تقریر اور تخلیقی

---

①: الحوادث والبدع لابی شامہ ص ۲۲۳ ابوشامہ کے بقول بیہقی نے یہ قول کتاب مدخل میں ذکر کیا ہے۔

②: لالکائی ۔ شرح السنة ۱/۱۰۸-۱۰۹۔

یا اخلاقی وصف ہو۔(منهج النقدفی علوم الحديث ص:٣٦)

جبکہ علم حدیث دو قسموں پر مشتمل ہے، ایک روایت کے لحاظ سے علم حدیث: یہ وہ علم ہے جو نبی اکرم ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، صفات واوصاف، ان کی روایت، ضبط الفاظ اور تدوین پر مشتمل ہے۔(تدريب الراوى ١/٤٠)

دوسرا، درایت کے لحاظ سے علم حدیث: یہ وہ علم ہے جس میں سند اور متن کے اصول کے بارے میں قوانین کی معرفت حاصل ہوتی ہے(تدريب الراوى ١/٤١) یہ علم مصطلح الحدیث کے نام سے معروف ہے۔

اہل الحدیث کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو حدیث رسول ﷺ سے روایت یا درایت کے لحاظ سے شغف رکھتے ہیں، احادیث نبویہ کو پڑھنے پڑھانے ،ان کی روایت اور علم وعمل دونوں لحاظ سے ان پر عمل کرنے میں محنت صرف کرتے ہیں ،سنت کی پابندی اور بدعت سے اجتناب کرتے ہیں اور ان اہل خواہشات وشہوات سے قطعی امتیاز رکھتے ہیں جو اہل ضلال وگمراہی کے اقوال وآراء کو اقوال رسول اکرم ﷺ پر فوقیت دیتے ہیں اور اپنی فاسد عقل ، بوسیدہ منطق اور متناقض کلام کو کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کی تعلیمات پر مقدم ٹھہرا لیتے ہیں۔

حاملین حدیث، اس لحاظ سے، لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح عقیدہ، سنت کی پابندی اور ''جماعت'' اور فرقہ ناجیہ سے وابستگی کے حامل ہوتے ہیں ۔اسی لئے امام احمد رحمہ اللہ نے ''جماعت'' کے بارے میں فرمایا ہے: اگر وہ اصحاب الحدیث نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ کون ہوں گے۔(شرف اصحاب الحديث ص ٢٥)

اسی طرح شیخ ابواسماعیل صابونی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے ''عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث'' یا ''الرسالة فی اعتقاد اهل السنة واصحاب الحدیث والائمة'' میں اہل حدیث کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کرتے ہیں جو کہ ستاروں کی طرح چمکتے ہیں ......اسی طرح یہ لوگ ائمہ دین اور علماء مسلمین میں سے سلف صالحین کی اقتدا کرتے ہیں، جس دین متین اور حق مبین کو وہ تھام کے رکھتے تھے یہ بھی تھام کر رکھتے ہیں، ان اہل بدعت سے بغض ونفرت رکھتے ہیں جنہوں نے دین میں جو کچھ گھڑا جو دین میں نہ تھا، ان لوگوں سے یہ لوگ نہ کوئی محبت رکھتے ہیں اور نہ کوئی صحبت''

(عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث للصابونی ص ۹۹-۱۰۰)

اہل الحدیث کے بارے میں شیخ اصبہانی لکھتے ہیں:

''ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ان کے آثار کے ذریعے پایا اور جانا ہے جو ان صحیح متصل اسناد سے مروی ہیں جن کو حفاظ علماء نے ایک دوسرے سے نقل کیا ہے۔ہم نے اس فرقے یعنی اصحاب الحدیث کو دیکھا ہے کہ ان کو حدیث کی سب لوگوں سے بڑھ کر طلب ورغبت ہے، سب سے بڑھ کر اس کو جمع کرتے ہیں اور سب سے زیادہ اس کی اتباع کرتے ہیں، چنانچہ ہمیں کتاب وسنت سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہی لوگ دوسرے سب فرقوں کی نسبت اس کے اہل ہیں ۔ہم نے پرانے اور نئے سب اصحاب الحدیث کو، اللہ ان پر رحمت

کرے، دیکھا ہے کہ احادیث وآثار کی تلاش میں یہ سب سے زیادہ سفر کرتے ہیں جن سے آپ ﷺ کی سنتوں کا علم ملتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ احادیث کو کانوں سے لیتے ہیں اور صحیح لوگوں سے لے کر جمع کرتے ہیں حفظ کرتے ہیں ،اس میں قابل رشک ہوتے ہیں ،اس کی اتباع کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے مخالف کو عیب زدہ گردانتے ہیں۔ احادیث انہی کے ہاں اور انہی کے ہاتھوں میں زیادہ رہی ہیں تا آنکہ وہ اسی کے ساتھ نسبت سے مشہور ہوئے ہیں'' (الحجة فی بیان المحجة ورقه ب۔١٦٧ ب مخطوطة)

اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل حدیث اور اہل سنت باہم قریب اصطلاحیں ہیں اور ان دونوں کے مابین وعموم وخصوص اور اطلاق وتقید کا تعلق پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ان دونوں میں کوئی ایک مطلق بولی جائے تو دوسری بھی اس میں داخل ہوتی ہے اور بذات خود فرقہ ناجیہ کے سبھی اصناف وطوائف پر دلالت کرتی ہیں جن میں فقہاء، محدثین، علماء، حکمران امرا، زاہدین، مجاہدین ومقاتلین، علماء اصول، علماء نحو اور علماء لغت وغیرہ وغیرہ ایسی اہل خیر کی تمام انواع شامل ہوتی ہیں۔ یوں اس موقع پر یہ لفظ اہل حق یا اہل قرآن جیسے الفاظ کا مترادف ہوگا، اور جب یہ دونوں لفظ (اہل حدیث اور اہل سنت) اکٹھے مذکور ہوں تو پہلے لفظ (اہل حدیث) کا اطلاق اس فن اور علم حدیث کے متخصص اصحاب فن پر ہوگا اور دوسرے لفظ ''اہل سنت'' کا اطلاق باقی اصناف اہل الخیر پر ہوگا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل حدیث سے ہماری مراد صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو حدیث کے سماع، اس کی کتابت وتصنیف اور روایت کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ اس سے ہماری مراد ہر وہ شخص ہے جو

حدیث کے حفظ، علم و معرفت، ظاہری و باطنی فہم اور ظاہری و باطنی لحاظ ہی سے اس کی اتباع میں دوسروں سے بڑھ کر ہے، یہی صورت حال اہل قرآن کے سلسلے میں بھی ہے۔ ان لوگوں کی کم سے کم خوبی یہ ہے کہ یہ قرآن اور حدیث سے محبت کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی تلاش اور معانی کے فہم کی جستجو رکھتے ہیں اور ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ فقہاء حدیث دوسرے فقہاء سے زیادہ آنحضور ﷺ کی باتوں سے باخبر ہوتے ہیں ان میں سے زاہد لوگ دوسرے زاہدوں سے بڑھ کر اتباع رسول کرتے ہیں، ان کے امراء سیاست نبوی ﷺ میں دوسروں سے اعلیٰ وارفع ہوتے ہیں اور ان کے عام لوگ رسول اکرم ﷺ کی محبت اور وفاداری میں باامتیاز ہوتے ہیں''

(مجموع الفتاوی شیخ الاسلام رحمہ اللہ ٤/ ٩١-٩٥)

④ سلف

لغت میں سلف ان لوگوں کو بولتے ہیں جو کسی سے پہلے گزرے ہوں مثلاً اس کے آباء اجداد اس کے وہ رشتہ دار اور اعزء واقارب جو عمر یا فضیلت میں اس سے بڑے ہوں (لسان العرب ج ٩/ ١٥٩) ۔ چنانچہ سلف متقدمین یعنی پہلوں کو بولتے ہیں، آدمی کے والدین کو اس کے سلف بولا جاتا ہے۔

(تحریر المقالة من شرح الرسالة ص ٢٦ انہوں نے کتاب المفسرون بین التاویل والاثبات)

اصطلاحی لحاظ سے سلف کی تعریفات سب کی سب صحابہ، یا صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم یا صحابہ ، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم میں سے ایسے ائمہ اعلام ہی گرد گھومتی ہیں جن کی امامت، علم

وفضیلت اور اتباع سنت زبان زد خاص و عام ہو۔

قلشانی رحمہ اللہ کے بقول ''سلف صالح'' (اسلام) کی اس پہلی نسل کو بولتے ہیں جو علم میں راسخ تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنت کا حفظ و حفاظت کرتے تھے۔ اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے انہی کا چناؤ کیا تھا، اپنے دین کی اقامت کے لئے انہی کا انتخاب کیا تھا اور پوری امت کی امامت کے لئے انہی کا انتخاب کیا تھا اور پوری امت کی امامت کے لئے انہی کو پسند کیا تھا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور اس کا حق ادا کر دیا، امت کی خیر خواہی اور نصح و نفع میں سب کچھ لگا دیا، اللہ کی رضا مندی و خوشنودی کی خاطر اپنا آپ لٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے......لہٰذا جو کچھ انہوں نے نقل کیا ہے اس میں ان کی اتباع واجب ہے، ان کے کاموں کے سلسلے میں ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی بخشش و مغفرت کی دعا کرنا بھی واجب ہے۔ (تحریر المقالة من شرح الرسالة ص ۲٦ انہوں نے کتاب المفسر ون بین التاویل والاثبات)

ابوالحسن (سلف کے بارے میں) کہتے ہیں: ''ان سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اپنے اقوال و افعال، تفسیر و تاویل اور استنباط و اجتہاد میں'' (تحریر المقالة من شرح الرسالة ص ۲٦ انہوں نے کتاب المفسر ون بین التاویل والاثبات)

عدوی رحمہ اللہ حاشیہ میں کہتے ہیں: ''یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جیسا کہ ابن ناجی نے کہا کہ سلف صالح، وصف لازم ہے جو کہ مطلقاً بولا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہوتا ہے، دیگر حضرات ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔ (الحاشية ص:١٠٦)

''سلف'' کے بارے میں غزالی کہتے ہیں :''مراد ہے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا مذہب'' (الجام العوام عن علم الکلام ص ٦٢)

باجوری کے بقول :''سلف'' سے مراد ہے گزرے ہوئے لوگ مثلاً انبیاء،صحابہ،تابعین اور تبع تابعین خصوصاً ائمہ اربعہ مجتہدین'' (شرح الجوھرہ ص ١١٣)

شیخ محمود خفاجی کہتے ہیں :اس سلسلے میں زمانے کے لحاظ سے یہ تعین ہی کافی نہیں ہے بلکہ جب ہم سلف کا مطلب گزرے ہوئے لوگ کرتے ہیں تو ساتھ ہی موافقت از کتاب وسنت اور روح سنت بھی ضروری ہے لہٰذا جس کی رائے کتاب وسنت کی مخالفت میں ہے وہ سلف نہیں ہوسکتا چاہے صحابہ،تابعین یا تبع تابعین کے ساتھ زندگی گزار چکا ہو'' (العقیدہ الاسلامیہ بین السلفیة والمعتزلة ص ٢١)

شیخ ابن حجر القطری اپنی کتاب ''العقائد السلفیة بادلتها العقلیة والنقلیة ''میں لکھتے ہیں :اس بناء پر مذہب سلف سے مراد ہوگا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے تابعین باحسان الی یوم الدین ، تبع تابعین رحمہم اللہ اور وہ ائمہ دین جن کی اسلام میں امامت اور بلند حیثیت تسلیم کی جاتی ہو اور لوگوں نے ان کی کتابوں کو نسل در نسل لیا ہو جیسے ائمہ اربعہ،سفیان ثوری،لیث ابن سعد،ابن المبارک،نخعی ، بخاری، مسلم اور تمام اصحاب سنن رحمہم اللہ ماسوا جن لوگوں پر بدعت کا الزام ہو یا ناپسند القاب سے مشہور ہوئے ہوں مثلاً خوارج ،رافضی ،مرجیہ،جہمیہ ،معتزلہ،ان لوگوں کے ماسوا مذکورہ لوگ جس راستے یا مذہب پر رہے ہوں۔

ان معروضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''سلف'' ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق پہلے تین مبارک زمانوں (قرون اولیٰ ثلاثہ) میں جو ائمہ گزرے ہیں ان پر ہوتا ہے ،یعنی صحابہ

رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانے، جیسا کہ حدیث میں ذکر آتا ہے:

خير القرون قرني ، ثم الذين يلونهم ، ثم الذين يلونهم، ثم يجئ اقوام تسبق شهادة احدهم يمينه و يمينه شهادته(بخاری)

زمانوں میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر اس کے بعد والا زمانہ اور پھر اس کے بعد والا زمانہ اس کے بعد تو ایسے لوگ آئیں گے جن کی شہادت (گواہی) ان کی قسم سے آگے ہوگی اور ان کی قسم ان کی گواہی سے آگے۔

چنانچہ ان ائمہ کے عقائد، فقہ اور اصول پر چلنے والا ہر شخص ان سے منسوب ہوگا چاہے اس کے اور ان کے مابین زمان و مکان کی جتنی مسافتیں حائل ہوں، اسی طرح ہر وہ شخص جو ان کی مخالفت کرتا ہے وہ ان میں سے نہیں ہوگا چاہے وہ انہی کے مابین رہا ہو اور زمان و مکان کے لحاظ سے ان کے مابین کوئی بعد نہ ہو۔

طائفہ منصورہ

طائفہ منصورہ جس کا احادیث میں ذکر آتا ہے وہ اہلسنّت میں سے جہاد کرنے والے لوگ ہیں اللہ عزوجل نے فتح و نصرت کے جو مادی اور معنوی اسباب پیدا کئے ہیں وہ ان لوگوں میں مجتمع ہوتے ہیں ان اسباب میں صحیح علم، اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ قوانین فطرت پر چلتے ہوئے صحیح اور درست کوششیں، اور وہ اسباب جن کو اللہ تعالیٰ نے اسباب و علل کی دنیا میں نتائج مقصودہ کی خاطر پیدا کیا ہے ان کا درست استعمال سب شامل ہیں ورنہ فتح و نصرت کے طبیعی اسباب اور مادی مقدمات اور ہتھیار کی سبیل اختیار کئے بغیر، اور اللہ کے پیدا کئے ہوئے ان فطری قوانین کی پابندی کئے بغیر جو اٹل ہیں اور کسی کے مقابلے میں کسی سے

رعایت نہیں برتتے صرف اکیلا ایمان اور عقائد اہلسنّت کا التزام فتح ونصرت کی ضمانت نہیں فراہم کرتا اور نہ ہی برتری، ظہور علی الدین کلہ اور تمکین وزمین کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں سے کر رکھا ہے اس کے لئے بجائے خود کافی ہے اس بنا پر طائفہ منصورہ، اہلسنّت والجماعت میں سے ایک مجموعہ ہے۔ یہ گروہ سلف اور ائمہ سے ثابت صحیح فہم اور منہج کی پابندی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جنگی تیاری اور اس کے صحیح اسباب اختیار کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی مدد ونصرت کرتا ہے اور اس کے مخالفین اور نیچا دکھانے والے ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

اس طائفہ منصورہ کی صورت حال بھی اللہ کی باقی مخلوق ہی کی طرح ہے سوائے یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہی بچائے۔ چنانچہ اس میں خیر اور شر، عدل اور بغی، اور اطاعت اور معصیت دونوں موجود ہو سکتے ہیں، لیکن یہ مجموعی اور عمومی طور پر دوسروں سے زیادہ ارجح اور ارفع اور دوسروں کی نسبت اللہ کی نصرت کے زیادہ حقدار ہوتے ہیں، اور اس دین کی ذمہ داری کا بار اٹھانے کے زیادہ متحمل اور دوسروں سے بڑھ کر اس امانت کو ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کندھوں پر ڈال رکھی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھی طائفہ شامیہ (شامی گروہ) کے راجح ہونے کی حجیت اس حدیث سے پکڑتے تھے جو صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہوئی کہ وہ فرماتے ہیں:

لاتزال طائفة من امتی قائمة بامرالله لایضرهم من خالفهم ولا من

خلفهم حتى تقوم الساعة فقام مالك بن يخامر يذكر انه سمع معاذا يقول:وهم بالشام ۔ فقال معاوية : وهذا مالك بن يخامر يذكر انه سمع معاذا يقول:وهم بالشام.

میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین کو قائم رکھے گی ان کی مخالفت اور تذلیل کرنے والے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے تا آنکہ قیامت آجائے۔یہ سنتے ہی مالک بن یخامر رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور بتانے لگے کہ میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ لوگ شام میں ہوں گے ، معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یہ مالک بن یخامر ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ شام میں ہوں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ والی یہ حدیث صحیحین میں بھی اسی طرح مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان ہوئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:لاتزال طائفة من امتی ظاهرة علی الحق حتی یاتی امرالله وهم علی ذلك. کہ ''میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا یہاں تک کہ اس کا حکم آجائے اور وہ اسی طرح ہوں گے'' یہ لوگ ان روایات سے اہل شام کے راجح ہونے پر دو پہلوؤں کی بناء پر استدلال کرتے ہیں۔

پہلا: یہ کہ واقعاتی لحاظ سے وہی (اہل شام) غالب رہے انہی کو فتح نصیب ہوئی اور فتنہ وقتال کے بعد حکومت بھی انہی کو ملی ، جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا ''لا یضرهم من خالفهم '' کہ ان کے مخالف ان کو نیچا نہ دکھا سکیں گے، اس بات کا تقاضا ہے کہ اس امت میں سے حق کو قائم کرنے والا گروہ ہی غالب اور فتح مند ہوگا۔اب جب ان کو فتح نصیب

ہوئی تو یہی اہل حق ہیں۔

دوسرا: یہ کہ نصوص بھی اہل شام کی نشان دہی کرتی ہیں، مثلاً حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا قول اسی طرح صحیح مسلم کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہل غرب ہمیشہ غالب رہیں گے''۔امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل غرب سے مراد اہل شام ہیں اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مقیم تھے لہٰذا ان کے مغرب کی سمت غرب اور مشرق کی سمت شرق ٹھہرتی ہے اہل نجد اور اس سے مشرق کی سمت کے لوگ اہل مشرق کہلاتے تھے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا بھی ہے: قدم رجلان من اهل المشرق فخطبا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان من البیان لسحرا. کہ اہل مشرق کے دو آدمی مدینہ آئے اور خطاب کیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض کلام تو جادو ہوتا ہے۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بہت سی احادیث مشہور ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ شر کا منبع مشرق ہے مثلاً آپ کا فرمان ہے ''الفتنة من هاهنا، الفتنة من هاهنا، ویشیر الی المشرق '' کہ فتنہ ادھر سے آئے گا، فتنہ ادھر سے ہوگا، اور آپ مشرق کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔اسی طرح آپ کا فرمان''راس الکفر نحو المشرق '' کہ کفر کی جڑ مشرق کی طرف ہے ۔اسی طرح کی دیگر بہت سی روایات ہیں ۔چنانچہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق پر قائم رہنے والا طائفہ منصورہ آپ کی امت میں مغرب میں ہوگا اور وہ شام یا اس سے مغرب کا علاقہ ہے جبکہ فتنہ اور کفر کی جڑ مشرق میں ہوگی ۔اہل مدینہ اہل شام کو اہل غرب کہا کرتے تھے، امام اوزاعی رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ امام اہل مغرب ہیں اسی طرح سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے، میں کہتے تھے کہ وہ مشرق میں اہل مشرق کے

امام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شام کی حدود جہاں فرات پر ختم ہوتی ہے وہ جگہ مدینہ کو بالکل سیدھی پڑتی ہے۔اس کے بعد حران اور رقہ وغیرہ مکہ کی سیدھ میں پڑتے ہیں۔اسی وجہ سے ان کو قبلہ سب سے سیدھا پڑتا ہے ان کا رخ رکن شامی کی سمت ہوتا ہے تو پشت قطب شمالی کی جانب ایسے ہوتی ہے کہ نہ تو اہل عراق کی طرح دائیں طرف مڑنا ہوتا ہے اور نہ اہل شام کی طرح بائیں طرف۔چنانچہ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہ نصوص اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کی امت میں حق پر قائم رہنے والا وہ گروہ (طائفہ) جس کو کسی کی مخالفت اور کسی نیچا دکھانے والے کی کوشش کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی شام میں ہوگا اس لئے اس کا تعارض آپ ﷺ کے اس قول سے ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں ''تقتل عمار فئة باغية'' کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔اسی طرح آپ ﷺ کے اس قول سے بھی متعارض ہے جس میں آپ ﷺ نے بعض لوگوں کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی (تقتلهم اولى الطائفين بالحق) کہ ان دو گروہوں میں سے وہ قتل کرے گا جو حق سے قریب تر ہوگا۔یہ اقوال ان لوگوں کے ہاں دلیل ہیں جو سب ہی (مذکورہ) گروہوں کو ایک سا اور سبھی کو برحق سمجھتے ہیں یا کم از کم کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے احتراز کرتے ہیں جو کہ اقرب ہے،اہل شام وغیرہ کے حق میں جو روایات آئی ہیں ان میں سے بعض لوگ دوسرے گروہ کے خلاف بھی استدلال کرتے ہیں لیکن یہ قول درست نہیں ہے بلکہ ناصبی لوگوں کا قول ہے اور شیعہ وروافض کے اقوال کے برعکس ہے،جبکہ یہ سب اہل اھواء ہیں ہماری گفتگو صرف اہل علم اور اہل عدل سے ہے

لازمی بات ہے کہ یہ نصوص جو بظاہر متعارض ہیں ان میں جمع وتطبیق ضروری ہے۔اس

سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک تو آپ ﷺ کے اس قول کا تعلق ہے لا یـزال اهـل الغرب ظاهرین کہ اہل مغرب ہمیشہ غالب رہیں گے۔ یہ اور اسی طرح کی دوسری روایات جو اہل شام کے غلبہ اور فتح کے بارے میں آئی ہیں...... یہ تو واقعاتی اور تاریخی لحاظ سے ایسا ہی پیش آیا ہے چنانچہ وہی لوگ غالب رہے، تاہم جہاں تک نبی اکرم ﷺ کے اس قول کا تعلق ہے''لاتـزال طـائفة من امتی قائمة بامرالله '' کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے دین کو قائم کئے رہے گا۔ اور یہ کہ وہ غالب ہوگا تو اس کا یہ قطعی مطلب نہیں ہے کہ ان میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہوگا جس میں بغاوت پائی جاتی ہو (یعنی باغی ہو) اور نہ ہی یہ قطعی تقاضا ہے کہ کوئی دوسرے لوگ ان کی بہ نسبت حق سے قریب تر نہ ہوں، بلکہ ان میں تو ایسے بھی پائے جاسکتے ہیں اور ویسے بھی۔ اور جہاں تک آپ کے اس قول کا تعلق ہے 'تـقـتـلـهـم اولـی الطائفین بالحق ' کہ ان لوگوں کو دو گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق سے قریب تر ہوگا۔ یہ تو اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی حق سے قریب تر تھے کیونکہ وہ دوسرے ''طائفہ'' گروہ سے تھے، اب اگر ایک شخص یا ایک ''طائفہ''، بعض حالت میں راجح نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا اس کی نسبت قریب تر از حق ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ کے دین کو قائم کیے ہوئے نہ ہو اور نہ ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے دین اور اس کی اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ غالب نہ ہو۔ بعض اوقات ایک فعل اطاعت میں شمار ہوتا ہے مگر کوئی دوسرا فعل اس سے زیادہ بڑھ کر اطاعت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ بعض مواقع پر باغی ہیں ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ انکی بغاوت قابل مغفرت غلطی یا گناہ سے زیادہ نہیں ہے تو یہ بات بھی مذکورہ بالا نصوص سے ثابت شدہ امور اور مجموعی طور پر

پیشینگوئی فرمائی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان کو مجموعی طور پر اور عمومی حالات میں ترجیح حاصل رہی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی اپنی خلافت کے پورے عہد میں اہل شام کو اہل عراق پر ترجیح دیا کرتے تھے حتی کہ وہ کئی مرتبہ شام کے دورے پر گئے مگر عراق کے دورے پر نہ گئے ،مشورہ کیا تو بھی یہی ٹھہرا کہ وہ وہاں جانے کو رہنے دیں۔ اسی طرح وفات کے وقت بھی جب ان کو خنجر لگا تو سب سے پہلے ان کے پاس ملاقات اور تیمارداری کے لئے اہل مدینہ کو لایا گیا اس لئے کہ وہ امت میں سب سے بہتر تھے، پھر اہل شام کو لایا گیا پھر سب سے آخر میں اہل عراق کو لایا گیا۔ صحیح روایت سے یہی کچھ ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی عراق کی نسبت شام کی فتح کے لئے زیادہ فکر مند تھے حتی کہ ان کا کہنا تھا کہ شام کی ایک چھوٹی بستی مجھے عراق کا ایک پورا شہر فتح کرنے سے زیادہ عزیز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسی بے شمار نصوص صحیحہ ثابت ہیں جن میں مشرق کی مذمت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ فتنہ اور کفر کی جڑ مشرق میں ہے تاہم ان کا یہاں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مشرق کی اہل مغرب پر فضلیت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تھی مگر یہ عارضی تھی اسی لئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے رخصت ہوئے تو ان میں بے شمار فتنوں ،نفاق ،ارتداد اور بدعات نے سر اٹھایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مغرب ہی راجح تھے۔ اسی طرح اس بارے میں بھی کوئی شک نہیں کہ اہل مشرق میں ایسے ایسے علماء اور صالحین حضرات ہو گزرے ہیں جو اہل شام کے بے شمار لوگوں سے افضل تھے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور اس

قسم کے دوسرے اکابر شام میں جانے والے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل تھے، لیکن کسی طائفے کا مجموعی طور پر تقابل اور راجح ہونا اس امر میں مانع نہیں ہے کہ دوسرا طائفہ میں کوئی ایک یا کچھ امور راجح نہ ہوں۔

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شام کا یہ امتیاز بیان فرمایا کہ وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ، آخر زمانے تک اللہ کے دین پر قائم رہیں گے اور یہ کہ طائفہ منصورہ آخر زمانے تک ان میں ہوگا چنانچہ یہ ان کے بارے میں کثرت اور قوت کے ساتھ ساتھ ایک مستقل ودائمی امر کی پیشینگوئی ہے اور یہ سرزمین اسلام میں شام کے علاوہ کسی کا وصف نہیں چنانچہ حجاز میں (جو کہ ایمان کا منبع ہے) آخر زمانے میں علم وایمان اور نصرت وجہاد میں کمی ہوئی ہے اور یہی حال یمن، عراق اور مشرق کا ہے مگر شام میں علم اور ایمان بدستور موجود رہا بلکہ وہ لوگ بھی جو حق پر رہ کر لڑتے رہے ہیں اور ان کو ہمیشہ نصرت وتائید حاصل رہی ہے چنانچہ واللہ اعلم اس کی یہی توجیہ ہے۔ ان باتوں سے طائفہ، شامیہ کے بعض پہلوؤں کے لحاظ سے راجح ہونے کا ثبوت ملتا ہے، جبکہ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اپنے سے مفارقت کرنے والوں کی نسبت اولی اور قریب تر از حق تھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ ہی نے قتل کیا ہے جیسا کہ نصوص میں آیا ہے۔ لہٰذا ہمارا فرض یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے ہاں سے نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھیں اور حق کی ہر بات کا اقرار کریں ہماری اپنی کوئی ہویٰ یا خواہش نہ ہو اور ''علم'' کے بغیر بات نہ کریں بلکہ علم اور عدل کے راستوں کی پیروی کریں کہ یہی کتاب وسنت کی اتباع ہے۔ اور کچھ لوگ کہ حق کے کسی حصے کو مان لیتے ہیں اور کسی حصے کو چھوڑ دیتے ہیں تو یہیں سے تفرقہ واختلاف جنم لیتا ہے۔ (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۴/ ۴۴۵-۴۵۰)

شیخ الاسلام اپنی مذکورہ بالا گفتگو پر زور دیتے ہوئے اپنے عہد کے بارے میں بھی وہی بات کہتے ہیں فرماتے ہیں:

''شام مصر وغیرہ کا طائفہ جو ہے تو یہی لوگ اس وقت دین اسلام کی طرف سے لڑ رہے ہیں اور سب لوگوں سے بڑھ کر اس طائفہ منصورہ میں شامل ہونے کے حقدار ہیں جن کی نبی اکرم ﷺ نے پیشینگوئی فرمائی ہے......جبکہ طائفہ منصورہ کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے''انھم باکناف البیت المقدس'' کہ وہ لوگ بیت المقدس کے اطراف واکناف میں ہوں گے۔اور آج یہی طائفہ ہے جو بیت المقدس کے اطراف واکناف میں ہے۔(مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۲۸/۵۳۱-۵۳۲-۵۵۲)

امر شرعی اور تکوینی میں تمیز لازم ہے:

یہاں ہم ایک ضروری امر کی جانب توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں، بسا اوقات بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ خلط مبحث ہوجاتا ہے۔چنانچہ امر تکوینی اور امر شرعی کے درمیان تمیز اور فرق کرنا ضروری ہے یعنی ارادہ تکوینیہ اور ارادہ شرعیہ میں تمیز، بالالفاظ دیگر ان ہر دو باتوں میں امتیاز کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ وہ ہم سے کیا کرانا چاہتا ہے۔مسلمان سے اول وآخر یہ بات مطلوب ہے کہ وہ شرعی امور کی اتباع کرے اور جو اس سے طلب کیا گیا ہے اس کی پابندی کرے اور اپنی وسعت وطاقت کے بقدر اسی پر عمل کرے چاہے وہ کسی زمانے یا کسی علاقے یا دینی کام کے کسی بھی میدان میں برسرپیکار ہو،صرف اور صرف اسی بات کا اس سے اللہ تعالیٰ حساب لے گا۔

مگر اس کے علاوہ امور تکوینیہ جو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت مطلقہ اور حکمت بالغہ کے تحت

ظہور میں لانا چاہتا ہے تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کب اور کہاں وہ نصرت بھیجے گا یا تمکین فی الارض سے اپنے مستحق بندوں کو سرفراز کرے گا۔ چنانچہ یہ امور تکوینیہ جب صحیح نصوص شرعیہ سے ثابت ہو جائیں تو بندے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ ان کے ساتھ ایمان رکھے، بلا چون و چراں تسلیم کرے اور ان سے اسباب و مقدمات کی سعی کرے نہ کہ اس بنیاد پر وہ اپنے اس فریضے کی ادائیگی سے بیٹھ رہے جس کا اس کے رب نے اسے مکلّف بنایا ہے اور جس کا وہ اس سے حساب بھی لے گا۔ اور یہ وہ ذمہ داری اور فرائض ہیں جو صرف اور صرف شرعی امور واحکامات کے تحت متعین ہوتے ہیں، کہ شرعی امور اور احکامات ہی اس کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں۔

فصل سوم

’’اہلسنّت‘‘ کے نام کی تاریخ

اہلسنّت کا نام کیسے پڑا؟

زیر بحث موضوع یہ ہے کہ اہلسنّت کا نام کیسے وجود میں آیا؟ نہ کہ اہلسنّت کیسے وجود میں آئے ، کیونکہ اہلسنّت کا مذہب تو وہی ہے جس پر رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تھے ۔اہلسنّت کوئی ایسے تو تھے نہیں کہ ایک بدعت ایجاد کر کے اس کو کسی فرد یا گروہ کی طرف منسوب کر دیں کہ ہم یہ کہیں کہ فلاں اور فلاں سال میں ان کا وجود ظہور پذیر ہوا ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

’’مذہب اہلسنّت والجماعت قدیم مذہب ہے، جو کہ اس وقت بھی معروف تھا جب ابھی اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ، مالک ،شافعی اور احمد رحمہم اللہ وغیرہ کو پیدا نہیں کیا تھا کیونکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب تھا جنہوں نے اسے نبی اکرم ﷺ سے لیا تھا۔جو اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے اہلسنّت والجماعت کے ہاں وہ بدعتی ہے کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے جبکہ صحابہ کے بعد لوگوں کے اجماع پر ان میں اختلاف ہے‘‘۔اس کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وضاحت کرتے ہیں کہ مذہب اہلسنّت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف کیوں منسوب ہے فرماتے ہیں:

’’اگر چہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ اہلسنّت کے امام کے طور پر اور ایذاء ومشقت کو برداشت

کرنے کے ناطے مشہور ہوئے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کوئی منفرد، یا نیا مذہب نکال کر لائے تھے بلکہ وہ مذہب اہلسنّت جو پہلے سے موجود اور معروف تھا وہ اس کے عالم تھے اور اسی کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے تھے جو ان کو اس (سنت) سے مفارقت پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ان سے پہلے کے ائمہ اس فتنے سے پہلے ہی اس دارفانی سے رخصت ہو چکے تھے پھر جب تیسری صدی کے شروع میں جہمیہ کا فتنہ اٹھا جو صفات الٰہیہ کی نفی کرنے والے تھے...... یہ فتنہ مامون، اس کے بھائی معتصم اور اس کے بعد واثق کے دور میں چلتا رہا یہ لوگ مسلمانوں کو جہمیت اور صفات الٰہیہ کے ابطال کی دعوت دیتے تھے یہ وہ مذہب ہے جو متاخرین روافض نے اختیار کیا ہے۔ان لوگوں نے حکمرانوں کی بھی ایک تعداد کو اپنا ہمنوا بنالیا تھا......اہل سنت نے یہ بات تسلیم نہ کی ان میں سے بعض کو قتل تک کی دھمکیاں ملیں، قید وبند، مشقت اور دھونس دھاندلی کا چلن عام کر دیا گیا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس بات پر ڈٹ گئے نیتجتاً ایک عرصہ دراز ان لوگوں نے ان کو قید رکھا پھر اپنے علماء سے ان کے ساتھ مناظرے کرائے اور دیکھتے ہی دیکھتے سب لاجواب ہوکر رہ گئے (ان کی مشقت وآزمائش کی تفصیل بہت دراز ہے)......پھر ان باتوں سے اسماء وصفات اور اس کے متعلق نصوص اور دلائل وشبہات کے بارے میں دونوں جانب سے بحث وتمحیص کا سلسلہ چل نکلا، لوگوں نے ان موضوعات پر تصنیفات تالیف کیں، امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر علماء سنت وحدیث، روافض، خوارج، قدریہ، جہمیہ اور مرجیہ کے مذاہب کے بطلان وفساد کی نشان دہی کرتے رہے، مگر آزمائش کے گلے لگانے کے باعث امام احمد رحمہ اللہ زبان زد عام ہوئے اللہ نے اس امام کو ایسی سرفرازی سے نوازا کہ سنت کے احیاء

ونشر، اس کا ساتھ دینے اور اس کی نصوص وآثار میں تجر علمی حاصل کرنے کی بدولت اور اس کے اسرار ورموز کے بیان کی توضیح کی بنا پر یکے از ائمہ سنت اور سر برآوردہ شخصیت قرار پائے ۔ورنہ ایسی کوئی بات نہیں کہ انہوں نے دین میں کوئی نئی بات یا رائے ایجاد کی تھی ،جیسا کہ بعض مشائخ مغرب نے کہا ہے کہ مذہب امام مالک اور امام شافعی کا ہے مگر شہرت امام احمد رحمہ اللہ کی نسبت سے ہوئی یعنی ''اصول'' میں ائمہ کا ایک ہی مذہب ہے جس کی ترجمانی امام احمد کی قسمت میں آئی ۔(منهاج السنة ٢/٤٨٢-٤٨٦)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت اسی مذہب کا تسلسل ہے جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے چنانچہ جب کبھی بھی بدعات کا دور دورہ ہو یا مذہب سنت گوشہ غربت یا اجنبیت میں پڑ جائے اور ایسے دور میں کوئی امام عقیدہ صحیحہ کے اعتقاد اور بدعت کی مخالفت کی دعوت لے کے کھڑا ہو تو وہ کوئی نئی چیز لے کر نہیں آتا بلکہ مذہب اہلسنّت کے مٹے گوشوں کی تجدید اور فوت شدہ امور کا احیاء کرتا ہے ،وگرنہ عقیدہ تو ایک ہی ہے اور منہج عقیدہ بھی وہی ہوتا ہے۔پس کسی زمانے میں یا کسی علاقے میں مذہب اہلسنّت کی نسبت کسی ایک عالم یا مجدد کی طرف ہو جائے تو وہ صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس نے اس کی طرف دعوت دی ہوتی ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ اس نے اس کی ایجاد یا اختراع کی ہو۔

اس بنا پر اہلسنّت کا وجود تو نیا نہیں ہے تاہم جہاں تک اہلسنّت والجماعت یا اہل حدیث کے نام سے پکارے جانے کا تعلق ہے تو اس کی ابتداء ضرور ہوئی ہے کیونکہ جب تفرقہ وافتراق شروع ہوا،فرقے عام ہوئے اور بدعات وانحرافات کے انبار لگنے لگے تو لازمی طور

پر اہلسنّت کو دوسروں سے اعتقاد و منہج میں ممیّز ہونا تھا اگرچہ درحقیقت وہ اسی مذہب کا تسلسل تھے جس پر رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم چلے تھے۔

فتنوں کی ابتداء:

فتنے کیسے شروع ہوئے اور فرقے کیسے جنم لیتے ہیں، یہ تاریخ تو بہت طویل ہے تاہم یہاں پر ہم اس کی بعض جھلکیوں کی اشارۃً نشان دہی کئے دیتے ہیں تاکہ اس نتیجے تک پہنچ سکیں کہ اہلسنّت والجماعت دوسرے لوگوں سے کیونکر متمیز ہوئے۔

① یہ تو زبان زد عام ہی ہے کہ دین میں پہلی بدعت خوارج اور روافض کی بدعت تھی جو فتنہ عبداللہ بن سبا اور شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے فوراً بعد ظہور پذیر ہوئی۔ ایک طرف خوارج تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر اور ان کے خلاف خروج کرنے لگے، جبکہ دوسری انتہاء پر روافض تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور عصمت بلکہ نبوت اور الوہیت تک کا دعوی کرنے لگے۔ اس کے بعد تو بدعات یکے بعد دیگر جنم لینے لگیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخر دور میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک کی امارت کے عہد میں مرجیہ اور قدریہ کی بدعت نے سر اٹھایا، پھر تابعین کے ابتدائی دور میں اموی خلافت کے آخر عہد میں جہمیہ اور تشبیہ اور تمثیل کی بدعت منتشر ہوئی جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں اس قسم کی کوئی چیز وجود نہ رکھتی تھی

② جب فتنے شروع ہوئے تو مسلمان احادیث کی اسناد، نقد اور رجال کی چھان پھٹک کی جانب متوجہ ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ سلف رسول اکرم ﷺ کی بابت دروغ گوئی کا اندیشہ لاحق ہوا...... خاص طور پر اھواء وخواہشات کا تفرقہ پڑا اور بدعات نے جنم لینا شروع کر دیا...... چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ صحیح مسلم کے مقدمے میں ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت

کرتے ہیں (کہ لوگ اسناد کے بارے میں باز پرس نہیں کیا کرتے تھے جب فتنے وقوع پذیر ہوئے تو پوچھا جانا شروع ہوا کہ اس روایت کے راوی کون کون ہیں؟ اور یہ دیکھا جاتا کہ اگر راوی اہلسنّت ہوتے تو روایت قبول کر لی جاتی اور اگر اہل بدعت ہوتے تو تو روایت قبول نہ کی جاتی تھی۔

ابن سیرین رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: حدیث دین ہے اس لئے دیکھ لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔(مقدمه صحيح مسلم ص ١٥ ، كفاية ص ١٦٢، ١٦٣ طبع هنديه)

حدیث کی روایت کے پہلو کا اہتمام ظہور کے فتن سے شروع ہوتا ہے جب علماء سنت نے یہ امتیاز شروع کیا کہ کس کی روایت قبول ہوتی ہے اور کس کی قبول نہیں ہوتی، لہٰذا جو اہل اتباع اور اہلسنّت شمار ہوتا تھا اس کی روایت قابل قبول قرار پاتی اور جس کا شمار اہل بدعت میں ہوتا تھا اس کی روایت قابل رد ہوتی تھی سوائے یہ کہ خاص دقیق شروط کو پورا کرتی ہو۲۔

اہل بدعت میں سے عام دیکھنے میں آیا ہے کہ روافض کے ہاں جھوٹ عام تھا۔ اس لئے ان کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں (کہ میں نے اہل اھواء و بدعات میں روافض سے بڑھ کر جھوٹا دروغ گو کوئی نہیں دیکھا)

پھر جب مختار کا فتنہ وقوع پذیر ہوا جو کہ شیعیت کا میلان رکھتا تھا تو اس کے زمانے میں جھوٹ بے انتہاء عام ہو گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے احادیث گھڑی جانے لگیں چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جابر بن نوح کے حوالہ سے اعمش کے حوالہ سے ابراہیم (جو غالباً حربی ہیں) سے روایت کی ہے (کہ حدیث کی سند کے بارے میں مختار ہی کے زمانے سے دریافت کیا جانے لگا) اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب

کر کے بے انتہاء جھوٹ بولا جانے لگا جیسا کہ شریک رحمہ اللہ نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ میں نے خزیمہ سے سنا جبکہ مختار کا دور تھا اور دروغ گوئی بہت عام تھی وہ خود شیعان علی میں سے تھے...... کہ انہوں نے کہا ''اللہ غارت کرے کیسے لوگ ہیں کس جماعت کو برا بھلا کہتے ہیں اور کس قدر حدیث میں دروغ گو ہیں۔'' (شرح علل الترمذی ۱/ ۵۲)

اب جب اسناد اور رجال کے بارے میں چھان پھٹک شروع ہوئی اور قابل قبول اور نا قابل قبول راویوں میں تمیز شروع ہوئی تو اہل الحدیث دوسرے اہل اھواء وشہوات سے متمیز ہونا شروع ہو گئے تا آنکہ ''اہل الحدیث'' کی اصطلاح مشہور ہوئی جس کا مطلب تھا علم حدیث کا اہتمام کرنے والے اہلسنّت جس کی روایت قابل قبول ہے اس وجہ سے کہ یہ بدعت کے مرتکب نہیں اور نہ ہی اہل شہوات کے اقوال کے خوشہ چین ہیں۔

③ تاہم خوارکا مسئلہ روافض کے بالکل برعکس تھا ...... اگرچہ یہ دونوں فتنے بدعات وفتن کی تاریخ میں سب سے پہلے شمار ہوتے ہیں ...... لیکن خوارج کی بابت مشہور ہے کہ وہ سچ بولا کرتے تھے①۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ ان کے داعیوں تک سے روایت کرتے ہیں ۔خوارج کی بدعت اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی جماعت سے خروج کرلیا تھا ، اپنے علاوہ سب کو کافر گردانتے تھے ، اپنی صفوف سے الگ تھلگ رکھتے تھے اور ان سے جنگ وقتال کرتے تھے ۔ان کی بدعت اورانحراف کی شدید ترین زد مسلمانوں پر پڑتی تھی ۔اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور سبھی

---

①: سبھی خوارج نہیں ، چنانچہ خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے جس کی سند میں ابن لہیعہ ہے کہ میں نے خوارج کے ایک شیخ کو کہتے سنا کہ یہ احادیث دین ہیں اس لیے دیکھ لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو کیونکہ جب ہمیں کوئی بات بھلی لگے تو ہم اسے حدیث بنا دیتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے قتال کرنے پر اجماع کیا۔

جب خوارج کا فرقہ نکلا اور پھر بے شمار فتنے نکلنے لگے تو مسلمانوں نے ''جماعت'' کی حفاظت اور تفرقے سے اجتناب کے لئے سر توڑ کوششیں کیں اسی لئے جب سن ۴۱ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے تو اس سال کو مسلمانوں نے ''عام الجماعۃ'' جماعت کا سال قرار دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے حدیث کی حفاظت اور قابل اور ناقابل قبول راویوں میں امتیاز کے لئے کس قدر جان کھپائی، اہل سنت اور اہل حدیث کے طور پر ان کی شہرت ہوئی۔

اسی طرح مسلمانوں نے ''جماعت'' کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے بے انتہاء جدوجہد کی۔ آخر وہ لوگ جو سنت کا اہتمام واتباع کرتے اور بدعات سے اجتناب کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بدعت یا کسی اور طریقے سے خروج نہ کرتے ''اہل سنت والجماعت'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

پھر اہلسنّت عقیدہ (اہلسنّت) کے بارے میں کتابیں تصنیف کرنے لگے جن کو کتب سنت یا کتب اہلسنّت کا نام دیتے، ان میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ایسے سلف کے اقوال نقل کرتے اور ان عقائد کی کتابوں میں وجوب اتباع، تحریم بدعات اور ایمان، اسماء وصفات قدر اور دیگر مسائل میں سلف کے عقائد کی پیروی پر خاص زور دیتے۔ اسی طریقے سے ''جماعت'' کے لزوم اتباع اور مسلمانوں کے امام (خلیفہ) کے خلاف چاہے وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، عدم خروج پر بھی خاص زور دیتے تھے اور یہ سب پہلو جو ابھی

ذکر ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک پہلو سے کوئی نہ کوئی فرقہ افراط وتفریط کی راہ چل کر گمراہ ہوتا رہا ہے، جبکہ اہل سنت ان سب باقی فرقوں کی نسبت وسط میں رہے جیسا کہ مسلمان تمام ادیان ملل کی نسبت وسط میں ہیں۔

❀❀❀❀❀

اہلسنّت کے امتیازات

اس باب میں سبھی موضوعات کا عمومی احاطہ کیا گیا ہے مثلاً منہج تلقی، عقائد، اصول، عمومی اوصاف وخدوخال اور اخلاق وسلوک وغیرہ، اس کے ساتھ ساتھ اہلسنّت کے مخالف بڑے فرقوں پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے اور اہل بدعت کے بارے میں اہلسنّت کے موقف اور رویہ وسلوک کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس باب میں دس فصلیں ہیں

فصل اول: اہلسنّت کا نصوص کے قبول وفہم میں منہج

فصل دوم: اہلسنّت کے عمومی اوصاف اور خدوخال

فصل سوم: اخلاق وسلوک کی بابت اہلسنّت کے خصائص

فصل چہارم: اہلسنّت کے متفق علیہ اصول

فصل پنجم: وہ مسائل جن میں اہلسنّت کے ہاں اختلاف کیا جاسکتا ہے

فصل ششم: مفارقین اہلسنّت والجماعت کی عمومی صفات

فصل ہفتم: مخالفین اہلسنّت کا حکم

فصل ہشتم: اہلسنّت والجماعت کا مخالف سربرآوردہ فرقے

فصل نہم: مذہب اہلسنّت کی مخالف بدعات کے بارے میں اہلسنّت والجماعت کا موقف

فصل دہم: اہل بدعات سے اہلسنّت والجماعت کا رویہ

میں نے ساری زندگی آج تک اصول دین میں کبھی کسی کو مذہب حنبلی یا غیر حنبلی کی طرف دعوت نہیں دی، نہ ہی اس کو درست ثابت کرنے کے لئے زور لگایا ہے اور نہ اپنی گفتگو میں اس کو بیان کرتا ہوں۔ میں صرف وہ کچھ بیان کروں گا جس پر امت کے سلف اور ائمہ نے اتفاق کر رکھا ہے۔

......ابن تیمیہ رحمہ اللہ

فصل اول

نصوص کے فہم وقبول میں اہلسنّت والجماعت کا منہج

① کتاب وسنت کے مطابق ہر چیز حق اور اس کے خلاف باطل ہے

اہلسنّت ہر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جو کتاب اور سنت کے مطابق ہو اور دونوں کے مخالف ہر بات کو باطل سمجھتے ہیں۔ اہلسنّت والجماعت کا دیگر لوگوں سے امتیاز ان کے عقائد ،تصورات، عبادات ،معاملات اور سلوک واخلاق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔لہٰذا اہلسنّت کے ہاں علم شرعی کے تمام فروع میں علم اور حق کا واحد مصدر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔اس لئے اللہ کے کلام سے اوپر کسی کا کلام نہیں اور رسول اکرم ﷺ کے طریقے سے اوپر کسی کا طریقہ نہیں ہے۔

[یہ لوگ اہل قرآن اور اہلسنّت ہیں۔کیونکہ یہ لوگوں کی بات پر اللہ کے کلام کو ترجیح دیتے ہیں ،محمد ﷺ کے طریقے کو ہر کسی کے راستے پر مقدم رکھتے ہیں اور ان کے آثار واقوال کی ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے اتباع کرتے ہیں] جلد۳ صفحہ ۱۵۷

[کسی بھی بات کو جب تک کہ وہ حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہ ہو تسلیم کرتے ہیں نہ اپنے اصول دین میں شامل کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے کلام اور مذہب میں اس کو جگہ دیتے ہیں ۔بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مبعوث شدہ کتاب اور حکمت ہی کو وہ اصل بنیاد بناتے ہیں جس کا اعتقاد اور جس پر اعتماد کرتے ہیں] ج ۳ صفحہ ۳۴۷

[صفات ،قدر، وعید۔اسماء،امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دیگر مسائل جن میں لوگوں

نے اختلاف کررکھا ہے، یہ (اہلسنّت) ان سب مسائل کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاتے ہیں، وہ مجمل الفاظ جن (کے مفہوم) میں اہل تفرق واختلاف سر پھٹول کرتے ہیں ،ان کے وہ معانی جو کتاب وسنت کے مطابق ہوں ،ان کو اہلسنّت تسلیم کرتے ہیں اور جو کتاب وسنت کے مخالف ہوں ان معانی کو باطل گردانتے ہیں، نہ ظن کے پیچھے چلتے ہیں اور نہ ہی جو دل میں آئے اور نفس کہے، کیونکہ اتباع ظن ج جہالت اور ھوائے نفس کی اتباع بغیر کسی ہدایت الٰہی کے، ظلم قرار دیا گیا ہے] ج۳ صفحہ ۳۴۷

② اہلسنّت کے ہاں رسول ﷺ کے ماسوا کوئی معصوم نہیں

اہلسنّت کے ہاں ماسوائے رسول اللہ ﷺ کوئی شخص معصوم نہیں ہے چنانچہ ان کے ہاں ائمہ معصوم نہیں ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کے سوا ہر کسی کی بات لی اور رد کی جاسکتی ہے ۔اماموں کی بات نبی ﷺ کی سنت کے تابع رکھتے ہیں نہ کہ اس پر مقدم سمجھتے ہیں۔

[اہل حق اور اہلسنّت کا پیشوا رسول اکرم ﷺ کے سوا کوئی شخص نہیں ہے، لہٰذا ایک اللہ کے رسول ہی ہیں کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کی اطاعت وتعمیل فرض ہے، یہ مقام آپ ﷺ کے علاوہ کسی امام کو حاصل نہیں ہے] جلد۳ صفحہ ۳۴۶

③ اجماع سلف حجت شرعی اور متاخرین کو لازم ہے

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ دین کے علم میں رسول برحق کے بعد اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح تھے چنانچہ دین کے جس معاملے پر ان حضرات نے اجماع کیا ہے وہ بھی عصمت کے ضمن میں آتا ہے جس سے خروج کی کسی کو مجال نہیں ہے ۔لہٰذا ان کا اجماع شرعی حجت ہے اور ان کے بعد آنے والے اس کے پابند

ہیں ۔اور ہر وہ شخص جو ان کے اجماع کی پابندی کرتا ہے ان کی جماعت کا ایک فرد بن جاتا ہے۔

[یہی لوگ ''جماعت'' ہیں کیونکہ جماعت کا اصل مطلب اجتماع ہے جس کی ضد فرقہ ہے ۔تاہم لفظ جماعت کا اطلاق مجتمع ہونے والے لوگوں پر بھی ہوتا ہے ۔چنانچہ اہلسنّت ،مہاجرین وانصار ایسے سابقین اولین کے طریقے کی اتباع پر مجتمع ہونے والے لوگ ہیں ۔اجماع وہ تیسرا ''اصل'' (بنیاد) ہے جس پر یہ علم اور دین کے معاملے میں اعتماد کرتے ہیں ۔اور اجماع کی جامع تعریف یہ ہے کہ جس پر سلف صالح رہے ہوں کیونکہ ان کے بعد اختلاف بڑھ گیا اور امت منتشر ہوگئی] ج ۱۳ صفحہ ۲۴

[اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اجماع معصوم ہی ہوتا ہے] ج ۱۳ صفحہ ۴۷

[مسلمانوں کا دین کتاب اللہ ،سنت نبوی اور اجماع امت پر مبنی ہے اور یہ تینوں اصول معصوم ہیں] جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۴

④ اہل سنت کسی قول یا اجتہاد کو کتاب ،سنت اور اجماع پر پیش کرنے سے پہلے قبول نہیں کرتے

اہل سنت رسول اکرم ﷺ کی سنت کی پابندی کرتے ہیں جسے کہ آپ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے تھے ۔اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جماعت کی بھی پابندی کرتے ہیں جو کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم اور منہج پر چلتے رہے ہیں اہلسنّت کسی بھی قول یا اجتہاد کو چاہے وہ جس کسی کا بھی ہو کتاب ،سنت اور اجماع پر پیش کرنے سے پہلے ہرگز قبول نہیں کرتے ۔

[یہ وہ لوگ ہیں جو دین کی بابت لوگوں کے اقوال واعمال، ظاہری ہوں یا باطنی سبھی کو تین ''اصول'' (بنیادوں) کی میزان میں تولتے ہیں: کتاب، سنت اور اجماع سلف] جلد صفحہ ۱۵۷

⑤ اہل سنت عقل، رائے یا قیاس سے قرآن اور سنت کی کوئی بات نہیں کاٹتے

اہلسنّت والجماعت، سلف صالح اور ان سے رہنمائی لینے والوں کی ''جماعت'' کو لازم پکڑتے ہیں، ان کی راہ پر چلتے اور ان کے ''اصول'' کی پابندی کرتے ہیں، کسی اور سے نہ حجت پکڑتے ہیں اور نہ کسی کی اقتداء اور پابندی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کی تفسیر اور حدیث کا علم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا، جسے انہوں نے آگے کسی رائے، کسی عقل، وجدان یا ذوق وغیرہ کو کبھی نہیں بڑھایا۔

[یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ قرآن اور حدیث کی تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معلوم ہو جائے تو ایسی صورت میں اہل لغت کے اقوال کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ جب اس کی تفسیر اور مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معلوم ہوگئی تو اہل لغت کے اقوال کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ جب اس کی تفسیر اور مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معلوم ہوگئی تو اہل لغت یا کسی دوسرے اقوال سے استدلال کی ضرورت باقی نہیں رہتی ...... ان لوگوں پر اللہ نے جو سب سے بڑا احسان کیا تھا وہ ان کا کتاب اور سنت سے غیر متزلزل تعلق تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے ہاں متفق علیہ اصول میں یہ شامل ہے کسی کو اپنی رائے، عقل، قیاس، ذوق یا وجدان کسی بھی طرح قرآن کی کوئی بات کاٹنے کی اجازت نہ دی

جائے...... چنانچہ قرآن ہی وہ امام تھا جس کی اقتدا کی جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے کسی کے ہاں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ اس نے کبھی عقل، رائے یا قیاس کے ذریعے قرآن کی مخالفت کی ہو یا ذوق اور وجدان و کشف کے ذریعے کوئی بات رد کی ہو اور نہ ہی یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سلف میں سے کسی نے کبھی یہ کہا ہو کہ اس مسئلے میں عقل اور نقل باہم متعارض ہیں اور یہ تو بہت دور کی بات ہے کہ یہ کہا ہو" کہ اس تعارض کے سبب عقل کو نقل پر ترجیح حاصل ہے اور نقل یعنی قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی یا تو تفویض ہو سکتی ہے یا پھر تاویل (معنی مقرر کرنا)......سلف کسی ایک آیت کا بھی تعارض جائز قرار نہ دیتے تھے الا یہ کہ کوئی دوسری آیت ہی اس کی تفسیر یا نسخ کرتی ہو یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کی تفسیر کرتی ہو کیونکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کا بیان اور توضیح و تعبیر ہے] جلد ۱۳ صفحہ ۲۷-۲۹

فرمان الٰہی ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ. (التوبة:۱۰۰)

مہاجرین وانصار کے سابقین اولین اور وہ لوگ جو احسان و خوش اسلوبی سے پیچھے آئے ہیں اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں، اللہ نے ان کے لئے جنتیں اور باغات تیار کئے ہیں، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی عظیم کامرانی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے پیچھے آنے والوں کو بھی اپنی خوشنودی اور جنت کی

نعمتوں میں شریک کردیا ہے......اس لئے جولوگ سابقین اولین کی اتباع کریں گے وہ انہی میں شمار ہوں گے جبکہ یہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد افضل ترین لوگ ہیں، کیونکہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین امت ہے جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے اور یہ لوگ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل ترین ہیں۔

اس لئے علم اور دین میں ان کے اقوال واعمال کی معرفت، دین کے جملہ علوم واعمال میں متاخرین کے اقوال واعمال کی معرفت سے صد مرتبہ افضل اور مفید ہے......کہ یہ لوگ اپنے بعد والوں سے افضل ہیں جیسا کہ کتاب اور سنت سے ثابت ہے، پھر جب ایسا ہے تو ان لوگوں کی اقتدا بعد والوں کی اقتدا سے بہتر ہے۔علم دین کے سلسلے میں دوسروں کے اجماع ونزاع کی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع واتفاق اور انہی میں ہونے والے اختلاف کی معرفت ودریافت بہتر اور افضل ہے......

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اجماع بہرحال معصوم ہوتا ہے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگر اختلاف کیا ہو تو بھی حق ان کے اقوال ہی میں سے کسی ایک میں ہوتا ہے۔بنابریں ان کے اقوال ہی میں حق کی تلاش کی جاسکتی ہے،ان کے اقوال میں سے کسی قول کو بھی اس وقت تک غلط نہیں کہا جاسکتا جب تک کتاب وسنت سے اس کا غلط ہونا ثابت نہ ہو جائے۔کیونکہ متاخرین کے بہت سے اصول،اسلام محدث اور بدعت شمار ہوتے ہیں جبکہ سلف نے اس سے پہلے اس کے برعکس اجماع کر رکھا ہوتا ہے،پھر اجماع سلف کے بعد جو اختلاف پیش آئے تو وہ قطعی غلط اور بے جا ہوتا ہے مثلاً خوارج،روافض،قدریہ،مرجیہ ایسے دوسرے فرقے جن کے اقوال وآراء مشہور ومعلوم نصوص اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے صریح مخالف

ہیں......

[اسی طرح دین میں کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں رہ جاتا جس کے بارے میں سلف نے کلام نہ کیا ہو اس لئے اس کی مخالفت یا موافقت میں سلف سے ضرور کوئی نہ کوئی قول مل جاتا ہے] ص۱۳، ص۲۳-۲۷

''جماعت'' نجات دنیوی واخروی کی بنیاد ہے

اہلسنّت رسول اکرم ﷺ کی جماعت سے متمسک اور وابستہ رہنا لازم سمجھتے ہیں، تفرقہ واختلاف کے امکانات سے بے انتہاء گریز کرتے ہیں۔ کتاب، سنت اور اجماع کے پابند رہتے ہیں۔ متشابہات کے مقامات سے جوامت کا شیرازہ بکھیرتے ہیں اہلسنّت بہت دور رہتے ہیں، کیونکہ ''جماعت'' کو دنیوی واخروی نجات کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

[نبی اکرم ﷺ نے پیشینگوئی کی تھی کہ ان کی امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی ایک کو چھوڑ کے سبھی دوزخی ہوں گے اور وہ جماعت ہوگی دوسری حدیث میں اس نجات پانے والے فرقے کی نشان دہی اس طرح کی ہے کہ وہ لوگ اس طریقے پر ہوں گے جس پر آج میں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چل رہے ہیں] ج۳ص۱۵۹

[مسلمان پر فرض ہے کہ رسول اکرم کی سنت، خلفائے راشدین، مہاجرین وانصار کے سابقین اولین اور ان کے تابعین باحسان کی سنت کو لازم پکڑے اور ایسے مسائل جن میں امت کا اختلاف اور نزاع ہو، اگر ان کا علم وعدل سے فیصلہ کر سکے تو ٹھیک، وگرنہ نصوص واجماع سے جو ثابت ہے اس سے بہر حال چمٹا رہے، اور ان لوگوں سے ہمیشہ دامن بچاتا رہے جنہوں نے 'اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا' کے مصداق اپنے دین میں

تفریق کر لی اور ٹولے ٹولے بن گئے۔ دیکھا جائے تو تفرقہ واختلاف کے سوتے ظن وگمان اور ہوائے نفس کی اتباع سے بھی پھوٹتے ہیں، جبکہ ولقد جاء ھم من ربھم الھدی 'ان کے رب کے پاس سے ہدایت آ چکی ہے۔...... مسلمانوں کا فرض ہے کہ عام لوگوں کو کتاب وسنت اوراجماع سے ثابت شدہ مسائل کی پابندی کی دعوت دیں اور ان تفاصیل کی باریکیوں سے روکیں جو ان میں تفرقہ واختلاف کو جنم دیتی ہیں، کیونکہ تفرقہ واختلاف ان بڑے اور بھاری امور میں سے ہے جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شدید وعید فرمائی ہے] جلد۱۴ص ۲۳۷

ایک معذور آدمی کا علم اس طرح مکلّف نہیں جیسے قدرت رکھنے والا

رسول اکرم ﷺ سے جو کچھ پہنچا ہے اہلسنّت اس سب کے ساتھ مجمل ایمان رکھتے ہیں لیکن ان امور کے علم کی معرفت کے وجوب کی بابت معذور اور صاحب قدرت میں فرق کرتے ہیں۔اصول اہلسنّت میں سے یہ ایک بہت ہی ''اہم قاعدہ'' ہے جس سے لاعلمی کی بنا پر بے شمار فتنے جنم لے چکے ہیں

[کوئی شک نہیں کہ ہر شخص پر نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ تمام امور کے ساتھ مجمل ایمان رکھنا واجب ہے مگر اس بھی شک نہیں ہے کہ آپ ﷺ پر مبعوث شدہ کچھ امور کا علم فرض کفایہ ہے...... جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن کا علم فرداً فرداً ہر شخص پر واجب ہے تو اس سلسلے میں ہر شخص کی استطاعت، دانائی، ضرورت اور حیثیت کی بنا پر اس کی ذمہ داری مختلف ہوتی ہے۔ بنابریں ایک استطاعت رکھنے والے پر بعض علوم کا جو سماع اور بنظر غائر فہم وتفقہ فرض ہے وہ ایک عاجز اور معذور پر فرض نہیں ہے۔دین کی دیگر تفاصیل کے بارے میں بھی

جس شخص نے نصوص کو سن اور سمجھ رکھا ہے اس کی ذمہ داری اس شخص سے مختلف ہوتی ہے جس نے یہ نہیں سن رکھیں چنانچہ ایک عام آدمی پر ان فرائض کا اطلاق نہیں ہوتا جو ایک مفتی ،محدث یا مناظر پر عائد ہیں......اب چونکہ بے شمار ایسے پیچیدہ مسائل ،جن میں امت کا اختلاف ہے،بعض اوقات بیشتر لوگوں میں واضح نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کو ایسے مسائل کی بابت کسی شرعی یا عقلی دلیل کے علم وفہم کی استطاعت ہوتی ہے تا آنکہ دلیل کسی قطعی یقین کا فائدہ دے،تو ایسے لوگ اپنی استطاعت سے بڑھ کر مکلّف نہیں ہیں ،نہ ہی اس بات کے مکلّف ہیں کہ وہ غالب قوی ظن کی بناء پر جس اعتقاد کی استطاعت رکھتے ہیں اس کو وہ اس بناپر ترک کردیں کہ ان کو سو فیصد پر یقین دلیل پر قدرت نہیں بلکہ ان کی یہی قدرت واستطاعت ہے، چہ جائیکہ اگر وہ حق کے مطابق بھی ہو۔چنانچہ حق کے مطابق اعتقاد رکھنے والے کو اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے اور ثواب بھی اگر وہ اس سے بڑھ کر قدرت نہیں رکھتا تو اس سے وہ اپنے فرض سے بہرحال عہدہ براں ہوجاتا ہے] ج۳صفحہ۳۱۲-۳۱۴

اس بناء پر اہلسنّت والجماعت نے اپنا دین ،علم وعمل ہر دوصورت میں صرف اورصرف قرآن وسنت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس فہم کے ذریعے سے لیتے ہیں جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست لیا اور پھر آگے تابعین رحمہم اللہ اوران کے بعد ائمہ وسلف ایسے اپنے ان خوشہ چیںوں اور پیروان راہ کو منتقل کردیا جو اس پر کسی چیز کو مقدم نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی بھی انسان کی عقل ،رائے ،قیاس ،ذوق ،وجدان یا کشف کے ذریعے اس کی کوئی بات کاٹتے ہیں ۔یہ وہ ''اصل اول'' ہے جو اہلسنّت کا پہلا امتیاز ہے اوران کی جماعت کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیتا ہے،اوراس جماعت کے تمام عمومی اوصاف اور اخلاق وسلوک

کے خصائل کی تشکیل و تکمیل کرتا ہے بلکہ اس کے عقائد، اصول اور فقہی قواعد کو یکتا کر دیتا ہے جو کہ بالآخر اس جماعت کا ورثہ قرار پاتے ہیں۔

فصل دوم

اہلسنّت والجماعت کے اوصاف عمومی

چونکہ وہ ''اصل اول' جس کی بنا پر اہلسنّت والجماعت دوسروں سے متمیز ہوتے ہیں وہ رسول اکرم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کا لزوم واتباع ہے اس لئے اس ''اصل'' کی وجہ سے وہ عمومی اوصاف وجود میں آتے ہیں جن کی بدولت مختلف فرقوں، جماعتوں اور اہواء وشہوات کے اس میدان کارزار میں بھی اس جماعت کی معرفت اور پہچان نہایت آسان ہوجاتی ہے۔

(۱) ''دین'' علم وعمل اور ظاہر وباطن سب پر محیط ہے

اہلسنّت ''دین'' کو علم وعمل اور ظاہر وباطن سب پر محیط کرتے ہیں، اس اسلام خالص کے ساتھ متمسک رہتے ہیں، جس کو محمد ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو محفوظ کرتے رہے ہیں۔

[فرقہ ناجیہ کا عقیدہ اس فرقے کا ہے جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس قول میں نجات کی پیشینگوئی فرمائی ہے: تفترق امتی ثلاث و سبعین فرقة ،اثنتان و سبعون فی النار، وواحده فی الجنة ، وھی من کان علی مثل ما انا علیه الیوم و اصحابی. میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی۔ بہتر دوزخ میں جائیں گے اور صرف ایک جنت میں اور یہ وہ ہوگا جو ایسے راستے پر رہے گا جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ یہ عقیدہ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے اور وہ اور ان کے پیروہی فرقہ ناجیہ ہیں] ج ۳ ص ۱۷۹

[ان کا راستہ دین اسلام ہے جسے اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو دے کر مبعوث فرمایا لیکن چونکہ خود نبی اکرم ﷺ نے یہ پیشینگوئی فرمائی تھی کہ ''آپ ﷺ کی امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی ایک کے سوا سبھی دوزخ میں جائیں گے اور وہ ''جماعت'' ہوگی......اور ایک دوسری حدیث میں اس فرقے کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ وہ ہوں گے جو اس راستے پر رہیں گے جس پر آج میں اور میرے ساتھی ہیں، اس لئے اہل سنت والجماعت ہی وہ لوگ ہیں جو اصل، ہر شائبے سے پاک اور خالص اسلام سے چمٹے رہنے والے ہیں] ج ۳ ص ۱۵۹

(۲) اہل سنت ہی اہل ''جماعت'' ہیں

اہلسنّت چونکہ پوری زندگی پر جامع اور محیط رکھتے ہیں اور پورے دین کو لے کے چلتے ہیں اس لئے وہ اس پر مجتمع اور ''جماعت'' ہوتے ہیں، کیونکہ ''جماعت'' کی حفاطت اور پابندی اور وابستگی اہل اطاعت پر اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

[اجتماع والفت اور شیرازہ بندی کا سبب دین کی جامعیت اور پورے دین پر عمل ہے جو کہ ایک اللہ کی بلاشرکت غیرے اس کے احکام کے مطابق ظاہری وباطنی عبادت ہے، جبکہ تفرقے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دین کے ایک حصے کو چھوڑ دیا جائے اور باہم سرکشی ہو۔

پھر ''جماعت'' کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اللہ کی رحمت، اس کی خوشنودی ورضامندی اور اس کی صلواۃ وبرکات نازل ہوتی ہیں، دنیا میں بھی سعادت ملتی ہے اور آخرت میں بھی سعادت اور چہرے روشن وسرخرو ہوتے ہیں۔

جبکہ تفرقے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا عذاب اور لعنت برستی ہے، منہ کالا ہوتا ہے اور

رسول ﷺ ان سے بیزار و بری ہوتے ہیں ۔ یہ اجماع کے دلائل میں سے ایک دلیل بھی ہے کہ اجماع حجت قطعی ہے کیونکہ جب وہ مجتمع ہوں گے تو اللہ کے مطیع و فرمانبردار اور رحمت الٰہی کے سزاوار ہوں گے لہٰذا کسی بھی اعتقاد یا قول و عمل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رحمت کسی بھی ایسے کام سے ممکن نہیں جس کا اس نے حکم نہ دے رکھا ہو، نہ تو یہ اللہ کی اطاعت ہوگی اور نہ اس کی رحمت کا سبب] ج ۱ ص ۱۷

[چنانچہ جب لوگ اللہ کے بعض احکامات کو چھوڑ بیٹھے تو ان میں دشمنی اور بغض عداوت نے جنم لیا ۔ جب کوئی قوم متفرق ہو جائے تو فساد اور ہلاکت کا شکار ہوتی ہے اور جب مجتمع ہو جائے تو صلاح و فلاح اور جہانبانی سے سرفراز ہوتی ہے کیونکہ ''جماعت'' رحمت ہوتی ہے اور تفرقہ عذاب] ج ۳ ص ۴۲۱

(۳) اہلسنّت اہل وسط و اعتدال ہیں

اہلسنّت والجماعت افراط و تفریط اور جفا و غلو کے مابین اہل وسط و اعتدال ہیں جس طرح امت محمدی ﷺ تمام ملتوں کی نسبت وسط ہے اسی طرح اہلسنّت تمام فرقوں کی نسبت وسط ہیں ۔

[یہ صراط مستقیم ہی اللہ کا خالص دین ہے، جو کہ کتاب اللہ میں پوشیدہ ہے اور وہ ''اہلسنّت والجماعت'' ہے کیونکہ خالص مذہب سنت ہی خالص اسلام ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے بہت سے طریقوں سے سنن اور مسانید کی کتابوں میں مروی ہے جیسا کہ امام احمد ابوداؤد ترمذی رحمہم اللہ اور دیگر روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''یہ امت بہتر فرقوں میں بٹے گی سبھی دوزخی ہوں گے سوائے ایک کے اور وہ ''جماعت'' ہوگی ۔ ایک

دوسری روایت میں ہے۔ ''جو ایسے راستے پر چلے گی جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

یہ فرقہ ناجیہ ''اہلسنّت'' ہیں جو سبھی فرقوں کی نسبت وسط ہیں جیسا کہ ملت اسلامیہ تمام ملتوں کی نسبت وسط ہے] ج۳ص۳۶۹

[اسی طرح اہل سنت تمام امور میں وسط ہیں کیونکہ یہ کتاب اللہ ،سنت رسول ﷺ اورمہاجرین وانصار کے سابقین اولین اور ان کے متبعین کے اجماع سے وابستہ ومتمسک رہتے ہیں۔

اہلسنّت تمام فرقوں میں وسط ہیں جیسے کہ یہ امت تمام امتوں میں وسط ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے باب میں اہلسنّت جہمیہ جو اہل تعطیل ہیں اور مشبہہ جو اہل تمثیل ہیں کے مابین وسط ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کے افعال'' کے باب میں اہلسنّت ،قدریہ اور جہمیہ میں وسط ہیں اور وعید الٰہی کے باب میں یہ لوگ مرجیہ، وعیدیہ اور قدریہ جیسے فرقوں میں وسط ہیں۔ اسی طریقے سے ''ایمان اور دین کے اسماء'' کے باب میں اہلسنّت خوارج ومعتزلہ اور مرجیہ وجہمیہ کے مابین وسط ہیں اور صحابہ رسول ﷺ کے بارے میں روافض اور خوارج کے مابین اہلسنّت وسط ہیں] ج۳ص۱۴۱

④ قرآن ،سنت اور اجماع سے ثابت شعارات ہی اہلسنّت کے شعار ہوتے ہیں

اہلسنّت ان امور کو اپنا شعار بناتے ہیں جو قرآن ،سنت اور اجماع سے ثابت ہوں ،صرف اس دین کی پابندی کو فرض سمجھتے ہیں جسے رسول اکرم ﷺ لے کر مبعوث ہوئے تھے

نہ کہ فلسفیوں یا متکلمین کے دین کی۔

[جن میں یہ تین خصائل جمع ہو جائیں، جو کہ تمام تر خیر اور بھلائی کا مجموعہ ہیں: تخلیق اور بعث یعنی مخلوق کی پیدائش اور حشر کے ساتھ ایمان، اللہ اور یوم آخر پر ایمان اور عمل صالح جو کہ اس کے احکام کی ادائیگی اور ممنوعات سے پرہیز کا نام ہے تو ایسے شخص کا ثواب یقینی ہے۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے، عذاب سے اس کا چھٹکارا ہے اس کو نہ پیش آئندہ کا کوئی خوف ہے اور نہ گزشتہ کا حزن وملال] ج ۱۲ص ۴۷۹

⑤ اہلسنّت ہی ملت اسلام کا تاریخی تسلسل ہیں

چنانچہ اہلسنّت ہی امت محمدیہ ﷺ میں اصل حیثیت رکھتے ہیں جو اس ملت کا صحیح اور فطری تسلسل ہیں، جیسا کہ محمد ﷺ کی ملت سابقہ انبیاء علیہم السلام کی ملتوں کا صحیح اور فطری تسلسل ہے،۔ بنابریں دیگر فرقے تو اس ملت میں زبردستی داخل ہیں اور شاذ اقلیات کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ امت مسلمہ کی اصل پٹری تو اہل سنت ہی ہیں۔

[سنن اور مسانید کی کتابوں میں صحیح اور مشہور حدیث ابوداؤد ترمذی اور نسائی وغیرہ ایسے ائمہ نے روایت کی ہے کہ ''یہود اکہتر فرقوں میں بٹے اور ایک کے سوا سبھی دوزخی ہوئے، عیسائی بہتر فرقوں میں بٹے اور ایک کو چھوڑ کر سبھی دوزخی ہوئے جبکہ یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹے گی ایک کے سوا سبھی دوزخی ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے'' کہ ۷۳ ملتوں میں بٹے گی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا'' اے اللہ کے رسول ﷺ وہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: جو ایسے راستے پر ہوگا جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم چل رہے ہیں''۔ ایک اور روایت میں ہے (اس ناجی فرقے کے بارے میں

)فرمایا وہ ''جماعت'' ہوگی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوگا۔ بنا بریں فرقہ ناجیہ اہل سنت ہیں، یہی امت میں جمہور اور سواد اعظم ہیں ۔رہے باقی فرقے تو وہ شذوذ،تفرقہ اور بدعات واہوا والے ہیں اوران سب فرقوں میں کوئی بھی فرقہ ناجیہ کے برابر تو کیا منزلت میں اس کے قریب تک بھی نہیں پہنچتا بلکہ اس کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے ۔ان سب فرقوں کا شعار اور پہچان کتاب اور سنت واجماع کی مفارقت وخلاف ورزی ہے ۔پس جو کتاب ،سنت اور اجماع کا قائل ہے وہ اہل سنت والجماعت میں شمار ہوگا] ج ۳ ص ۲۴۰

⑥ اہلسنّت اہل شریعت ہیں

اہلسنّت اس شریعت کے حامل اور اہل ہیں جس کے عقائد ،مناہج نظر واستدلال ،افعال، مقاصد، عبادات اور سیاسات شرعیہ وغیرہ ایسے دین کے تمام جوانب اور آفاق میں رہنمائی رسول اکرم ﷺ نے خود فرمائی۔

[چنانچہ مذہب سنت شریعت ہی کی مانند ہے کیونکہ یہ وہی ہے جس کی رسول اکرم ﷺ نے تسنین اور تشریح فرمائی ہے،اس سے مراد مذہب سنت یا شریعت کی عقائد کی جانب بھی ہوسکتی ہے ،اعمال کی جانب بھی اور دونوں جوانب بھی ہوسکتی ہیں ۔کیونکہ لفظ ''سنہ'' کا بھی لفظ ''شرعہ'' کی طرح متعدد معانی پر اطلاق ہوتا ہے۔اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے بزرگوں نے آیت شرعہ ومنهاجا کی تفسیر میں فرمایا ہے ''یعنی سنت اور سبیل'' چنانچہ ان حضرات نے ''شرعہ'' کی تفسیر ''سنہ'' سے کی ہے اور منہاج کی تفسیر ''سبیل'' سے ۔لفظ ''سنت'' اور ''شرعت'' دونوں کا اطلاق عقائد اور اقوال پر بھی ہوسکتا ہے اور مقاصد اور افعال پر بھی ،پہلے میں اس سے مراد علم اور کلام کا ''طریقہ'' ہوگا اور دوسرے

میں حال اور سماع کا ''طریقہ''۔اس طرح ان کا اطلاق ظاہری عبادات اور سیاسات شرعیہ کے ''طریقہ'' پر بھی ہوسکتا ہے] ج ۳ ص

⑦ رسول اللہ ﷺ اور سلف سے ثبوت کے بغیر کوئی بات قابل قبول نہیں

ماسواء اس بات کے جو رسول ﷺ سے ثابت ہو یا جس پر سلف صالح چلتے رہے ہوں اہلسنّت کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔

[وہ مذہب سنت جس کی اتباع ہر شخص پر فرض ہے اور اس کے اہل (سنت) قابل مدح وتعریف اور مخالف مذمت کے مستحق ہوتے ہیں، وہ اعتقادات، عبادات اور دین ودنیا کے تمام مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔اس کی معرفت صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ کی احادیث ثابتہ سے ہی ممکن ہے جو کہ آپ کے اقوال وافعال اور آپ کے ترک واختیار کے ضمن میں مروی ہوئی ہیں، پھر وہ راستہ ہے جس پر سابقین اور ان کے پیچھے چلنے والے چلتے رہے] ج ۳ ص ۳۷۸

⑧ اہلسنّت ہی نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا صحیح علم رکھتے ہیں

اہلسنّت ہی لوگوں میں سب سے بڑھ کر صاحب سنت ﷺ کے احوال اور اقوال و افعال کا علم رکھنے والے ہیں اسی طرح تمام لوگوں سے بڑھ کر سنت اور اہلسنّت کے ساتھ محبت، تعلق اور وفاداری رکھنے والے ہیں اسی طرح تمام لوگوں سے بڑھ کر سنت اور اہلسنّت کے ساتھ محبت، تعلق اور وفاداری رکھنے والے ہیں۔

[سب لوگوں سے بڑھ کر فرقہ ناجیہ کے مستحق اہل حدیث وسنت ہیں جس کا اللہ کے

رسول ﷺ کے سوا کوئی پیشوا یا متبوع نہیں ہے جس کے لئے یہ تعصب رکھیں۔تمام لوگوں سے بڑھ کر یہ لوگ آپ ﷺ کے اقوال واحوال سے باخبر ہوتے ہیں صحیح اور سقیم احادیث میں سب سے بڑھ کر یہی لوگ امتیاز کرتے ہیں۔ان کے ائمہ ان احادیث کا تفقہ،معانی کا علم رکھتے اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔اس کے ساتھ محبت،تعلق اور وفاداری رکھنے والوں سے محبت اور وفاداری رکھتے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والوں کی مخالفت کرتے ہیں]
ج ۳ص ۳۴۷

⑨ حدیث نبوی کا پابند ومحبّ ہر شخص اہلسنّت ہے

اہل سنت یا اہل حدیث سے مراد اس فن یعنی علم حدیث سے شغف رکھنے

[اسی لئے اس جیسے مسائل میں بہت سے سلف وائمہ امت بطور اجتہاد ایسے اقوال بھی سرزد ہوئے ہیں جو کتاب اور سنت میں ثابت مسائل کے خلاف ہیں] ج ۳ص ۳۴۹

⑫ اختلاف اجتہادات کے باوجود وحدت وشیرازہ بندی

گو اہلسنّت والجماعت علمی وعملی مسائل میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں مگر اس کے باوصف اختلاف جتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو وہ اپنے باہم سلوک میں اس قاعدے کی سختی سے پابندی کرتے ہیں کہ اس بنیادی دائرے میں رہتے ہوئے الفت ومودت اور باہمی احترام ایسے آداب اختلاف برقرار رہیں جو انہیں ''جماعت'' اور باہمی یگانت کی لڑی میں پروکر ان کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور تفرقہ و بہتان سے بچا کے رکھتا ہے۔

[اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ پر کتاب نازل کی ،اللہ نے آپ کو ان لوگوں کی طرف مبعوث کیا جن کی اھواء وخواہشات متفرق۔دل جدا جدا

اور آراء کی باہم سر پھٹول تھی، آخر آپ کے ذریعے انہی لوگوں کے دلوں میں الفت ومودت پیدا کر کے ان کی شیرازہ بندی فرمائی اور شیطان کے مکروفریب سے محفوظ کر دیا۔

پھر اللہ عزوجل نے یہ بھی واضح کیا کہ یہ بنیاد یعنی ''جماعت'' اس کے دین کا ستون ہے ...... چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایسے بحث مباحثے کو سخت ناپسند فرمایا جو اختلاف اور تفرقے کا سبب بنے ...... چنانچہ فرقہ ناجیہ کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ لوگ آپ کی سنت سے متمسک رہنے والے ہوں گے اور یہ بھی کہ وہ ''جماعت'' ہوں گے ...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ اور بعد کے علماء جب کبھی کسی مسئلے میں اختلاف کر لیتے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے تھے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا. اگر کسی چیز میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا کرو یہی بہتر اور احسن تاویل ہے (النساء: ۵۹)۔ ان لوگوں کا مناظرہ بھی باہمی صلاح مشورے اور نصح ونصیحت کی نوعیت کا ہوتا تھا، بسا اوقات کسی علمی (اعتقادی) یا عملی مسئلہ میں اختلاف ہوتا مگر الفت اور دینی اخوت باقی رہتی اور کوئی ناچاقی نہ ہوتی ...... احکام میں تو اس قدر اختلاف ہوا ہے کہ ضبط میں لانا ناممکن ہے، اگر ایسا ہوتا کہ جب بھی کبھی دو مسلمانوں میں اختلاف ہو تو ایک دوسرے سے قطع تعلقی اختیار کر لی جایا کرتی تو مسلمانوں میں کسی عصمت یا اخوت کا نام تک باقی نہ رہتا] ج ۲۴ ص ۱۷۰

[یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اللہ عزوجل نے اس امت کی خطا معاف کر دی ہے اور اس ''خطا'' میں اخبار ایسے قولی علمی (اعتقادی) اور عملی مسائل سبھی شامل ہیں۔ سلف ایسے

بیشتر مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں مگران میں سے کسی نے کبھی دوسرے پر کفر۔فسق یا معصیت کا فتویٰ نہیں لگایا] ج ۳ص ۲۲۹

[امام ابوحنیفہ اوران کے تلامذہ اعمال کو ایمان میں شامل نہ کرتے ہوئے ایمان میں استثناء (اللہ نے چاہا تو میں مومن ہوں کہنے) کو جائز نہیں سمجھتے جبکہ مرجیہ کی مذمت کرتے ہیں ان کے ہاں مرجیہ وہ لوگ ہیں جو نہ فرض کی ادائیگی کو لازم سمجھتے ہیں اور نہ محرمات سے اجتناب کو بلکہ صرف ایمان کو کافی سمجھتے ہیں......اس لئے ظاہر ہوا کہ ایک مسئلہ میں اختلاف بسا اوقات لفظی ہوتا ہے...... یہاں یہ بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بیشتر احکام میں جو اختلاف ہے ایسا اختلاف اہل علم ودین کے مابین رہا ہے جبکہ وہ سبھی اہل ایمان اور اہل قرآن ہیں] ج ۱۳ص ۴۱-۴۷

(۱۳) حق اہلسنّت سے خارج نہیں

ان باتوں کے باوصف حق اہلسنّت کی ''جماعت'' سے باہر نہیں ہوتا کیونکہ ان کے ائمہ وعلماء کی جماعت، حفظ دین کے سلسلے میں نبوت کی قائم مقام ہوتی ہے، اور وہ اس طرح کہ ہر آدمی اپنے شعبے یا میدان میں یہ فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

[اہل علم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ''ابدال'' ہیں کیونکہ وہ انبیاء کے بدل ہیں اور عملاً ان کے قائم مقام ہیں، ایسے بے حال نہیں ہیں کہ ان کی کوئی حقیقت معلوم نہ ہو۔ان میں سے ہر شخص، جتنی اس میں انبیاء کی نیابت کی استطاعت ہے اسی بقدر وہ انبیاء کا قائم مقام ہے، کوئی علم اور فقاہت میں، کوئی اجتماعی اموراور عملی زندگی میں اور کوئی ہر دو امور میں] ج ۴ص ۹۷

"اہلسنّت ہی میں صدیقین ،شہداء اورصالحین ہوتے ہیں ،انہی میں ائمہ ہدایت اورمنارہ نور ہوتے ہیں ،انہی میں اصحاب مناقب وماثورہ وفضائل مذکورہ اورانہی میں ابدال ہوتے ہیں کہ ان سب ائمہ کے باہدایت ودرایت ہونے پر امت متفق ہے] ج ۳ ص ۱۵۹

(۱۴) اہلسنّت ہی طائفہ منصورہ ہیں

چونکہ اہل سنت ہی اہل ہدایت اور دین حق کے حامل ہیں اور پھر اللہ نے اسی دین کی فتح ونصرت اور باطل ادیان پر غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے اہلسنّت ہی وہ طائفہ منصورہ ہیں جس کی پیشینگوئی رسول اکرم ﷺ نے فرمائی ہے۔

[یہی لوگ وہ طائفہ منصورہ ہیں جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لایضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی تقوم الساعة. کہ قیامت تک میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی ان کو نیچا دکھانے اور مخالفت کرنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے تا آنکہ قیامت آجائے] ج ۳ ص ۱۵۹

[یہی طائفہ منصورہ ہیں جو تا قیامت حق پر ڈٹے اور غالب رہیں گے کیونکہ وہ ہدایت اور دین حق جسے اللہ نے اپنے رسولوں کو دے کر مبعوث فرمایا ہے انہی لوگوں کے پاس ہے جبکہ یہی وہ دین ہے جس کا اللہ نے تمام باطل ادیان پر غلبے کا وعدہ کر رکھا ہے وکفی باللہ شهیدا] ج ۴ ص ۹۷

(۱۵) اہلسنّت میں پارسا و نیکوکار بھی ہیں اور گناہ گار بھی ہیں

اہلسنّت والجماعت ظاہر ہے انسان اور بشر ہی ہیں ان میں صدیقین اور شہداء و پارسا

بھی ہوتے ہیں اور خطا کار و گناہ گار بھی ہوتے ہیں لیکن دوسروں کی نسبت ان میں خیر غالب ہوتی ہے، بعینہ دوسروں میں ان کی نسبت شر غالب ہوتا ہے۔

[اگر چہ سنت وحدیث سے نسبت رکھنے والے لوگ دوسرے فرقوں کی بہ نسبت زیادہ صالح و پارسا ہوتے ہیں تاہم اہلسنّت اسلام میں اس طرح ہیں جیسے اسلام دوسری ملتوں یا امتوں میں ہے چنانچہ جس طرح اسلام سے نسبت رکھنے والے لوگوں میں بعض ایسی باتیں پائی جاسکتی ہیں جو دوسرے مذاہب وادیان میں ہیں، اگر چہ کوئی خیر غیر مسلموں میں ہوتو مسلمانوں میں وہ خیر بدرجہا زیادہ اور کہیں بڑھ کر موجود ہوتی ہے، اور اگر مسلمانوں میں کوئی شر پایا جائے تو غیر مسلموں میں وہ شر بدرجہا زیادہ اور کہیں بڑھ کر موجود ہوتا ہے، تو یہی حال اہلسنّت کا ہے...... ان میں کچھ باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو دوسروں میں پائی جاتی ہوں مگر ہر وہ خیر جو غیر اہلسنّت میں بھی ہو، اہلسنّت میں کہیں زیادہ اور بدرجہا بڑھ کر ہوتی ہے اور ہر وہ شر جو اہلسنّت میں بھی ہو، غیر اہلسنّت میں کہیں زیادہ اور بدرجہا بڑھ کر ہوتا ہے] ج ۱۲ ص ۴۵۵

(۱۶) اہلسنّت ہی میں امت محمد ﷺ میں جمہور اکبر اور سواد اعظم ہیں

اہلسنّت والجماعت ہی امت محمد ﷺ میں کتاب اللہ اور سنت نبوی سے چمٹ رہنے والے جمہور اکبر اور سواد اعظم ہیں، صحابہ رسول رضی اللہ عنہم سے محبت اور رشتہ وفاداری استوار رکھتے ہیں، انہی سے انہوں نے علم وعمل اور فقہ وسلوک ایسے ہر معاملے میں حدیث نبوی ﷺ کو حاصل کیا ہے۔ اہلسنّت ہی قرآن، سنت اور اجماع کا پرچم سربلند رکھنے والے ''جماعت'' سے وابستگی، شیرازہ بندی اور وحدت ویگانت کی پاسبانی کرتے اور اس کے

پرچم تلے جمع ہوتے ہیں۔ان تمام پرچموں ،دعوتوں اورنعروں سے دامن بچا کرر کھتے ہیں جن کواہل شذوذ وتفرقہ اوراہل اہواواختلاف کے گمراہ فرقے بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔اہلسنّت کے اندرلوگ علم وعمل ،خیروشر،عدل وظلم ،صبر بغی اورمزاحمت وزیادتی میں مختلف درجات کے حامل ہوتے ہیں مگران سب امور کے باوصف سب اس بات پریقین رکھتے ہیں کہ اخوت ،باہم ولاء،وفاداری اورتالیف وشیرازہ بندی ہی ان کی جماعت کی بنیاد،ان کے دین کا ستون ان کی شخصیت اورپہچان کی ضمانت اوراللہ کی رحمت وخوشنودی کا سبب ہے۔

فصل سوم

خصائل اخلاق وسلوک

① اہلسنّت خیر الناس للناس

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اہلسنّت والجماعت ہی علمی و عملی ہر دو جانب میں ورثہ نبوت کے حامل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سنت نبوی ﷺ کے عملی پہلوؤں میں سب سے نمایاں اخلاقی پہلو ہی ہے۔ بنابریں رحمت وشفقت، لوگوں کی خیر خواہی، ان کو دعوت تبلیغ اور ان کی ایذاؤں پر برداشت ایسے اخلاق نبوی ہی وہ سر چشمہ ہیں جس سے اہلسنّت کے خصائل اخلاق وسلوک کے سوتے پھوٹتے ہیں اور یہ پہلو بھی میزان حق میں اس علمی ورثے اور راستے سے کم نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے کام لیتے ہوئے اس فرقہ ناجیہ کو امتیاز بخشا ہے۔

[رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علم، ہدایت اور عقلی ونقلی دلائل وبراہین دے کر بھیجا ہے وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں سے احسان، رحمت وشفقت بلاعوض وصلہ اور (دعوت میں) ان کی ایذاؤں پر صبر وبرداشت دے کر مبعوث کیا ہے، اللہ نے آپ کو علم بھی دیا ہے اور کرم اور رحم بھی چنانچہ آپ علم ومحبت کے پیکر، ہادی، کریم، محسن، حلیم وبردبار اور خندہ پیشاں تھے......

بنابریں آپ ﷺ علم بھی سکھاتے، ہدایت بھی پھیلاتے اور دلوں کی اصلاح کر کے ان کو دنیا وآخرت کی بھلائی کے راستے پر گامزن بھی کرتے، پھر اس سب محنت کے باوجود کوئی

معاوضہ یا صلہ نہ لیتے ...... یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی خوبی ہے ......یہی آپ کے متبعین کا راستہ ہے......اوریہی آپ کی امت کا امتیاز ہے کہ رشاد خداوندی ہے: کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٌ اُخرِجتُ لِلنَّاسِ کہ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی توضیح بیان کرتے ہیں ''تم لوگوں میں افضل ترین ہواور لوگوں کے لئے ہو، تم ان کو جنت میں داخل کرنے کے لئے گھیر گھیر کرلاتے ہو''۔چنانچہ یہ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور اپنی جانیں اور مال قربان کرتے ہیں، سب مخلوق کی اصلاح اور نفع کے لئے ،جبکہ وہ لاعلمی کی بناء پر اس کو ناپسند کرتے ہیں۔اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

الحمد لله الذی جعل فی کل زمان فترة من الرسل بقایا من اهل العلم یدعون من ضل الی الهدی ویبصرون منهم الاذی یحبون بکتاب الله الموتی، ویبصرون بنورالله اهل العمی، فکم من قتیل لا بلیس قد احیوه، وکم من ضال تائه قد هدوه ، فما احسن اثرهم علی الناس واقبح اثر الناس علیهم. الی آخر کلامه...... وهو سبحانه وتعالیٰ یحب معالی الاخلاق ویکره سفاسفها ، وهو یحب البصر النافذ عند ورود الشبهات ویحب العقل الکامل عند حلول الشهوات، وقد قیل ایضا وقد یحب الشجاعة ولو علی قتل الحیات. ویجب السماحة ولو بکف من تمرات.

''حمد وثناء ہے اللہ عزوجل کے لئے جس نے ہر زمانے میں رسولوں کی غیر موجودگی میں بھی اہل علم کی باقیات ایسے لوگ رکھے ہیں جو گمراہوں کو ہدایت کی راہ پر ڈالتے ہیں، ان ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں، اللہ کی کتاب کے ساتھ مردوں کو زندگی بخشتے ہیں اور اندھوں کو بینائی فراہم کرتے ہیں۔ ابلیس کے کتنے ہی ایسے شکار ہیں جن کو انہوں نے نئی زندگی بخشی، کتنے گمراہ وسرگرداں ہیں جن کو ہدایت پر گامزن کیا۔ جو یہ لوگوں کو دیتے ہیں وہ کس قدر اچھا اور خوب تر ہے اور جو (صلے میں) لوگ ان کو دیتے ہیں وہ کس قدر برا اور بدتر ہے......اللہ تعالیٰ کو بلند اخلاق اور اعلیٰ ظرفی پسند ہے اور اخلاقی گراوٹ اور رذالت سخت ناپسند ہے، اسے اپنے بندوں میں بوقت شبہات عقابی نگاہیں اور بوقت شہوات عقل کامل نہایت پسند ہے بلکہ بقول بعض، اللہ کو شجاعت اور بہادری پسند ہے چاہے سانپ اژدھوں کو مار کر کیوں نہ ہو، اسے دل کھلا پسند ہے چاہے مٹھی بھر کھجور کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو] ج ۱۶ ص ۳۱۳-۳۱۷

(۲) جملہ تعلقات میں کتاب اور سنت کی امامت

اہلسنّت والجماعت اپنے جملہ تعلقات، سلوک و رویے اور اخلاق میں کتاب اور سنت کی امامت میں چلتے ہیں سنت کی امامت میں چلتے ہیں چاہے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے پیش آنا ہو یا دوسروں سے۔

[اہلسنّت، بوقت آزمائش صبر، بوقت سکون وخوشحال شکر اور بوقت قضا وقدر راضی برضائے الٰہی رہنے کا حکم دیتے ہیں، مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی دعوت دیتے ہیں نبی

اکرم ﷺ کے اس قول پر اعتقاد رکھتے ہیں (اکمل ایمانا احسنھم خلقا) کہ سب سے کامل ایمان والا مومن سب سے بہتر اخلاق والا ہے۔ان باتوں کو نہایت قابل ثوب سمجھتے ہیں کہ آدمی، جو اس سے ناطہ توڑے وہ اس سے بھی جوڑے، جو اسے محروم رکھے وہ اسے بھی دے اور جس نے اس پر ظلم کیا اس کو بھی معاف کردے، والدین کے ساتھ احسان، صلہ رحمی ، حسن ہمسائیگی ، یتیموں ، مساکین اور ابن السبیل کے ساتھ احسان اور غلاموں سے رفق و شفقت ،ان سب باتوں کا حکم کرتے ہیں ، فخر، تکبر، بغی اور مخلوق پر ناحق ظلم وتعدی سے روکتے ہیں، بلند اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور رذیل اور پستہ اخلاق سے منع کرتے ہیں۔ایسے اور اس قسم کے جملہ امور میں جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں ان سب میں دراصل وہ کتاب اور سنت کی ہی اتباع کرتے ہیں] ج ۳ص ۱۵۸

③ ’’جماعت‘‘ اور وحدت کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اہلسنّت ہی اہل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں بلکہ ان کے ’’اصول‘‘ کا یہ ’’اصل اول‘‘ اور بہت ہی بلند درجہ بنیاد ہے کہ اس کی بنا پر یہ افضل ترین امت ٹھہرتے ہیں جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے۔لیکن وہ اس کے ساتھ شریعت کے تمام واجبات کو لے کر چلتے ہیں چنانچہ اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ ایک اور ’’اصل‘‘ اور قاعدے کی بھی پابندی اور التزام کرتے ہیں جو کہ جماعت کی حفاظت و وابستگی ، دلوں کی شیرازہ بندی اور جماعت کے کلمہ کی وحدت اور تفرقہ و اختلاف سے دامن کشی ہے۔

[اہلسنّت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے ہیں اس طریقے سے جو کہ شریعت

کو لازم ٹھہراتی ہے۔ امیر جیسے بھی ہوں، ابرار و نیکوکار ہوں یا فاجر، اہلسنّت ان کے ساتھ مل کے حج، جہاد جمعہ اور عید وغیرہ کا قیام درست سمجھتے ہیں، ''جماعت'' کی محافظت اور پاسبانی کرتے ہیں۔ امتی کی خیر خواہی کو دین سمجھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے اس قول پر پورا اعتقاد رکھتے ہیں: المومن للمومن فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالحمی و السھر. کہ مومنین کی باہم مودت، رحم و ترس اور تعلق ہمدردی کی مثال بالکل جسد واحد کی سی ہے اگر اس کے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے بخار زدہ اور پریشان رہتا ہے] ج ۳ ص ۱۵۸

[اولی الامر جو لوگوں کے علماء، امراء اور مشائخ ہوتے ہیں ان سب پر واجب ہے کہ اپنے عوام کے امور چلائیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں اس طرح کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکامات کی بجا آوری کا حکم دیں اور ان تمام باتوں سے روکیں جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے روک رکھا ہو] ج ۳ ص ۴۲۳

[امر بالمعروف میں سے یہ بھی ہے کہ جماعت، اجتماع اور شیرازہ بندی کا حکم دیا جائے اور اختلاف و تفرقہ سے منع کیا جائے] ج ۳ ص ۴۲۱

④ ''جماعت'' کا اہتمام، حفاظت اور اطاعت صرف معروف میں

اہلسنّت جو جماعت کا اہتمام و وابستگی اور حفاظت رکھتے ہیں اور سمع و طاعت کی پابندی کرتے ہیں تو یہ سب کا سب وہ دین کے علم و فہم اور اس کے بموجب عمل کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ بنابریں وہ صرف اور صرف اللہ کی اطاعت میں ہی امیر کی اطاعت کرتے ہیں اور

جہاں اللہ کی معصیت ہو اس میں کوئی اطاعت نہیں کرتے۔

[یقیناً وہ طرق وسط جو کہ اصل اسلام ہے، وہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا ہے جن کے خلاف جہاد درست ہے۔ مثلاً یہ لوگ جن کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے] ج ۲۸ ص ۵۰۱

[اگر جہاد کسی اور طریقے سے ممکن نہ ہو تو کسی بھی امیر یا گروہ کے ساتھ مل کر یہ فریضہ سرانجام دیا جائے اور اس سلسلے میں وہ گروہ جس کے ساتھ مل کر آدمی قتال کرتا ہے اس کا ایسے کسی بھی معاملے میں ساتھ نہ دے جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے تحت ان کی اطاعت کرے اور اس کی معصیت میں ان کی اطاعت نہ کرے کیونکہ (لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق) خالق کی نافرمانی ہو تو کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔ امت کے افضل ترین لوگوں کا ماضی وحال ہر زمانے میں یہی طریقہ رہا ہے اور یہ ہر مکلّف پر فرض ہے۔ یہ طریق وسط ہے، ایک انتہاء پر حروریہ (خوارج) ہیں جو فاسد زھد وورع کے مسلک پر چلتے ہیں اور درحقیقت یہ کم علمی کا نتیجہ ہے جبکہ دوسری انتہاء پر مرجیہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ ہیں جو امراء کی اطاعت مطلق کے مسلک پر چلتے ہیں چاہے وہ نیکوکار نہ بھی ہوں] ج ۲۸ ص ۵۰۸

⑤ اہلسنّت علم اور حفاظت جماعت کے امین ہیں

بنابریں دو امانتوں کے یکساں طور پر امین ہیں ان میں سے کوئی بھی اہمیت وحیثیت میں دوسری سے کم نہیں ہے۔ ایک علم، زندگی میں اس کے مطابق عمل ودعوت اور جہاد فی سبیل اللہ کی امانت ہے، دوسری ''جماعت مسلمہ'' کے عام اور ہمہ گیر و ہمہ جہت تشخص سے وابستگی

اوراس کی حفاظت و پاسبانی کی امانت ہے۔اہلسنّت ان دونوں کے امین ہیں جوصرف اور صرف شرع حکیم ہی کا خاصہ ہے۔ یہ ہوائے نفس کی بندگی اور رسم ورواج کی پابندی سے آزاد رہتے ہیں اور مذہب طریقے یا گروہ بندی وغیرہ کو اپنے اوپر غالب نہیں ہونے دیتے۔

[اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ صرف یہی ہے کہ جو کچھ اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کو دے کر مبعوث کیا ہے اور جو کچھ اپنی کتابوں میں نازل کیا ہے اسے بیان کیا جائے، رسول جو تعلیمات اللہ تعالیٰ کے ہاں سے لے کر آئے ہیں ان کی تبلیغ کی جائے اور اللہ عزوجل نے علماء سے جو میثاق لے رکھا ہے اس کو پورا کیا جائے۔ بنابریں رسولوں کی تعلیمات کا علم حاصل کرنا، ان پر ایمان لانا، ان کو آگے پہنچانا، ان کی دعوت دینا اور اس کی خاطر جہاد کرنا انسان کا فرض ٹھہرتا ہے اور یہ بھی کہ وہ تمام اقوال اور اعمال جن میں لوگوں نے اختلاف کر رکھا ہے خواہ وہ اصول سے متعلق ہوں یا فروع سے، ظاہر سے ہوں یا باطن سے، ان سب کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی کسوٹی پہ پرکھے۔ ہوائے نفس جو رسم ورواج، مذہب، طریقوں، قیادتوں اور بزرگوں کی صورت میں عام ہے کسی کی پیروی نہ کرے نہ ہی گمان وظن کی اتباع کرے مثال کے طور پر ضعیف حدیث، قیاس فاسد...... قیاس شمول ہو یا قیاس تمثیل...... یا ایسے شخص کی تقلید جس کے قول یا عمل کی پیروی واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ظن اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئی ہدایت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں] ج ۱۲ ص ۴۶۷

⑥ ولاء اور وفاداری صرف حق کے لئے

اہلسنّت والجماعت کی ولاء (محبت، تعلق اور وفاداری) سب سے پہلے صرف اور صرف حق سے ہوتی ہے پھر اسی کو واحد بنیاد بناتے ہوئے وہ ہر شخص، گروہ یا جماعت سے اپنا رویہ ،سلوک اور موقف طے کرتے ہیں نہ کہ کسی مبنی بر جاہلیت تعصب کی بنا پر مثلاً قبیلہ (ذات برادری) وطن، علاقہ، مذہب ومسلک، طریقت، جماعت، گروہ یا قیادت وغیرہ۔

[کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مدح وتعریف یا مذمت، محبت یا بغض، موالات (تعلق اور وفاداری) یا دشمنی، درود یا لعنت میں سے کوئی بھی کام ایسے نام یا تشخص کی بنا پر کرے جسے اللہ عزوجل نے موردالزام ٹھہرایا مثلاً قبیلہ (ذات برادری) وطن یا علاقہ، مذہب (مذاہب ومسالک) اماموں اور مشائخ سے منسوب طریقت یا کوئی بھی ایسی بنیاد جس سے کوئی پہچان یا تشخص قائم ہوتا ہو...... چنانچہ جو شخص بھی ایمان رکھتا ہے اس کے ساتھ ولاء (دوستی، تعلق اور وفاداری) فرض ہو جاتی ہے چاہے وہ کسی بھی نسبت سے منسوب ہو یا کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو اور جو بھی کافر ہے اس سے دشمنی رکھنا فرض ہے چاہے وہ کسی بھی نسبت سے منسوب ہو یا کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو...... مزید براں جو شخص ایمان بھی رکھتا ہو اور اس میں فسق وفجور بھی ہو تو ایسے شخص کے ساتھ اس کے ایمان کے بقدر ولاء وموالات اور اس کے فسق وفجور کے بقدر بغض رکھنا چاہئے کہ وہ صرف گناہوں اور معصیت کی وجہ سے ایمان سے خارج بہر حال نہیں ہو جاتا، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ ایمان، دین، محبت اور بغض ونفرت اور ولاء وموالات اور براءت ومعادات کے معاملے میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کو فاسقوں اور گناہ گاروں کے برابر کر دیا جائے] ج ۲۸ ص ۲۲۷-۲۲۹

⑦ اہلسنّت عمومی طور پر (ولاء) باہم دوستی اور وفاداری رکھتے ہیں

بنابریں اس بات سے قطع نظر کہ کسی کا کسی گروہ، جماعت، فکری روش یا اجتہاد سے نسبت وتعلق ہے ، اہلسنّت والجماعت آپس میں عمومی طور پر ولاء (دوستی ، محبت ، تعلق اور وفاداری) رکھتے ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ وہ سب کے سب ایک ہاتھ کی مانند ہوں۔ایک دوسرے کو کسی غلطی کے باعث معذور باور کرتے ہیں اور باہم بہتان طرازی اور گمراہی کے فتوے لگانے میں جلدی نہیں دکھاتے ۔

[شرعی فرض یہ ہے کہ جو اللہ اور رسول ﷺ کو مقدم رکھتا ہے اسے مقدم رکھا جائے اور جو اللہ اور رسول ﷺ کو موخر رکھتا ہے اسے موخر رکھا جائے ، اللہ اور رسول ﷺ کو جو محبوب ہو اسے محبوب رکھا جائے اور جو اللہ اور رسول ﷺ ناپسند اور قابل نفرت ہو اسے ناپسند اور قابل نفرت ونفرین رکھا جائے ۔جس بات سے اللہ اور رسول ﷺ نے روکا ہے اس چیز سے روکا اور منع کیا جائے ، جو اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی ورضامندی کا باعث ہے اس سے اپنی خوشنودی ورضامندی وابستہ رکھی جائے ، اور یہ کہ مسلمان سب کے سب ایک ہاتھ کے مانند ہوں۔شومئ قسمت کہ بعض لوگوں کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دوسرے کی تضلیل وتکفیر کرتے ہیں (گمراہ اور کافر گردانتے ہیں) ہوسکتا ہے صائب رائے اسی کی ہو یعنی کتاب اور سنت کی موافقت میں ہو، گو اس کے دوسرے مسلمان بھائی نے امور دین میں سے کسی چیز میں غلطی کی ہو یا خطا کھائی ہو، مگر ہر خطا کرنے والا کافر یا فاسق نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خطا اور نسیان معاف کر دیا ہے] ج ۳ ص ۴۲۰

⑧ اہلسنّت کی دوستی اور دشمنی دین کی بنیاد پر ہوتی ہے اور ان باتوں کی

بنیاد پر لوگوں کو نہیں پرکھتے جو اللہ کی طرف سے نہیں

اہلسنّت والجماعت لوگوں کو کسی ایسی بنیاد پر نہیں پرکھتے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں بلکہ ''ما انزل اللہ بہا من سلطان'' کے زمرے میں شامل ہو۔اہلسنّت کسی نام،عنوان،لیبل ،گروہ یا قیادت کی بنا پر تعصب نہیں رکھتے بلکہ ولاء وعداوت دوستی اور دشمنی صرف دین اور تقوی کی بنیاد پر رکھتے ہیں اور محبت صرف اور صرف مسلمانوں کی جماعت (جماعت المسلمین) کے لئے ہی رکھتے ہیں مگر جماعت المسلمین کے صحیح معنی ومراد کے مطابق ،جو کہ قرآن ،سنت اور سلف صالح رضی اللہ عنہم کے راستے ومنہج کا علم کا بلند کرنے والی جماعت ہے۔

[اس سلسلے میں زیادہ لمبی بات نہیں کرنی چاہیئے ،یزید بن معاویہ کے ذکر سے پہلوتہی کرنی چاہیئے ،اس بنیاد پر لوگوں کو پرکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بات ان بدعات میں سے ہے جو اہلسنّت والجماعت کے خلاف ہیں ۔اسی طرح کسی بھی ایسی بنیاد پر امت میں امتیاز کرنا یا کسی کو پرکھنا جائز نہیں ہے جس کا نہ اللہ نے حکم دے رکھا ہو اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلاً کسی سے یہ سوال کیا جائے کیا تم شکیلی ہو یا قرفندی ؟ کیونکہ یہ باطل نام ہیں اور ''ما انزل اللہ بہا من سلطان'' کے ضمن میں آتے ہیں ۔اللہ کی کتاب، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ائمہ سلف سے مشہور یا ماثور اقوال وآثار ہیں نہ کہیں شکیلی کا نام آتا ہے اور نہ کہیں قرفندی کا۔اور مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس سے اس قسم کا سوال کیا جائے تو صاف کہہ دے نہ میں شکیلی ہوں نہ قرفندی ہوں بلکہ میں تو مسلمان ہوں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا پیرو ہوں] ج ۳ ص ۴۱۴

[بلکہ ایسے نام بھی جن سے کسی قدر نسبت ہوسکتی ہے مثلاً کسی امام سے انتساب کی بنا پر

حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ یا کسی شیخ سے انتساب کی بنا پر قادری یا عدوی وغیرہ، یا مثلاً قبائل سے نسبت کی بناء پر قیسی، یمانی وغیرہ، یا علاقوں وغیرہ سے نسبت کی بنا پر شامی، عراقی یا مصری وغیرہ تو ایسے ناموں کی بنا پر بھی لوگوں کو پرکھنا جائز نہیں ہے نہ ہی ان وجوہ کی بنا پر دوستی، محبت اور ولاء یا بغض وعداوت رکھنا ہی کسی طور جائز ہے بلکہ اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل اور باعزت (ایک ہی معیار کی بنا پر ہوسکتا ہے) کہ سب سے بڑھ کر متقی ہو، چاہے کسی طائفہ سے ہو] ج ۳ ص ۴۱۶

[تو پھر ان باتوں کے باوجود امت محمد ﷺ کے لئے یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ تفرقہ واختلاف کا شکار ہوتی رہے حتیٰ کہ آدمی ایک گروہ سے تعلق اور وفاداری وولاء رکھے اور دوسرے سے عداوت اور دشمنی، سب کچھ ظن اور ہوائے نفس کی بنا پر کہ اللہ نے (کسی ایک پر بھی) دلیل وبرہان نہیں اتار رکھی ''ما انزل اللہ بہا من سلطان'' جبکہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو ایسے لوگوں سے بری قرار دیا ہے، چنانچہ یہ اہل بدعات کا فعل ہے جن کی ایک مثال وہ خوارج ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی ''جماعت'' سے مفارقت اختیار کی اور اپنے سب مخالفوں کے قتل وخونریزی کو جائز قرار دیا، لیکن اہلسنّت والجماعت صرف اللہ کی رسی ، حبل اللہ سے ہی اعتصام رکھتے ہیں۔ اس بدعت کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اس شخص کو افضل سمجھے جو اس کی جاہلانہ رائے میں اس کے موافق ہو، دوسرا (جو اس کے موافق نہیں) اللہ سے زیادہ ڈرنے والا متقی اور پرہیزگار ہو!

اس بنا پر بدعتی ناموں کی بنیاد پر امت میں تفریق اور امتیاز کیونکر جائز ہوسکتا ہے جن کی نہ کتاب اللہ میں کوئی حیثیت ہے اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں؟

اور امت میں یہ تفریق جو اس کے علماء مشائخ ،حکمرانوں اور وڈیروں نے پیدا کر رکھی ہے اسی نے دشمنوں کو اس امت کی گردنوں پر مسلط کیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا کام چھوڑ دیا ہے۔

[جب لوگ اللہ عزوجل کے احکامات کے ایک حصے کی تعمیل ترک کر دیتے ہیں تو ہمیشہ ان میں دشمنی اور بغض وعداوت جنم لیتی ہے۔ جب بھی کوئی امت تفرقے میں پڑتی ہے فساد اور ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہے اور جب تک مجتمع رہتی ہے صالح اور جہانبانی سے سرفراز رہتی ہے کیونکہ ''جماعت'' باعث رحمت ہوتی ہے اور تفرقہ باعث عذاب] ج ۳ ص ۴۱۹-۴۲۱

⑨ تالیف قلوب اور اجتماع کلمہ

اہلسنّت والجماعت ہمیشہ اجتماعیت ''جماعت'' کی شیرازہ بندی، جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنے، زیادتی کرنے والے کی زیادتی اور غلطی کرنے والے کی غلطی سے عفو ودرگزر کرنے، اسے راستی کی طرف دعوت اور اس کے لئے ہدایت، راستی بھلائی اور مغفرت کی دعاء ایسے دائرے میں رہتے ہوئے (دینی تحریکی) کام کرتے ہیں۔

[آپ جانتے ہیں کہ ''دین'' کی وحدت واجتماعیت کی عظیم الشان بنیادوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں تالیف وشیرازہ بندی کی جائے، ان کے کلمہ کو جمع رکھا اور ان کے مابین اندرونی طور پر صلح وصفائی اور پیار ومحبت کی فضا پیدا کی جائے۔ اللہ عزوجل کا حکم ہے: ''**فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ**'' کہ اللہ سے ڈرے رہو اور آپس میں صلح واصلاح کرتے رہو (الانفال: ۱)۔ اس طرح کی اور بے شمار نصوص ملتی ہیں جن میں ''جماعت'' واکٹھ، اجتماعیت اور شیرازہ بندی پر زور دیا گیا ہے اور تفرقہ واختلاف سے منع

کیا گیا ہے اس ''اصل عظیم'' کے حاملین ''اہل الجماعۃ'' ہیں جبکہ اس سے خارج ہونے والے اہل تفرقہ ہیں۔ جبکہ ''مذہب سنت'' کی بنیاد اطاعت رسول ہے۔

مجھے سخت ناپسند ہے کہ اپنے ساتھی تو کجا عام مسلمانوں میں بھی کسی کو ظاہری یا باطنی کسی بھی طرح، کسی بھی طرح کی اذیت پہنچے۔ نہ مجھے ان میں سے کسی پر عتاب یا ملامت بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے ہر شخص کی حیثیت ومنزلت کے بقدر میرے دل میں جتنی عزت، احترام، پیار ومحبت اور تعظیم ہوسکتی ہے اسے کئی گنا بڑھ کر محسوس کرتا ہوں۔ مسلمان کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو وہ مجتہد صائب الرائے ہوگا یا اس کا اجتہاد غلط ہوگا یا پھر گناہ گار ہوگا جہاں تک درست اور صائب اجتہاد کرنے والے کا تعلق ہے تو اس کو اجر بھی دوگنا ملتا ہے اور دین میں وہ قابل قدر بھی ہوتا ہے، جہاں تک اجتہاد میں غلطی کرنے والے کا تعلق ہے تو اس کو بھی اجر ملتا ہے اس کی غلطی بھی معاف ہوتی ہے اور اس سے مغفرت کا وعدہ بھی ہے، رہا تیسرا شخص تو اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں بھی اسے بھی اور تمام مسلمانوں کو معاف اور درگزر کرے...... پھر یہ بھی علم ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو مل کر نیکی اور تقوی کے معاملے میں باہم تعاون کرنا ہے ......ہم سب پر پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ کر اور شدت سے یہ فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد ونصرت کریں......

میں تمام مسلمانوں کے لئے خیر اور بھلائی کا طلب گار ہوں ہر مومن کے لئے مجھے وہی خیر اور بھلائی مطلوب ودرکار ہے جو اپنے لئے ہے...... نیک اور صالح مقصد ونصب العین والے آخرت میں جزائے خیر کے مستحق ہوں گے اور نیک اور صالح اعمال والے اپنے اعمال کی یقیناً جزائے خیر پائیں گے۔ رہے اہل سیئات وگناہ گار تو ہماری التجا ہے کہ وہ ان پر

تائب ومہربان ہوجائے] ج ۲۸ ص ۵۰-۵۷

[علماء صحابی وتابعین اور مابعد کے اہل علم جب کبھی کسی مسئلے میں اختلاف کیا کرتے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً. اگر تمہارے درمیان کسی بات میں باہم اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا کرو بشرطیکہ تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بہتر اور افضل ترین تاویل ہے (النساء: ۵۹)۔ چنانچہ وہ حضرات علمی (اعتقادی) وعملی مسائل میں بحث ومباحثہ بھی کیا کرتے تھے مگر اس کے باوجود ان کی باہمی الفت، عصمت اور دینی اخوت برقرار رہتی تھی] ج ۲۴ ص ۱۷۲

فصل چہارم

اہلسنّت کے متفقہ اصول

اہلسنّت والجماعت کے بیشتر اہم ''اصول'' پر متفق ہیں جو کہ ان کی پہچان بن چکے ہیں اور ان کے عقائد کی ترجمانی کرتے ہیں، مزید یہ کہ وہ ''اصول'' ہیں جن میں سے آئندہ صفحات میں ہم ان متفق علیہ ''اصول'' کا اجمالی ذکر کریں گے ①۔

[امابعد:......فرقہ ناجیہ جو تاقیامت فتح مندر رہے گا اور وہ اہل سنت والجماعت ہیں......کا عقیدہ یہ ہے: اللہ کے ساتھ ایمان، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور بعث بعداز موت (دوبارہ زندگی) پر ایمان اور اللہ کی تقدیر پر ایمان اچھی ہو یا بری] ج ۳ ص ۱۲۹

① اہلسنّت کا عقیدہ بابت صفات الٰہی: اثبات بلا تکییف اور تنزیہ بلا تعطیل

[اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان لانے میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنا جو کوئی وصف بیان کیا ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اس کا جو وصف بیان کیا ہے ان اوصاف وصفات کے ساتھ اسی طرح ایمان رکھا جائے، تحریف کی جائے نہ تعطیل، تکییف کی جائے نہ تمثیل، اس کی بجائے اہلسنّت کا عقیدہ یہ ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. کہ اس کی مثل کوئی نہیں ہے اور وہ سننے دیکھنے والا

① : یہاں ہم ان تمام اصولوں سے تعرض نہیں کریں گے۔ جن پر سب کے سب اہل ملت اسلامیہ نے اتفاق کیا ہے یا جو اصول ان مذکورہ اصول سے متفرع ہوتے ہیں اور ان کا دین میں سے ہونا ہر کس وناکس کے علم میں ہے۔ اسی طرح ہم ایجاب وتحریم کے متفق علیہ مسائل بھی تعرض نہیں کریں گے اور نہ ہی ان متفقہ مسائل سے جن کی تفصیل احکام کی کتابوں میں اجماع، قواعد فقیہ اور فروع فقیہ ایسے مباحث میں مل سکتی ہے۔ مثال کے طور پر متعہ حرام ہے یا مثلاً موزوں پر مسح جائز ہے یا اس قسم کے دیگر مسائل جن پر اہلسنّت کے اجماع کی وجہ سے اہلسنت کی پہچان یا شعار کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

ہے(الشوری: ۱۱)۔ چنانچہ اللہ نے اپنا جو وصف بیان کیا۔ نہ تو اس کی نفی کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تحریف کرتے ہیں کہ لفظ کو اپنے اصل معانی سے ہٹا دیا جائے نہ ہی اللہ عزوجل کے اسماء (ناموں) اور آیات میں الحاد (انکار) کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی صفات کی کیفیت کی مانند یا مثل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بلند ہے اور پاک ہے نہ تو اس کا کوئی ہم نام ہے اور نہ کوئی ہم سر، نہ کوئی اس کے برابر ہے اور نہ اس کو مخلوق پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وہ تو اس سے بہت بلند و بلا اور عظیم تر ہے وہ اپنے بارے میں اور دوسروں کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ کوئی اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا نہیں ہے وہ اپنی تمام مخلوق سے افضل اور بہتر بات کرتا ہے۔

پھر ان لوگوں کے برعکس جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے بات کرتے ہیں، اس کے تمام رسول سچے ہیں اور ان کو سچا ماننا فرض اور جزو ایمان ہے، اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: **سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۝ وَ سَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ.** تمہارا رب (ان اوصاف) سے جو یہ بیان کرتے ہیں بلند ہے جو کہ رب العزت ہے، اور سلامتی ہے رسولوں پر اور سب کی سب تعریف اور حمد و ثناء اسی اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے(الصافات: ۱۸۲)۔ چنانچہ یہاں اللہ عزوجل نے اپنی ذات کو ان اوصاف سے کہیں بلند و پاک اور عظیم قرار دیا ہے جو رسولوں کے مخالفین اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں، اور رسولوں کے لئے سلامتی رکھی ہے کیونکہ اللہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ باتیں نقص وعیب سے سلامت رہی ہیں۔ اللہ عزوجل ...... کہ ہر عیب سے پاک ہے ...... نے جہاں اپنی صفات اور نام بیان کئے ہیں تو وہاں نفی اور اثبات

دونوں کا ذکر کیا ہے (عیوب ونقائص کی نفی اور خوبیوں کا اثبات) چنانچہ اہل سنت والجماعت اصولوں کی لائی ہوئی ہدایت سے بالشت بھر ادھر ادھر نہیں ہوتے کہ یہی صراط مستقیم اور سیدھا راستہ ہے، ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، جو کہ نبیین ،صدیقین ،شہداء اور صالحین ہیں] ج ۳ ص ۱۲۹-۱۳۰

② [اہلسنّت کا قرآن کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ کلام اللہ اور غیر مخلوق ہے بلاشک وشبہ، امت کے سلف اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے ،(اس کی طرف سے) نازل شدہ ہے، غیر مخلوق ہے اسی سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا......اور یہ بھی ان کا مذہب ہے کہ نبی صادق وامین سے جو یہ باتیں ثابت ہیں ان کی تصدیق کرنی چاہیے: اللہ عزوجل با آواز کلام کرتا ہے، آدم علیہ السلام کو اللہ عزوجل کا باآواز پکارنا ثابت ہے اور اسی قسم کی دیگر احادیث کی تصدیق بھی واجب ہے، اس عقیدے پر امت کے سلف اور ائمہ اہل سنت رہے ہیں] ج ۳ ص ۴۰۱-۴۰۲

③ اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل کو دنیوی زندگی میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

[وہ تمام احادیث جن میں یہ آتا ہے: ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رای ربہ بعینہ فی الارض . کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر اپنے رب کو بعینہ دیکھا ہے۔ تو وہ سب کی سب جھوٹی ہیں اس بات پر تمام مسلمانوں اور ان کے تمام علماء کا اتفاق ہے۔ مسلمانوں میں سے کسی عالم نے یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی نے یہ روایت کی ہے......

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو زمین پر اپنی

آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ ہی اللہ عزوجل آپ کے لئے زمین پر اترے ہیں۔

اسی طرح ہر وہ شخص جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آپ نے وفات سے پہلے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے تو اہلسنّت والجماعت کا اتفاق ہے کہ اس کا یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی بھی مومن موت سے پہلے اپنی ان آنکھوں سے سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا اور صحیح مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: واعلموا ان احدا منکم لن یری ربہ حتی یموت. کہ جان لو کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی موت سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا] ج ۳ ص ۳۸۶-۳۸۹

④ اہلسنّت، جنت میں مومنین کے دیدار الٰہی پر متفق ہیں

[اپنی آنکھوں کے ساتھ دیدار الٰہی جنت میں مومنوں کا انعام ہوگا۔اسی طرح لوگ میدان قیامت میں بھی اللہ کو دیکھیں گے جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے...... یہ احادیث اور اس قسم کی دیگر روایات جو صحیح احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں ان کو سلف اور ائمہ نے صحیح سمجھ کر قبول کیا ہے اور ان پر اہلسنّت والجماعت کا اتفاق ہے۔

ان احادیث کی تکذیب اور تحریف صرف جہمیہ کرتے ہیں یا ان کے پیچھے چلنے والے معتزلہ اور رافضی یا اس قبیل کے دوسرے فرقے جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے دیدار ایسے امور کو جھٹلاتے ہیں اسی بناء پر یہ معطلہ ہیں جو کہ پوری مخلوق اور خلقت میں بدتر ہیں ۔ایک طرف یہ لوگ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت میں جو دیدار الٰہی ہونے کی خبر دی ہے اس کی بھی تکذیب کرتے ہیں، دوسری جانب وہ غالی (غلو کرنے والے) ہیں جو اس کی

تصدیق تو کرتے ہیں مگر غلو یہ کرتے ہیں کہ اللہ کا دیدار ان آنکھوں کے ذریعے دنیا میں بھی ہو جاتا ہے، جبکہ یہ دونوں ہی باطل ہیں اور اللہ کا دین ان دونوں کے وسط میں ہے......

تمام پیغمبروں اور ان کی تصدیق کرنے والے مومنین اور کتاب اللہ کے حاملین کا یہ مذہب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام جہانوں کا خالق ہے زمین وآسمان اور ان کے مابین جو کچھ ہے، ان سب کا رب ہے،۔عرش عظیم کا رب ہے اور تمام مخلوق سب کے سب اس کے بندے ہیں اور اسی کے محتاج ہیں وہ خود تمام عیبوں سے پاک، آسمانوں سے کہیں بلند و بالا اپنے عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے الگ ہے مگر اس کے باوصف سب جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے]ج ۳ص ۳۹۰-۳۹۳

⑤ نبی اکرم ﷺ نے بعد از موت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، اہلسنّت ان سب اخبار پر ایمان رکھتے ہیں۔

[یوم آخرت پر ایمان میں یہ شامل ہے کہ اللہ کے نبی آخر الزماں ﷺ نے موت کے بعد ہونے والی جن جن باتوں کی خبر دی ہے ان سب کے ساتھ ایمان لایا جائے، چنانچہ اہلسنّت والجماعت فتنہ قبر، عذاب قبر اور قبر میں نعمتوں کے ملنے پر ایمان رکھتے ہیں ......تا آنکہ قیامت کبری آجائے گی اور روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹایا جائے گا......لوگ اپنی قبروں سے نکل کر ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ، جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے، سورج ان کے بے انتہاء قریب ہوگا اور وہ پسینے سے ٹھوڑیوں تک شرابور ہوں گے، میزان (ترازو) نصب کیئے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال تلیں گے اور اعمال نامے تقسیم کیئے جائیں گے، جو کہ عملوں کا ریکارڈ ہوگا، کچھ کو اعمال نامے دائیں

ہاتھ میں ملیں گے اور کچھ کو بائیں ہاتھ میں یا پس پشت سے......اللہ مخلوقات کا حساب لے گا ،اپنے بندہ مومن کو شرف بخشے گا اور اس سے اس گناہوں کا اعتراف کرائے گا ،جیسا کہ کتاب وسنت میں بیان ہوا ہے۔

رہے کفار تو ان کا ایسا حساب تو نہ ہوگا کہ ان کی نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں کہ ان کی نیکیاں تو ہے ہی نہیں، تاہم ان کے اعمال کا حساب وشمار ہوگا، اسی کی بنا پر ان کا انجام ہوگا اور اسی کے مطابق ان کو بدلہ (عذاب) دیا جائے گا۔

حشر قیامت کے دوران میں وہ حوض بھی ہوگا جس سے محمد ﷺ مشروب پلائیں گے ......صراط ہوگی جو کہ جنت اور دوزخ کے درمیان پل ہوگا لوگ اس پر اپنے اعمال کے بقدر گذر سکیں گے ایسے بھی ہوں گے جو وہاں اچک لیے جائیں گے اور جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے...... جو خوش نصیب پل صراط سے گزر گیا جنت میں چلا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ اس پر سے گزریں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک گزرگاہ پر کھڑے کئے جائیں گے جہاں ایک دوسرے کا بدلہ لے دیا جائے گا۔ جب انکی صفائی اور تنقیہ ہو جائے گی تو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی ۔سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوانے والے محمد ﷺ ہوں گے۔ امتوں میں بھی سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی آپ ﷺ ہی کی امت ہوگی۔

آپ ﷺ کو روز قیامت تین قسم کی شفاعت ملے گی:

ایک شفاعت تو اہل محشر کے لئے ہوگی تا کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے۔

دوسری شفاعت اہل جنت کے بارے میں ہوگی کہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے، اور یہ دونوں شفاعتیں آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

تیسری قسم کی سفارش ان لوگوں کے لئے ہوگی جو دوزخ کے مستحق ہوں گے اور یہ شفاعت آپ ﷺ کو بھی اور تمام انبیاء علیہم السلام وصدیقین اور دیگر خاص حضرات کو ملے گی چنانچہ یہ ان لوگوں کے بارے میں جو دوزخ کے مستحق قرار پائیں گے یہ سفارش کریں گے کہ انہیں دوزخ میں داخل نہ کیا جائے اور جو دوزخ میں ہوں گے ان کے بارے میں سفارش کریں گے کہ ان کو وہاں سے نکال دیا جائے بہت سے لوگوں کو اللہ عزوجل بغیر کسی کی شفاعت کے صرف اپنے فضل اور رحمت ہی سے دوزخ نکال دے اور اہل دنیا سے جو پہلے ہی جنت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ ان کو بھی جنت میں باقی ودائم رکھے گا۔تمام اہل دنیا کے جنت میں چلے جانے کے بعد بھی جنت میں جگہ رہ جائے گی تو اللہ اس کے لئے اور اقوام کو پیدا فرمادے گا] ج ۳ص ۱۴۵-۱۴۸

اہلسنّت والجماعت ''قدر'' اوراس کے تمام درجات پر ایمان رکھتے ہیں:

[فرقہ ناجیہ......اہلسنّت والجماعت ......قدر پر ایمان رکھتے ہیں اچھی بھی اور بری بھی دونوں پر ان کا ایمان ہے۔قدر کے ساتھ ایمان کے دو درجے ہیں اور ہر درجے میں دو امور ہیں؛

پہلا درجہ:

الف :اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ جو کچھ مخلوق کرے گی ،اپنے قدیم علم کی ازلی صفت کی بنا پر اللہ عزوجل کو سب کچھ معلوم ہے اسی طرح طاعات ،معاصی ،رزقوں اور عمروں

ایسے تمام احوال جن سے ان بندوں کو گزرنا ہے اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم ہیں۔

ب: پھر اللہ عزوجل نے لوح محفوظ میں مخلوق کی تقدیریں لکھ دی ہیں ......اور یہ تقدیر جو کہ ان کے عمل کی بناپر ہے بااجمال وتفصیل ہر دو طرح سے وجود رکھتی ہے، چنانچہ اس نے جو چاہا لوح محفوظ میں لکھ دیا اور جب ماں کے پیٹ میں بچے کو پیدا کرتا ہے تو اس کے جسم میں روح پھونکنے سے پہلے اس کی طرف ایک فرشتہ روانہ کرتا ہے جسے چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے: اس کا رزق، اس کی اجل (عمر)، اس کا عمل اور یہ کہ وہ بدبخت ہوگا یا نیک بخت وغیرہ وغیرہ۔

جو یہ امور ہیں ان کا انکار پرانے زمانے میں غالی قسم کے قدریہ کیا کرتے تھے اور اس دور میں بھی کچھ لوگ ان کا انکار کرتے ہیں۔

دوسرا درجہ: اللہ کی اس مشیت اور ہمہ گیر قدرت پر ایمان رکھا جائے جو ہر چیز پر جاری وساری ہوتی ہے۔ یعنی یہ ایمان کہ جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا، اور یہ کہ آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پہنائیوں تک میں اللہ عزوجل کی مشیت کے بغیر نہ کوئی حرکت ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز ساکن ہوتی ہے، اس کی بادشاہی میں جو وہ چاہتا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز چاہے وہ وجود رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو قادر اور قدیر ہے چنانچہ زمین میں نہ آسمان میں کہیں کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اللہ کی پیدا کی ہوئی نہ ہو، نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ اس کے سوا کوئی رب۔

ب: اس کے باوصف اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو اپنی اور اپنے رسولوں کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور اپنی معصیت ونافرمانی سے منع فرمایا ہے اور وہ ...... کہ ہر عیب

سے پاک ہے......متقین، محسنین اور مقسطین کو پسند کرتا ہے اوران سے محبت کرتا ہے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں سے خوش اور راضی ہوتا ہے کافروں کو پسند نہیں کرتا، فاسق لوگوں سے کبھی راضی اور خوش نہیں ہوتا، فحشا کا کبھی حکم نہیں دیتا، اپنے بندوں کے لئے کفران نعمت یا کفر پسند نہیں کرتا، اسی طرح فساد کو بھی پسند نہیں کرتا۔ افعال حقیقت میں بندے ہی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق ہے بندہ مومن بھی ہوتا ہے اور کافر بھی، نیکوکار بھی ہوتا ہے اور فاجر بھی غازی بھی ہوتا ہے اور روزہ دار بھی۔ بندوں کو اپنے اعمال پر قدرت بھی حاصل ہے اور ارادہ بھی، جبکہ اللہ ان کا بھی خالق ہے اور ان کے ارادہ وقدرت کا بھی

[قدر کا جو درجہ ہے ،فرقہ قدریہ کے عام لوگ اس کو جھٹلاتے ہیں جن کو نبی اکرم ﷺ نے اس امت کے مجوس کا نام دیا تھا، اس کو ماننے والوں میں سے بھی بعض لوگ غلو کر کے دوسری انتہاء پر پہنچ جاتے ہیں حتی کہ وہ بندے کے کسی اختیار یا قدرت کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام سے اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو خارج کر دیتے ہیں] ج ۳ص ۱۴۸-۱۵۰

⑦ اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ ہے ایمان قول اور عمل ہے جو گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی

[اہلسنّت کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے قول دل اور زبان کا اور عمل دل، زبان اور اعضائے جسمانی کا اور یہ کہ ایمان اطاعت سے بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے اور معصیت سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے] ج ۳ص ۱۵۱

[جہاں تک اہلسنّت والجماعت کا تعلق ہے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، ائمہ سنت

وحدیث اور جمہور فقہاء وصوفیہ، امام مالک، سفیان ثوری، امام اوزاعی، حماد بن زید، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ ایسے امام ور اہل کلام کے محققین سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان اور دین قول اور عمل (کا نام) ہے صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ایسے سلف کے یہی الفاظ ہیں اگرچہ کسی جگہ ایمان سے عمل کا مغایر (یعنی صرف قول) مراد ہوسکتا ہے لیکن سب کے سب اعمال صالحہ دین اور ایمان کے معنی میں داخل ہیں۔قول میں دل اور زبان کا قول شامل ہے اور عمل میں دل اور اعضائے جسمانی کے عمل شامل ہیں] ج ۱۲ص ۴۷۱

⑧ اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ ایمان کی اصل بھی ہے اور فروع (شاخیں) بھی اور جب تک اصل زائل نہ ہو ایمان زائل نہیں ہوتا۔ بنابریں اہلسنّت، اہل قبلہ میں سے کسی کو مطلق معاصی کی بنا پر کافر قرار نہیں دیتے، تا آنکہ اصل ایمان ہی زائل ہو جائے۔

[مفسرین مذہب اہلسنّت اس بات کے قائل ہیں کہ اس کے (ایمان کے) اصول بھی ہیں اور فروع بھی اور وہ ارکان، واجبات...... جو ارکان نہیں ہوتے مگر واجب ہوتے ہیں ......اور مستحبات پر مشتمل ہے، بالکل حج، نماز یا دیگر عبادات ہی کی طرح مثلاً لفظ حج میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو اس میں شریعت نے بتائی ہے چاہے حج میں کرنے والے کام ہوں چھوڑنے والے...... پھر اس کے ساتھ حج کچھ ارکان پر مشتمل ہے جن کو چھوڑ دیا جائے تو حج باطل ہو جاتا ہے مثلاً وقوف عرفہ، اسی طرح کچھ باتیں ممنوع ہیں جن کو کیا جائے تو حج فاسد ہو جاتا ہے مثلاً جماع وغیرہ، پھر حج کے کچھ واجبات ہیں یعنی کچھ کام کرنے اور کچھ چھوڑے واجب ہیں کہ اگر ان کو عمداً ترک کیا جائے تو گناہ لازم آتا ہے......ان کے علاوہ کچھ مستحبات ہیں یعنی کچھ کام کرنے اور کچھ چھوڑنے سے ثواب ہوتا ہے ان سے حج کی تکمیل و تحسین ہوتی

ہے مگران کے ترک سے گناہ لازم نہیں آتا......تاہم جو مستحبات پرعمل کرتا ہے تو زیادہ بہتر ،کامل تر اورثواب کا باعث ہوتا ہے......لیکن جس سے حج کا رکن ہی چھوٹ جائے یا حج کرے تو سہی مگرکسی ایسے کام کاارتکاب کرے کہ اس کا پوراحج ہی فاسد ہوجائے تو اس سے نہ فرض کی ادائیگی ہوتی ہے اور نہ وہ شخص ہی اس سے عہدہ برآ ہوتا ہے......اسی طرح عام مشاہدے کی بات ہے درخت ہی کو لے لیں درخت تنے ، پتوں اور شاخوں کے مجموعے کا نام ہے اگر پتے بھی نہ رہیں تو وہ بھی درخت ہی رہتا ہے شاخیں بھی چلی جائیں تو بھی درخت تو رہتا ہے مگر اس میں نقص واقع ہوجاتا ہے ۔ایمان اور دین کی بالکل ایسی ہی صورتحال ہے۔ایمان تین درجے کا ہوتا ہے ایک سابقین مقربین (والسابقون السابقون اولئک المقربون) کا ایمان ہے جس میں فعل وترک (یعنی فرائض سرانجام دینے اور محرمات سے گریز) کے واجبات (فرائض)اور مستحبات کی تعمیل ہوتی ہے ۔دوسرے درجے کا ایمان مقتصدین اور اصحاب الیمین کا ایمان ہے جس میں فعل وترک کے واجبات (فرائض) کی تعمیل ہوتی ہے تیسرے درجے میں ظالمین ایمان ہے جس میں بعض واجبات (فرائض) چھوٹ جاتے ہیں اور بعض محظورات (جن کوترک کرنے کا حکم ہے) کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔

بنابریں علماء اہلسنّت نے خوارج کی اس بدعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کے تحت وہ مطلق گناہ کی بناپر تکفیر کرتے ہیں اہلسنّت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا ہے کہ اہلسنّت اہل قبلہ میں سے کسی کی مطلق گناہ کے ارتکاب کی بناء پر تکفیر نہیں کرتے ۔ جہاں تک تو اصل ایمان کا تعلق ہے تو وہ جو کچھ رسول اور انبیاء علیہم السلام لے کر مبعوث ہوئے ہیں اس کے ،تصدیق

،سرِتسلیم خم اور انقیاد کے ساتھ اقرار کا نام ہے۔ یہ اصل ایمان ہے جس شخص میں یہ نہیں وہ مومن نہیں ہے......اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی تبعیض اور تجزیہ ممکن نہیں (یعنی کسی میں اس کا کچھ حصہ ہو اور کچھ نہ ہو) اور یہ کہ کسی میں اگر ایمان کا ایک چھوٹا جزو بھی ہے تو وہ بھی اس قابل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی بناء پر دوزخ میں ڈالنے کے بعد آخر کار اسے نکال لے نہ کہ جیسے اہلسنّت کے عقیدے سے خروج کرنے والے کہتے ہیں کہ ایمان کی تبغیض اور تجزیہ ممکن نہیں ہے (یعنی کسی میں اس کا کچھ حصہ ہو اور کچھ نہ ہو) بلکہ (بقول ان کے) یہ ایک ایسی ناقابل تقسیم چیز ہے جو یا تو پوری کی پوری ہوگی اور یا پھر بالکل سے سے نہیں ہوگی] ج ۱۲ اص ۴۷۲-۴۷۵

[اس کے باوصف، اہلسنّت والجماعت، خوارج کے برعکس اہل قبلہ کی مطلق معاصی (گناہوں) اور کبائر (کبیرہ گناہوں) کی بناء پر تکفیر نہیں کرتے، بلکہ اخوت ایمانی معاصی کے باوجود باقی رہتی ہے......ایسے فاسق سے جو ملت کے دائرے کے اندر ہے، اہلسنّت لفظ ایمان کی بالکلیہ نفی نہیں کرتے اور نہ ہی، جیسے کہ معتزلہ کہتے ہیں، ایسے شخص کو مخلد فی النار سمجھتے ہیں بلکہ فاسق بھی لفظ ایمان کے دائرے میں داخل ہوتا ہے...... یہ تو ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان مطلق کے دائرے میں داخل نہ ہو......تاہم اہلسنّت اس کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ناقص ایمان والا مومن ہے، یا یہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان رکھنے کی بنا پر مومن ہے اور اپنے کبیرہ (گناہ) کی بنا پر فاسق ہے، لہٰذا نہ تو وہ (ایمان کے) لفظ مطلق کا مستحق ہے اور نہ ہی وہ مطلق ایمان سے خارج ہے]

(۹) اہلسنّت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ ایک ہی شخص مستوجب عذاب

اور مستوجب ثواب ہوسکتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی شخص کو متعین کر کے عذاب یا ثواب کو مستحق نہیں ٹھہراتے سوائے یہ کہ اس پر الگ سے کوئی دلیل ہو۔

[لعنت، وعید، (عذاب کے ڈراوے) کے باب میں سے ہے اس لئے کہ اس کی بنا پر عام حکم تو لگ سکتا ہے مگر جہاں تک کسی شخص کو متعین کر کے اس پر اس کے اطلاق کا تعلق ہے، تو ہوسکتا ہے کہ اس شخص سے توبہ، صحیحہ، یا حسنات (نیکیاں) جو گناہوں کو مٹاتی ہیں، یا مصائب و تکالیف جو گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، یا ایسی شفاعت جو اللہ کے ہاں قابل قبول ہو یا اس قسم کے دیگر اسباب کی بنا پر یہ لعنت یا وعید زائل ہوسکتی ہے اور گناہ سرزد کرنے والے کی سزا معاف ہوسکتی ہے۔ یہ اس شخص کے مسئلے میں ہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہو...... بنابریں کسی شخص کو متعین کر کے نہ تو جنت کی پیشینگوئی کی جاسکتی ہے سوائے یہ کہ اسکی الگ سے کوئی دلیل ہو، اور نہ کسی کو متعین کر کے دوزخ کی پیشینگوئی کی جاسکتی ہے سوائے یہ کہ اس پر الگ سے کوئی دلیل ہو۔ مزید برآں کسی کے بارے میں اس ظن کی بنا پر ایسا کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ کسی عموم کے دائرے میں شامل ہے کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ہر دو عموم میں شامل ہو جس کی وجہ سے ثواب کا بھی حقدار ہو اور عذاب کا بھی]

ج٦٣ص٦٦-٦٨، ٢٨٢

[اہلسنّت والجماعت، اور ان کے اتباع کرنے والے تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک بڑی خلقت ایسی ہوگی جن میں مستحق ثواب اور مستحق عذاب کے ہر دو وصف مجتمع ہونگے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے متواتر احادیث میں مروی ہے۔ مزید برآں اہلسنّت والجماعت ہر اس شخص پر جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے لازمی طور پر مستحق عذاب ہونے کا

حکم نہیں لگاتے ،اور نہ ہی ایک گناہ کبیرہ کے سرزد ہو جانے پر کسی مسلمان کو متعین کر کے دوزخی ٹھہراتے ہیں بلکہ ان کے ہاں یہ عین ممکن ہے کہ ایک کبیرہ گناہ کرنے والے آدمی کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی حساب کے جنت میں داخل کر دے یا تو اس بنا پر کہ اس نے اتنی نیکیاں کی ہوں جو اس کے گناہ کبیرہ کو مٹا دیں، یا اس کو اتنی مصائب و تکالیف آئی ہوں جو اس کا کفارہ بن جائیں یا اس نے یا کسی اور نے دعا کی ہو جسے اللہ نے قبول کر لیا ہو یا اس طرح کا کوئی اور سبب ہو] ج ۱۲ص ۴۸۰

[ہم کسی شخص کو متعین کر کے اس کے بارے میں دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگاتے کیونکہ ہمیں اس کا علم نہیں ہے کہ جو وعید عام وارد ہوتی ہیں آیا وہ شخص بھی اس کی زد میں آتا ہے یا نہیں کیونکہ ایک متعین شخص کے اس وعید کی زد میں قطعی طور پر آنے کی کچھ تو شرائط ہیں جو اگر پوری نہ ہوں تو ہم یہ حکم نہیں لگا سکتے اور کچھ موانع ہیں جو اگر موجود ہوں تو بھی یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا جبکہ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ وہ شروط کسی متعین شخص میں پوری ہوتی ہیں یا نہیں نہ ہی یہ کہ وہ موانع غیر موجود ہیں یا نہیں۔ وعید سے جو مطلب نکلتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ یہ گناہ ،عذاب کا سبب اور مقتضی ہے جبکہ سبب کا قطعی اثر انداز ہونا بعض اوقات کسی شرط کے پورا ہونے اور کسی مانع (رکاوٹ) کے دور ہونے پر منحصر ہوتا ہے] ج ۱۲ص ۴۸۴

[اہلسنّت والجماعت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم، اہل بیت اور ازواج مطہرات سے حب اور ولاء و تعلق رکھتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کے ماسوا کسی کی عصمت کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

اصول اہلسنّت والجماعت میں یہ بات شامل ہے کہ ان کے دل اور زبانیں رسول اللہ

ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے صاف رہیں ......اہلسنّت ،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو فضائل ومراتب کتاب ،سنت اور اجماع میں مذکور ہیں ان سب کو تسلیم کرتے ہیں ، بنابریں (من انفق من قبل الفتح و قاتل)یعنی صلح حدیبیہ......سے ماقبل انفاق وقتال کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کے بعد انفاق وقتال کرنے والوں کی بہ نسبت افضل مانتے ہیں ،مہاجرین کو انصار پر مقدم رکھتے ہیں ۔اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرما رکھا ہے......جو کہ تقریباً تین سو تیرہ تھے......اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ بیعت رضوان کرنے والا کوئی صحابی دوزخ میں داخل نہ ہوگا......رسول اللہ ﷺ نے جس کے بارے میں جنت میں جانے کی شہادت دی ہے اہلسنّت ان سب کے بارے میں جنت میں جانے کی شہادت دیتے ہیں ......اس بات کو بھی دل وجان سے مانتے ہیں ، جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے متواتر روایات میں موجود ہے، کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اس امت میں افضل ترین ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہیں ......اس بات کے بھی قائل ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد خلیفۃ المسلمین ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر علی رضی اللہ عنہ تھے ۔اہلسنّت رسول اکرم ﷺ کے اہل بیت سے بھی حب اور ولاء رکھتے ہیں ، یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی ،خاص طور پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا......اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تنازعات برپا ہوئے تھے ،اہلسنّت والجماعت اس بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں ......اور اس سلسلے میں ان کو معذور ٹھہراتے ہیں کیونکہ وہ حضرات یا تو

درست اجتہاد کرنے والے تھے، یا پھر اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی ......ان سب باتوں کے باوجود اہلسنّت یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ ہر صحابی کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے معصوم تھا بلکہ مجملاً ان سے گناہ ہو سکتے ہیں، ان سے اگر کچھ سرزد ہوا ہے تو ان کے بارے میں ایسی خوشخبریاں اور فضائل بھی ہیں جس سے ان کی مغفرت لازم ہوتی ہے......جبکہ رسول اکرم ﷺ کے فرمان (انھم خیر القرون) ''کہ وہ خیر القرون ہیں'' سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد وہ افضل ترین مخلوق ہیں نہ ان جیسا کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا اور یہ کہ اس امت میں سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے افضل اور سب سے باعزت امت ہے]ج ۳ص ۱۵۲-۱۵۶

⑪ اہلسنّت اولیاء کی کرامات اور ان کے ہاتھ پر رونما ہونے والے خرق عادت واقعات کو مانتے ہیں۔

[اہلسنّت والجماعت کے اصول میں یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے اولیاء① کی کرامات اور ان کے ہاتھ پر جو خرق عادت واقعات رونما ہو جاتے ہیں ان کو مانتے ہیں ان واقعات میں علوم ومکاشفات بھی شامل ہیں اور انواع قدرت وتاثیرات بھی، جیسا کہ پہلی امتوں میں سے سورہ کہف میں واقعہ ماثور ہے اسی طرح امت کے سلف صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور تمام زمانوں کے (نیک لوگوں) کے بارے میں روایات ہیں یہ امور اس امت میں تاقیامت باقی ہیں]ج ۳ص ۱۵۶

⑫ ایسے لوگوں کے بارے میں جو شریعت سے خروج کرتے ہیں اہلسنّت کا

---

①: خیال رہے کہ بات صرف اولیاء اللہ کے بارے میں ہے۔ ہمارے ملک میں اولیاء کا تصور دوسرا رنگ لیے ہوئے ہے جو حقیقت میں اولیاء الشیطان ہیں۔ ملاحظہ ہو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمٰن والیاء الشیطان۔ مترجم

اجماع ہے کہ ان سے قتال کرنا چاہیے چاہے وہ کلمہ گو کیوں نہ ہوں۔

[کتاب وسنت، اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ جو لوگ شریعت اسلامیہ سے خروج کرتے ہیں ان سے قتال کرنا چاہیے، بے شک وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہوں...... ایسے لوگوں کو نبی ﷺ کی دعوت پہنچ چکنے کے بعد، کہ جس کی بنا پر ان سے قتال کیا جاتا ہے، ایسے لوگوں سے خود قتال اور جنگ میں پہل کرنا فرض ہے، اور اگر وہ خود مسلمانوں سے قتال میں پہل کریں تو پھر قتال کی فرضیت مزید پختہ اور لازم ہو جاتی ہے...... جب یہ ① دشمن مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہیں تو ان کو پسپا کرنا ان مسلمانوں پر بھی واجب ہے جن کو ہدف بنایا گیا ہے اور ان پر بھی واجب ہو جاتا ہے جن کو نشانہ نہیں بنایا گیا، تاکہ وہ ان کا ساتھ دیں۔ اور اس فرضیت کا اطلاق ہر شخص پر اس کے جان ومال کے ساتھ اس کی استطاعت وقدرت کے مطابق ہوتا ہے، تعداد میں قلت ہو کثرت، پیدل چلتا ہو یا سواری میسر ہو، بالکل ایسے جیسے جنگ خندق میں مسلمانوں کے ساتھ صورت پیش آئی اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت نہ دی...... چنانچہ اس جہاد کی نوعیت یہ ہے کہ یہ مسلمان کے دین حرمت اور ان کی جانوں کے دفاع کی خاطر ضروری ہے اور یہی قتال اضطرار ہے②۔

---

①: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے تاتاریوں کی بابت دریافت کیا گیا جو کہ ۶۹۹ھ میں شام پر حملہ آور ہوئے یہ لوگ اس وقت تک اسلام سے نسبت کر چکے تھے اور شہادتین ادا کرنے کے بعد کلمہ گو ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود اپنے درمیان "یاسق" کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ یاسق ان کے قانون کی کتاب تھی جس میں بعض آسمانی ، احکامات بھی تھے اور بعض چنگیز خان کی اپنی رائے، اور ہوائے نفس سے بنے ہوئے احکامات تھے چنانچہ وہ کتاب اس کے بیٹوں میں شرع وقانون کی حیثیت کی حامل تھی جس کے مطابق وہ اعراض ودماء ایسے معاملوں میں فیصلے کیا کرتے تھے (ملاحظہ ہو مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/۵۰۱)۔ ②: اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت ⇐

(۱۳) اہلسنّت شرائع اسلام کے قیام کی خاطر اپنے امراء کے ساتھ مل کر قتال کرتے ہیں چاہے وہ نیک ہوں یا ابرار ہوں، چاہے گناہ گار ہوں و فاجر ہوں۔

[بنابریں اہلسنّت والجماعت کے اصول میں یہ شامل ہے کہ ہر نیکوکار و گناہ گار امیر کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے، کیونکہ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد ایک گناہ گار یا فاجر آدمی کے ذریعے بھی کرسکتا ہے ور ایسے لوگوں کے ذریعے سے بھی جو نیکی سے تہی دامن ہوں۔ اس لئے دو امور میں سے ایک لازمی طور پر اختیار کرنا پڑے گا یا تو ان امراء کے ساتھ مل کر قتال چھوڑ دیا جائے جس کی بنا پر دوسروں کا غلبہ یقینی ہوگا جو کہ دین اور دنیا دونوں پہلوؤں سے زیادہ بڑے ضرر اور نقصان کے حامل ہیں یا پھر ایک فاجر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے جس کے نتیجے میں اس سے کہیں زیادہ بڑے فاجروں

⇦ نے بہت طویل و عریض بحث کی ہے، مسئلہ کی قدرے وضاحت کے لئے ایک اور پیرا بھی ملاحظہ ہو۔ مترجم۔

''ہر وہ گروہ جو اسلام کے ظاہر و متواتر احکام و شرائع میں سے کسی بھی حکم کو قائم کرنے سے اجتناب برتے، چاہے یہ تاتاری ہوں یا غیر تاتاری، ان سے قتال فرض ہے تا آنکہ اسلام کے قوانین و شرائع کی پابندی نہ کرنے لگیں، اگرچہ وہ اس کے ساتھ ساتھ شہادتین کے اقراری (کلمہ گو) ہی کیوں نہ ہوں، یا حتی کہ بعض دیگر احکامات کے پابند بھی کیوں نہ ہوں...... تو معلوم ہوا کہ جب تک اسلام کے احکامات کی عملاً پابندی نہ ہو جائے، اس وقت تک اسلام کو خالی اپنا لینے سے قتال ساقط نہیں ہو جاتا، اس لئے جب تک دین سارے کا سارا ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے نہ ہو جائے اور جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے قتال واجب ہے۔ چنانچہ جب دین (اطاعت و پابندی حکم وقانون) غیر اللہ کے لیے ہو جائے تو قتال واجب ہو جاتا ہے...... چنانچہ وہ لوگ جو اسلام کے ظاہر و متواتر احکامات و قوانین کی پابندی نہیں کرتے، ان سے قتال کے واجب ہونے پر میں علماء اسلام میں کوئی بھی اختلاف نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ. اس لئے اگر دین کچھ تو اللہ کے لئے اور کچھ غیر اللہ کے لئے ہو تو قتال واجب ہوگا جب تک دین سارے کا سارا اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/۵۰۲-۵۱۱)

اور بدکاروں کا پسپا کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ مکمل طور پر نہ سہی بیشتر احکام اسلام کا قیام ہوسکتا ہے، اس صورت حال یا اس قسم کے حالات میں یہی واجب ہے بلکہ بیشتر جنگیں جو خلفائے راشدین کے بعد لڑی گئی ہیں وہ اسی پہلو اور اسی نقطہ نظر ہی کی بنا پر لڑی گئی ہیں①] ج ۲۸ ص ۵۰۶

①: یہ بات امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے بعد تک کہ زمانہ کے امراء کے بارے میں تھی جو مجموعی طور پر احکام اسلام کا قیام کرتے تھے۔ تاہم موجودہ دور کے حکمران جو کہ درآمد شدہ قوانین کے نفاذ کے علاوہ داخلی اور خارجہ پالیسی میں کفار مغرب کی پیروی کرتے ہیں وہ اس صنف میں شامل ہونے کی بجائے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ذکر کردہ گروہ ''شریعت سے خروج کرنے والے کلمہ گو'' لوگوں میں شمار ہونے کے زیادہ قابل ہیں۔ ملاحظہ ہو پچھلا پیرا مترجم

فصل پنجم

وہ امور جن میں اہلسنّت والجماعت کے ہاں اختلاف قابل قبول ہے

اہلسنّت والجماعت کے ہاں بعض ایسے امور ایک سے زیادہ اجتہاد ہو سکتے ہیں جن میں سلف سے اختلاف منقول ہے اور ایسے مسائل میں اختلاف کرنے والے کی تضلیل نہیں ہو سکتی (گمراہ قرار نہیں دیا جا سکتا) ان میں سے کچھ مسائل ہم بطور احاطہ تو نہیں، بطور مثال بیان کیئے دیتے ہیں

① [بعض اہلسنّت کے مابین حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں اختلاف ہوا تھا جبکہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر تو ان کا اتفاق تھا مگر اول الذکر کے ایک دوسرے کے افضل ہونے کے بارے میں اختلاف تھا چنانچہ کچھ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم سمجھتے تھے اور اس کے بعد خاموشی اختیار کرتے تھے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا نمبر قرار دیتے تھے، کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کرتے تھے اور کچھ بالکل خاموشی اختیار کرتے تھے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا موقف ہی اہلسنّت کے ہاں قرار پکڑ گیا۔ اگر چہ یہ مسئلہ یعنی حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا مسئلہ اہلسنّت کے ان اصول میں سے نہیں ہے جن میں جمہور اہلسنّت کے ہاں مخالف یا اختلاف کرنے والوں کو گمراہ قرار دیا جائے گا وہ ان کی خلافت کا مسئلہ ہے، کیونکہ اہلسنّت کا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور جو ان ائمہ میں سے کسی کے بھی خلافت میں طعن کرے وہ اپنے گھر میں بندھے ہوئے گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے] ج ۳ ص ۱۵۳

② [دوسری قسم کے امور میں وہ مسائل ہیں جو مثلاً سلف میں سے کسی کا قول ہوں، یا بعض علماء یا بعض لوگوں کا موقف، اور وہ حق بھی ہوں، یا ایسے مسائل جن میں اجتہاد ہوسکتا ہے، یا کسی کا مذہب ہو...... اگر چہ ایسے بیشتر مسائل اصول اہلسنّت کے موافق ہیں مگر ان میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن میں اگر انسان مخالفت کرے تو اس پر مبتدع ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا مثلا بندے پر ن اللہ سب سے پہلی نعمت کا مسئلہ، چنانچہ اس مسئلے میں اہلسنّت کے مابین اختلاف ہے تاہم نزاع لفظی ہے کیونکہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ وہ لذت یا راحت جس کے پیچھے دکھ ہوگیا اسے نعمت کہا جاسکتا ہے یا نہیں!!] ج ۳ ص ۳۸۶

③ [چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات سے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یانہیں ان کا کہنا ہے: ''من زعم ان محمدا رای ربه فقد اعظم علی الله الفرية'' کہ جو یہ سمجھتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کررکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ اور بہتان جڑتا ہے۔ جبکہ جمہورِ امت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ہیں اس کے باوصف وہ ان لوگوں کو بدعتی قرار نہیں دیتے جو ام المومنین کے موقف کے قائل ہیں اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کا بھی انکار کرتی ہیں کہ مردے، کسی زندہ کی بات کو سن سکتے ہیں۔ جب ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے سامنے یہ حدیث ذکر کی گئی ''ان النبی ﷺ قال: ما انتم باسمع لما اقول منهم'' کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (بدر کے کافر مردوں کے بارے میں) کہ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ نے تو یہ کہا تھا (یعنی آپ کا مطلب تو یہ تھا) کہ وہ اس وقت پوری طرح جانتے ہیں کہ جو میں نے ان سے کہا

وہی حق ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف ہے جبکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مردے جوتے کی چاپ کو سنتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے ''وما من رجل یمر بقبر الرجل کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه ، الا رد اللّٰه علیه روحه حتی یرد علیه السلام '' کہ انسان کی قبر کے پاس سے اس کا دنیا میں کوئی بھی واقف کار جب گزرتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کی روح لوٹا تا ہے تا آنکہ وہ سلام کا جواب دے لے۔

یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر ام المومنین نے تاویل کی ہے......اللہ ان سے راضی ہو جائے......ایسا معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا ہے، ان سے منقول ہے کہ معراج کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے ساتھ ہوا تھا جبکہ لوگ (اہلسنّت) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے برعکس ہیں۔ اسی قسم کے مسائل اور بھی بیشمار ہیں۔

یہ تو ہوا دوسرے امور میں، جہاں تک ''احکام'' کا تعلق ہے تو ان میں تو جس قدر اختلاف ہوا ہے وہ ضبط میں لایا ہی نہیں جا سکتا، چنانچہ ہر وہ مسئلہ جس میں دو مسلمان اختلاف کرلیں تو اس کی بنا پر ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیا کرتے تو آج مسلمانوں میں کوئی عصمت باقی نہ ہوتی نہ کوئی اخوت، حتی کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی جو کہ مسلمانوں کے سردار ہیں بعض باتوں میں اختلاف کر لیتے تھے مگر اس میں خیر خواہی اور حق کی خواہش کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غزوہ بنی قریظہ کے دن فرمایا تھا ''لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة

فادركتهم العصر فى الطريق ، فقال قوم لا نصلى الا فى بنى قريظة ففاتهم العصر، وقال قوم ، لم يرد مناتا خيرالصلاة فصلوا فى الطريق فلم يعب واحدا من الطائفتين ’’کہ کوئی شخص نماز عصر بنی قریظہ پہنچے بغیر ادا نہ کرے (صحابہ رضی اللہ عنہم چلے) تو ان کو راستے ہی میں وقت عصر نے آلیا۔ کچھ لوگ کہنے لگے ہم تو بنی قریظہ ہی میں نماز ادا کریں گے چنانچہ ان کی نماز عصر فوت ہوگئی۔ کچھ لوگ کہنے لگے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ نماز لیٹ کریں چنانچہ انہوں نے راستہ ہی میں نماز ادا کرلی۔ رسول اکرم ﷺ نے دونوں گروہوں میں سے کسی سے بھی کچھ نہ کہا۔ امام بخاری اور مسلم رحمہ اللہ نے صحیحین میں بروایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ حدیث ذکر کی ہے۔ یہ مسائل احکام کے دائرے میں آتے ہیں چونکہ یہ اہم ’’اصول‘‘ میں نہیں اس لئے احکام ہی میں شمار ہوتے ہیں] ج ۲۴ ص ۱۷۲-۱۷۴

④ اس بات پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو شخص (توحید اور رسالت) دونوں شہادتیں نہیں دیتا وہ کافر ہے، تاہم جہاں تک اعمال اربعہ (نماز، زکوۃ، روزہ اور حج) کا تعلق ہے ان کے تارک کی تکفیر (کافر قرار دیئے جانے) کے بارے میں ان میں اختلاف موجود ہے۔ چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اہلسنّت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں ہوسکتی (یعنی کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا) تو اس سے ہماری مراد زنا یا چوری جیسے گناہ اور معاصی ہیں۔ تاہم جہاں تک (اسلام کے) ان ارکان کا تعلق ہے تو ان کے تارک کے کافر ہونے کے بارے میں نزاع مشہور ہے] ج ۷ ص ۳۰۲

⑤ اسی طرح اس مسئلے میں بھی مسلمانوں کے مابین اختلاف موجود ہے کہ آیا

فصد، سینگیاں لگانے، زخم یا نکسیر کے ذریعے خون نکل جانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح قی (الٹی) کے بارے میں بھی اختلاف ہے اور اس مسئلے میں دو قول مشہور ہیں: نبی اکرم ﷺ سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا ہے، بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے مگر کہیں یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے وضو کو ضروری یا واجب بھی قرار دیا ہو، بلکہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم غزوات میں جاتے تھے تو نماز ادا کرتے اور وضو نہ کرتے۔ بنا بریں علماء کے ایک گروہ کا مسلک ہے کہ اس سے وضو مستحب ہے مگر واجب نہیں۔ اسی طرح ''مس ذکر'' اور شہوت کی حالت میں عورت سے مس کے بارے میں بھی یہی مسلک ہے کہ اس سے وضو مستحب ہے مگر واجب نہیں۔ اسی طرح ''قہقہے سے وضو'' اور ''مما مست النار'' کے بارے میں بھی یہی مسلک اپنایا کہ ان سے وضو مستحب تو ہے واجب نہیں، چنانچہ جو وضو کرتا ہے وہ بہتر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا تو بھی کوئی حرج نہیں۔ یہی قول اغلب ہے یہاں ان مسائل کا ذکر کرنا مقصود نہیں بلکہ بطور مثال بیان کیا ہے۔ اسی طرح میراث کے بھی بہت سے مسائل میں اختلاف ہے مثلاً دادا اور مشرکہ کا مسئلہ اور اسی قسم کے دیگر وراثت کے مسائل۔ طلاق، ایلاء اور اس قسم کے بے شمار مسائل میں اختلاف ہے، بلکہ بے شمار ایسے مسائل جو عبادات، نماز روزہ اور حج سے تعلق رکھتے ہیں اختلاف موجود ہے۔ اسی طرح زیارت قبور کے مسائل ہیں کچھ لوگ اسے مطلقاً مکروہ کہتے ہیں کچھ لوگ جائز قرار دیتے ہیں اور کچھ لوگ اگر یہ شرعی طریقے سے ہو تو مستحب قرار دیتے ہیں اور یہ آخری قول ہی بیشتر حضرات کا ہے ''نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کے بارے میں بھی اختلاف موجود ہے آیا مسجد میں سلام کرتے وقت قبلہ رخ ہونا

چاہیے یا حجرہ رخ؟ اور کیا سلام کرنے کے بعد آپ ﷺ کے لئے دعا کرنے کے لئے کھڑا ہوا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بھی نزاع ہے کہ دونوں مسجدوں میں کون سی افضل ہے، مسجد حرام یا مسجد نبوی ﷺ؟] ج ۳۵ ص ۳۵۸-۳۶۰

فصل ششم

مفارقین (اہل) سنت و جماعت کے عمومی خصائل

① جہالت اور حکم بر ہوائے نفس

اہلسنّت سے مفارقت کرنے والے، دو وجوہات کی بناء پر ایسا کرتے ہیں، پہلا یہ کہ حق سے جاہل ہوتے ہیں اس لئے ظن کی بنا پر اور علم کے بغیر حکم لگاتے ہیں، دوسرا باعث ہوئے نفس ہوتا ہے، چنانچہ وہ ظلم کی بنا پر اور عدل کے بغیر حکم لگاتے ہیں۔

[غالبًا سب سے پہلا خروج کرنے والا آدمی رسول اکرم ﷺ کے عہد ہی میں تھا۔ چنانچہ جب اس نے نبی ﷺ کو مال غنیمت تقسیم کرتے دیکھا تو بول اٹھا: یا محمد اعدل فانك لم تعدل فقال له النبی ﷺ "لقد خت و خسر ان لم اعدل" فقال له بعض اصحابه : دعنی یارسول اللّٰہ اضرب عنق هذا المنافق ، فقال : انه یخرج من ضئضیي هذا القوم یحقر احدکم صلاته مع صلاتهم و صیامه مع صیامهم و قراء ته مع قراء تهم.......الحدیث. محمد انصاف کرو تم نے انصاف نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا میں ناکام و نامراد ہوں اگر انصاف نہ کروں۔ ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: اس آدمی کی پشت سے ایسے لوگ نکلیں گے کہ تم ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو، ان کے روزوں کے سامنے اپنے کے روزوں کو اور ان کی قراءت کے سامنے اپنی قراءت کو ہیچ سمجھو گے......

الغرض بدعات کی ابتدا ظن اورھوی کی بنا پر سنت میں طعن کرنے سے ہوئی جس طرح کی ابلیس نے اپنے رب کے حکم میں اپنی رائے اورھوی کی بنا پر طعن کی] ج ۳ ص ۳۵۰

② تضاد آراء، فرقہ بازی اور دشمنی

جہل اورھوی مفارقین سنت کو کثرت وتضاد آراء کی دھکیل دیتے ہیں۔ مزید براں ایک طرف ان کو ''اختلاف'' کے دلدل میں دھنساتے ہیں اور دوسری طرف فرقہ بازی مخالفت اور عداوت کی راہ پر ڈالتے ہیں۔

[رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی، خاص طور پر وہ متاخرین امت جو کتاب اور سنت کی معرفت میں پختہ ہیں نہ فہم وتفقہ میں صحیح اور سقیم احادیث میں درست امتیاز کر سکتے ہیں نہ صحیح اور غلط قیاس میں، اس پر مستزاد یہ کہ اھواء وخواہشات کا ان پر غلبہ ہے، کثرت آراء کے یہ شکار ہیں، اختلاف وافتراق، دشمنی اور عداوت وشقاق میں پرلے درجے کے ضدی ہیں۔ یہی اور اس قسم کے دوسرے اسباب انتہائی جہالت اور ظلم کی وجہ سے ان لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان کی ہیں: ''وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا '' اس امانت کو انسان نے اٹھالیا۔ یقیناً وہ بہت زیادہ ظلم کرنے والا اور بہت ہی جاہل تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ بندے پر احسان کرتا ہے تو اسے علم وعدل سے نوازتا ہے جس کی بدولت اسے اس گمراہی سے بچالیتا ہے] ج ۳ ص ۳۷۸

③ دین میں غلو

مفارقین اہل سنت پر یہ نوبت بسا اوقات غلو کی وجہ سے بھی آتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول امین ﷺ نے قابل مذمت ٹھہرایا ہے۔

[جب نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین کے عہد میں ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو بے تحاشا عبادت کرنے کے باوجود اسلام سے منسوب بھی تھے مگر اس کے خلاف بغاوت اور خروج کرنے والے بھی تھے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے قتال کرنے کا بھی حکم دیا، تو اس سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ اس دور میں اسلام سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والے بھی اسلام اور اہلسنّت سے بغاوت اور خروج کر سکتے ہیں حتیٰ کہ اہلسنّت کا دعوی بھی ایسے لوگ کر سکتے ہیں جو اہلسنّت ہوتے نہیں، بلکہ ان سے قطعی طور پر خارج ہوتے ہیں۔ اس کے اسباب میں سے ایک غلو بھی ہے جسے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بے انتہاء قابل مذمت ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: **یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ**...... الآیۃ ''اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر ایسی کوئی بات مت کہو جو حق نہ ہو...... نبی اکرم ﷺ نے فرما رکھا ہے: ایاکم والغلو فی الدین ، فانما اھلك من كان قبلكم الغلو فى الدين ''خبردار، دین میں غلو سے باز رہنا ،تم سے پہلو کو دین میں غلو ہی نے تباہ و برباد کیا ہے'' اور یہ حدیث صحیح ہے۔

انہی اسباب میں سے ''تفرقہ'' اور ''اختلاف'' ہے جن کا اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں عزیز میں ذکر رکھا ہے۔

انہی اسباب میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہیں مگر اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ آپ ﷺ پر صاف جھوٹ ہے۔ ایک جاہل جب ان جھوٹی (موضوع) احادیث کو سنتا ہے تو چونکہ وہ اس کے ظن اور ہوائے نفس کے مطابق ہوتی ہے

اس لئے ان کو فوراً مان لیتا ہے۔

گمراہی وضلال میں سب سے بڑی گمراہ ظن اور ہوائے نفس کی پیروی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں فرمایا ہے: **اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَ لَقَدْ جَآءَ هُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى.** (النجم:۲۳) ''یہ لوگ صرف اور صرف ظن اور ہوائے نفس کے پیچھے چلتے ہیں جبکہ ان کے رب کی طرف سے ان کو صاف صاف ہدایت پہنچ چکی ہے''۔ جبکہ اپنے نبی کے بارے میں (اسی سورت میں) اللہ عزوجل نے فرمایا: **وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۞ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۞ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى.** (النجم:۱-۳) ''ستارے کی قسم ہے جب وہ کرتا ہے، تمہارا ساتھی (نبی) نہ تو بہکا ہے اور نہ ہی بھٹکا ہے، اور نہ ہی یہ اپنی خواہش (ہوائے نفس) سے کوئی بات کرتا ہے۔ اس کی جو بات ہے وہ وحی ہے جو کہ اس پر اتاری جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو ضلال اور غوایہ (گمراہی) سے منزہ قرار دیا ہے جو کہ اصل میں جہل اور ظلم ہے، چنانچہ جاہل وہ ہے جو حق کا علم نہیں رکھتا اور غاوی (گمراہ) وہ ہے جو خواہش (ہوائے نفس) کے پیچھے چلتا ہے اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس کا رسول ہوائے نفس سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ وہ صرف اور صرف وحی ہوتی ہے جسے اللہ نے آپ پر اتارا ہوتا ہے۔ چنانچہ ''علم'' آپ کے لئے بطور وصف بیان کیا ہے اور ہوی سے آپ کو منزہ وبالا قرار دیا ہے] ج ۳ ص ۳۸۴

④ جہل بالحق اور نفاق

مفارقین اہلسنّت میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو حق سے جاہل ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو

منافقین ہیں اور پھر کچھ ایسے ہیں جو ان منافقین کی باتوں میں آجاتے ہیں اوران تمام اصناف کےلوگ بسا اوقات آخرالذکر کے لئے فتنہ بن جاتے ہیں۔

[کتاب اللہ کی تفصیل وتفسیر میں جو اختلاف ہوتا ہے بعض اوقات تو خیر معتبر علماء دین میں مسائل اجتہاد کے دائرے کے اندر ہوتا ہے مگر بسا اوقات ایسے لوگ اختلاف ونزاع کرتے ہیں جو دین سے کورے اور جاہل ہوتے ہیں، یا منافقین ہوتے ہیں یا پھر ایسے لوگ جو منافقین کی باتوں میں آجاتے ہیں چنانچہ اللہ عزوجل نے یہ بتایا ہے: ''**وفیکم سماعون لھم**'' کہ مسلمانوں کے مابین ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو منافقین کی باتوں میں آکر ان کو قبول کر لیتے ہیں ......اور جو بیشتر حق کا تیا پانچا ہوتا ہے تو وہ یا ان پڑھ جاہلوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور یا ان تحریف کرنے والے منافقین کے ہاتھوں ......پھر یا تو دونوں (مذکورہ) گروہ ہی گمراہ ہوجاتے ہیں اوراول الذکر کی بات دوسروں کے لئے فتنہ بن جاتی ہے کیونکہ وہ جاہلوں کی باتوں کی بابت یہ اعتقاد رکھ لیتے ہیں کہ وہ علم دین میں حرف آخر ہے اور نتیجتاً دو متضاد انتہاؤں پر ہو لیتے ہیں، اور یا پھر وہ جاہل بعض گمراہیوں میں ان تحریف کرنے والے منافقین کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔امتوں اور ملتوں کی پٹڑی تبدیل ہونے اور اکھڑنے کے بھی اسباب ہیں۔تاہم اس دین کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے] ج ۲۵ ص ۱۲۸-۱۳۱

۵ تعصب اور مخالف سے زیادتی

مفارقین سنت بغیر کسی علم اور انصاف کے، افراد کی خاطر تعصب میں نہایت غلو کرتے ہیں اسی طرح ان مسائل میں بھی جن میں اجتہاد ہوسکتا ہے وہ غالی متعصب ہوتے ہیں اور

اپنے سے اختلاف رکھنے والوں پر سرکشی اور زیادتی کرتے ہیں۔

[چنانچہ جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی شخص کو یہ درجہ دیتا ہے کہ جو اس سے محبت کرتا اور موافقت رکھتا ہے اس کا شمار اہلسنّت والجماعت میں ہوگا اور جو اس سے اختلاف رکھتا ہے اسے اہل بدعت اور اہل تفرقہ گردانتا ہے۔ جیسا کہ بعض مقلدین ائمہ میں موجود ہے اور ان کے، دین میں کلام وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو یہی اہل بدعت وضلال اور اہل تفرق ہیں] ج ۳ص ۳۴۷

[جو اپنے سے اتفاق کرنے والے سے ہی ولاء (محبت اور دوستی) رکھے، اختلاف رکھنے والے سے دشمنی رکھے اور اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں افتراق پیدا کرے، آراء اور اجتہادات کے مسائل میں جو اس کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا اسے کافر اور فاسق قرار دے اپنے مخالف سے، جو کہ اس کی موافقت نہیں کرتا، قتال کو جائز قرار دے، تو ایسے ہی لوگ اہل تفرق اور اہل اختلاف ہیں] ج ۳ص ۳۴۹

⑥ کسی شخص یا کلام کو ایسا درجہ دیتے ہیں کہ امت میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔

مفارقین (اہل) سنت، رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی شخص یا اللہ اور رسول کے کلام اور اجماع امت کے علاوہ کسی کلام کی بنا پر محبت و دوستی اور بغض و دشمنی رکھتے ہیں۔

[لوگوں کا جو نزاع واختلاف ہے اسے آسمان سے نازل شدہ کتاب کے علاوہ اور کوئی چیز دور نہیں کر سکتی۔ اگر لوگ اسے اپنی عقلوں کی طرف لوٹانے لگیں تو ہر ایک کی الگ عقل ہے اور یہاں سے اس شخص کے گمراہ ہونے کا پتہ چل سکتا ہے جو کوئی نیا طریقہ یا اعتقاد ایجاد کر کے یہ زعم رکھتا ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا حالانکہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے اس کا ذکر نہیں کیا پھر جو ویسے ہی نصوص کے برخلاف ہو وہ تو بالاتفاق بدعت ہے۔امام مالک رحمہ اللہ سے ایک قول مروی ہے: انا اقل العلم ظهر الجفا و انا قلت الاثار كثـــــرت الاهـــواء۔ کہ جب علم کم ہوجاتا ہے تو جفا میں اضافہ ہوجاتا ہے اور جب آثار (احادیث ومرویات) کم ہوجائیں تو اھواء وخواہشات زیادہ ہوجاتی ہیں۔

بنابریں بے شمار ایسے لوگ ملتے ہیں جو ایسی اھواء کی وجہ سے کسی سے محبت اور کسی سے بغض ونفرت رکھتے ہیں جن کے نہ معنی کا ان کو علم ہوتا ہے اور نہ دلیل کا۔بس وہ مطلق انہی باتوں کی بنا پر کسی سے محبت وتعلق رکھتے ہیں اور کسی سے بغض اور دشمنی حالانکہ نہ تو وہ نبی ﷺ سے صحیح طور پر منقول ہوتی ہیں اور نہ سلف امت سے بلکہ ان کے مطلب ومعنی کو خود بھی نہیں سمجھ رہے ہوتے اور نہ ہی ان کے نتائج اور تقاضوں کو جانتے ہیں۔اس کی وجہ ایسے اقوال کو علی الاطلاق قبول کرلیتا ہے جو منصوص نہیں، ان کو مذاہب بنا کر ان کی طرف دعوت اور پھر اس کی بنا پر دوستی اور دشمنی (کے معیار قائم) کرنا ہے، جبکہ صحیح حدیث میں یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: ان اصدق الكلام كلام الله. کہ بے شک وشبہ سب سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے......'' لہٰذا مسلمانوں کا دین تو کتاب اللہ، سنت نبوی اور اجماع امت کی اتباع پر مبنی ہے اور صرف یہی تین اصول معصوم ہیں، پھر جس مسئلے میں امت کا نزاع ہوجائے اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا جائے۔کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ امت کے لئے سوائے نبی کے کسی شخص کو ایسے منصب پر فائز کرے کہ اس کے طریقے کی دعوت دے، اس کی بنا پر دوستی اور دشمنی رکھے۔بلکہ یہ ان اہل بدعات کا فعل ہے جو اپنے لیے کوئی بھی ایسا شخص یا ایسا کلام مقرر کرلیتے ہیں جس سے نسبت کی بناء پر ہی وہ

تعلق اور دوستی رکھتے ہیں اور اسی کی بناء پر دشمنی، یوں امت میں تفریق وتفرقہ پیدا کرتے ہیں۔ خوارج نے بھی تو اپنے عقائد کے مطابق قرآن کی کچھ آیات کی تاویل کی تھی، پھر جو اس کی مخالفت کرتا اسے کافر قرار دینے لگے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ قرآن کی مخالفت کرتا ہے۔ بنابریں جو آدمی ایسے اقوال ایجاد کرتا ہے جن کی اصل قرآن میں موجود نہیں اور پھر ان کی مخالفت کرنے والے کو کافر قرار دیتا ہے اس کا قول خوارج کے قول سے بھی بدتر ہے]

ج ۲۰ ص ۱۶۳-۱۶۴

⑦ سرکشی وزیادتی اور تفریط

مفارقین (اہل) سنت میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نہایت سرکش اور زیادتی وبغاوت کرنے والے ہوتے ہیں اور ایسے لوگ بھی جو تفریط کرنے والے جاہل ہوتے ہیں ۔[بیشتر اہل بدعات، مثلاً خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ اور ممثلہ ایسے لوگ پہلے ایک اعتقاد بناتے ہیں جو کہ ضلال وگمراہی ہوتا ہے مگر وہ اسے ہی حق سمجھ لیتے ہیں پھر اس میں جو ان کا مخالف ہوتا ہے اسے کفر پر سمجھتے ہیں۔ یہیں سے ان کے تانے۔ حق سے کفر کرنے اور مخلوق پر ظلم کرنے میں اہل کتاب سے بخوبی مل جاتے ہیں اور شاید یہ بیشتر تکفیری (کافر کہنے والے) ایسی باتوں کی بنا پر تکفیر کرتے ہیں جن کی نہ حقیقت قابل فہم ہوتی ہے اور نہ حجت کا پتہ ہوتا ہے۔

یہ لوگ جو باطل کی بنا پر تکفیر کرتے ہیں انہی کے ساتھ ان لوگوں کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے جو اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو کماحقہ نہیں جانتے یا اس میں سے کچھ جانتے ہیں اور کچھ سے جاہل ہوتے ہیں۔ پھر جو جانتے ہیں اسے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے بلکہ

چھپاتے ہیں، نہ ان بدعات سے روکتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سراسر خلاف ہیں، نہ اہل بدعات کو برا ہی کہتے ہی اور نہ ہی ان کا تعاقب کرتے ہیں، بلکہ شاید سنت اور اصولِ دین کے خلاف بات کرنے کی مذمت بھی کر دیتے ہیں مگر یہ امتیاز واضح طور پر بیان نہیں کرتے کتاب اللہ، سنت نبوی اور اجماع امت سے کیا ثابت ہوتا ہے اور اہل بدعت وتفرقہ کیا کہتے ہیں، یا سبھی کو اپنے اپنے مذاہب پر اسی طرح درست باور کرتے ہیں جس طرح علماء کو ان اجتہادی مسائل میں درست باور کیا جاتا ہے۔جن میں اختلاف ہوسکتا ہے، اور یہ طریقہ بیشتر مرجئہ اور بعض فقیہوں، صوفیوں اور فلسفیوں میں رائج اور عام ہے جیسا کہ پہلے والا طریقہ بیشتر اہل ھواء اور اہل کلام میں رائج وعام ہے، اور یہ دونوں ہی طریقے کتاب اور سنت سے منحرف اور خارج ہیں] ج ۱۲ص ۴۶۶-۴۶۷

⑧ اجتہاد اور تاویل میں مخالف کی تکفیر اور تفسیق

مفارقین اہلسنّت اپنے مسلک کے مخالف اجتہاد یا تاویل کو برداشت نہیں کرتے، بلکہ اپنے مخالف کے بارے میں جو فاسق، کافر اور مخلد فی النار جیسے باطل اعتقادات رکھتے ہیں ان کے نہ رکھنے کو ترک سنت میں شمار کرتے ہیں پھر اس پر ایسے احکام کی عمارت تعمیر کرتے ہیں جو بدعت میں مثلاً مخالف کی جان ومال وغیرہ کو مباح قرار دیتے ہیں اور اسی طرح کے دیگر احکام روا رکھنے لگتے ہیں۔

[سنت اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اہل بدعات ان اہل معاصی سے کہیں بدتر ہیں جو شہوانی خواہشات کی بنا پر گناہوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔ یہ قاعدہ بے شمار دلائل کی بنا پر وجود میں آیا ہے، جیسا کہ پیچھے بھی قواعد ہو گزرے ہیں...... پھر اہل معاصی کے گناہ، چوری

،زنا،شراب خوری یا حرام مال کھانے جیسے بعض ایسے کاموں کے ارتکاب کی صورت میں ہوتے ہیں جن سے کہ شریعت میں منع کیا گیا ہے جبکہ اہل بدعات کے گناہ یہ ہیں کہ وہ اتباع سنت اور اتباع جماعۃ المومنین وغیرہ ایسے ان کاموں کو ترک کرتے ہیں جن کا شریعت میں بزور حکم دیا گیا ہے ......پھر جب ایسے بھی ہو کہ وہ (اہل بدعات) اس کے ساتھ ساتھ تکفیر،تفسیق اور تخلید (فی النار) ایسے حرام اور باطل اعتقاد بھی رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو اہلسنّت کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کفار کو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ خالی ترک ایمان ہی جیسا کہ کتاب،سنت اور اجماع سے ثابت ہے،ضلالت و گمراہی ہے،بے شک اس کے ساتھ وجودی اعتقاد نہ ہو،پھر اگر یہ بھی ساتھ ہو تب تو دونوں امور جمع ہو جائیں گے۔ایسے لوگوں کا اگر سنت سے کچھ بھی واسطہ ہوتا تو بدعت میں کبھی نہ پڑتے] ج۲۰ص ۱۰۳-۱۰۵

[خوارج کے خروج کا سبب امیر المومنین حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے وہ امور تھے جو تاویل کی انواع میں سے ہیں مگر ان کو وہ برداشت نہ ہوئے ۔چنانچہ انہوں نے اجتہاد کے مسائل بلکہ نیکیوں تک کو گناہ میں شمار کیا پھر گناہوں کو کفر قرار دیا۔یہی وجہ ہے کہ یہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں نہیں نکلے ایک تو یہ کہ اس زمانے میں تاویل نہیں ہوئی تھی دوسری یہ کہ یہ لوگ کمزور تھے] ج۲۸ص ۴۸۹

[چنانچہ ان لوگوں کی اصل گمراہی اور ضلال یہ ہے کہ ائمہ ہدی (خلفائے راشدین) جو کہ مسلمانوں کی جماعت کے امام تھے کے بارے میں اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں نے عدل سے خروج کیا ہے اور یہ کہ وہ گمراہ تھے۔رافضہ اور ان جیسے دوسرے اہلسنّت سے خروج

کرنے والوں کا یہی اعتقاد ہے پھر جسے اپنے تئیں ظلم سمجھتے ہیں اسے کفر قرار دیتے ہیں پھر اس کفر پر اپنے ایجاد کردہ احکام کی عمارت کھڑی کرتے ہیں جو کہ از خود بدعت ہیں بنا بریں خوارج، روافض اور ان جیسے مفارقین کی یہ تین منازل (سٹیجز) ہیں ہر منزل میں یہ دین اسلام کے کچھ اصول (بنیادوں) کو ترک کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ اسلام سے ایسے نکل جاتے ہیں جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے] ج ۲۸ ص ۴۹۷

⑨ خطاء (غلطی) اور اثم (گناہ) کو یکجا کر دیتے ہیں

مفارقین (اہل) سنت اس اور اس قسم کی دوسری بدعات میں اس لیے بھی پڑتے ہیں کہ وہ خطا (غلطی کرنے لگ جانے) کو اور گناہ کو ایک سا کر دیتے ہیں۔

[جہاں تک صدیقین، شہداء اور صالحین کا تعلق ہے تو گناہوں سے وہ معصوم نہیں ہیں رہا اجتہاد تو اس میں وہ حق کو بھی پا لیتے ہیں اور غلطی بھی کر لیتے ہیں جب اجتہاد درست کرتے ہیں تو ان کو دو نیکیاں ملتی ہیں۔ اور اگر ان کا اجتہاد غلط ہو تو بھی ان کو اجتہاد کرنے سے ایک نیکی ملتی ہے مزید یہ کہ ان کی یہ اجتہاد کی غلطی معاف ہو جاتی ہے۔ جبکہ اہل ضلال و گمراہی خطا (غلطی لگنے) اور اثم (گناہ) کو لازم و ملزوم ٹھہراتے ہیں۔ کبھی تو غلو کی بنا پر کہتے ہیں کہ وہ معصوم ہیں اور کبھی تفریط کر کے کہتے ہیں کہ وہ خطا کی بنا پر باغی ہیں جبکہ اہل علم اور اہل ایمان ان حضرات کو معصوم ہی قرار دیتے ہیں اور نہ ہی گناہ گار اس باب سے بھی اہل بدعات وضلال کے بے شمار فرقے نکلے ہیں] ج ۲۵ ص ۶۹-۷۰

⑩ اہلسنّت والجماعت سے خروج کرتے ہیں اور ان کے خلاف

بغاوت اور ظلم وعدوان کی راہ اپناتے ہیں

مفارقین (اہل) سنت جو اللہ اور رسول ﷺ پر (دوسروں کو اور خواہشات وہوائے نفس کو) بڑھاتے ہیں اور مقدم کرتے ہیں تو اس وجہ سے پہلے مذہب سنت سے خارج ہو جاتے ہیں پھر اہلسنّت پر بغاوت، سرکشی اور ظلم وعدوان کی راہ اختیار کرتے ہیں جس کی بنا پر ''جماعت'' سے بھی خارج ہو جاتے ہیں، یہ ان کی وہ بنیاد ہے جس کے گرد ان کی بدعات واھواء گردش کرتی رہتی ہیں اور اسی سے جنم لیتی ہیں۔

[اسلام میں بلحاظ ظہور سب سے پہلی بدعت جو سنت وآثار کی مذمت میں بھی امتیاز رکھتی ہے وہ باغی خوارج کی تھی۔ان کے دو خاصے بہت مشہور ہیں جن کی بنا پر یہ مسلمانوں کی ''جماعت'' اور ائمہ (خلفاء) سے مفارقین قرار پاتے ہیں:

① پہلی تو یہ ہے کہ (مذہب) سنت سے خروج کرتے ہیں، جو برائی نہیں ہوتی اسے برائی اور جو نیکی نہیں ہوتی اسے نیکی ٹھہراتے ہیں۔اس وصف میں سبھی خلاف سنت بدعات مشترک ہیں کیونکہ ان بدعات کے قائل لازمی طور پر ایک ایسی چیز کا اثبات کریں گے جس کی سنت نفی کرتی ہے اور ایسی چیز کی نفی کریں گے جس کا سنت اثبات کرتی ہے۔اسی طرح لازمی طور پر ایک ایسی چیز کو جسے سنت قبیح قرار دیتی ہے یہ لوگ حسن قرار دیں گے اور جسے سنت حسن قرار دیتی ہے قبیح قرار دیں گے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ بدعت ہی نہیں ہوگی۔اس حد تک یہ بات بعض اہل علم سے بھی بعض مسائل میں سرزد ہو سکتی ہے۔تاہم اہل بدعت تو ظاہر اور معلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔چنانچہ خوارج خود رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ظلم یا جور کا احتمال رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ آپ کی سنت میں بھی غلطی ہو سکتی ہے، چنانچہ

آپ ﷺ کی اطاعت اور متابعت کو فرض نہیں قرار دیتے بلکہ آپ کی صرف ان باتوں میں تصدیق کرتے ہیں جن میں آپ نے قرآن کا ابلاغ کیا ہے جبکہ آپ کی ترویج شدہ سنت کی ان باتوں کو نہیں مانتے ان کے زعم میں قرآن کے ظاہر کے خلاف ہیں۔ خوارج کے علاوہ بھی بیشتر اہل بدعات حقیقت میں خوارج ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں کیونکہ ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے قول کے برخلاف کہا ہوتا تو وہ آپ ﷺ کی اتباع نہ کرتے۔

② خوارج اور اہل بدعات کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ گناہوں (ذنوب اور سیئات) کی بنا پر تکفیر کرتے ہیں پھر اس تکفیر کی بنا پر یہ احکام مترتب ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کے خون اور ان کے مال حلال ٹھہرتے ہیں۔ مسلمانوں کا علاقہ دارالحرب اور ان کا (خوارج وغیرہ) کا علاقہ دارالاسلام قرار پاتا ہے، یہی بات جمہور رافضہ کہتے ہیں اور یہی سوچ جمہور معتزلہ، جہمیہ اور اہل حدیث واہل فقہ سے منسوب بعض غالیوں اور ان کے متکلمین کی ہے۔

یہ ہے بنیاد ان بدعات کی جو کہ سنت کی نص اور اجماع سلف کی رو سے بدعت ہیں یعنی غلطی کو گناہ اور بدی قرار دے دینا اور پھر گناہ کو کفر، مسلمان کو ان دونوں پرخبث بنیادوں سے بہت ہی بچ کر رہنا چاہیے اور ساتھ ان سے جنم لینے والی ان باتوں سے بھی جو کہ مسلمانوں سے بغض، ملامت ومذمت، نفرین ولعنت اور ان کے جان ومال کو حلال قرار دینے کی صورت میں سامنے آتی ہیں جو کہ سنت اور جماعت کے صریحاً خلاف ہیں۔ چنانچہ جو شخص سنت کے ترویج وتشریح کردہ امور کی مخالفت کرتا ہے وہ مبتدع (بدعتی) اور خارج از سنت ہے اور جو کسی ایسے امر کی بنا پر مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے جسے وہ ذنب (گناہ) سمجھتا ہے

، چاہے دین میں یا دین سے باہر، اور (اس بنا پر) ان مسلمانوں سے کافروں ایسا رویہ کرتا ہے وہ مفارق ''جماعت'' ہے۔ بیشتر بدعات اور اھواء عام طور پر انہی دو امور سے جنم لیتی ہیں۔ جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے تو اس میں وہ غلطی جس کی بنا پر تکفیر کر دی جاتی ہے تاویل فاسد یا قیاس فاسد کی طرح ہوسکتی ہے مثلاً رسول اکرم ﷺ سے اس آدمی کو حدیث پہنچی ہو مگر صحیح نہ ہو یا کسی اور کا قول یا اثر ہو جس کی وہ تقلید کرتا ہو جبکہ اس کا کہنے والا حق کے موافق نہ ہو، یا پھر تاویل ہو کہ قرآن کی کسی آیت، کسی صحیح یا ضعیف حدیث یا کسی مقبول یا مردود (غیر ثابت) اثر کی تاویل کرتا ہو، جبکہ یہ تاویل صحیح نہ ہو، یا قیاس فاسد یا کوئی ایسی رائے ہو جسے وہ صواب سمجھتا ہو جبکہ حقیقت میں وہ خطا ہو۔ قیاس رائے اور ذوق کی غلطی عام طور پر متکلمین، متصوفین اور فقہاء کے ایک گروہ میں ہوتی ہے۔ جبکہ صحیح یا ضعیف نصوص کی تاویل کی غلطی عام طور پر ایسے لوگوں میں پائی جاتی ہے جو متکلمین، محدثین، متصوفین اور فقہاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ رہی کسی گناہ یا سنت کے مطابق اعتقاد کی بنا پر تکفیر تو یہ خوارج کا مذہب ہے ۔سنت کے مطابق اعتقاد رکھنے کی بنا پر تکفیر روافض، معتزلہ اور ان کے علاوہ بھی بہت سوں کا مذہب ہے۔ جہاں تک بدعت پر مبنی کوئی اعتقاد رکھنے کی بنا پر تکفیر کا تعلق ہے تو وہ میں نے دوسری جگہ بیان کر دیا ہے بعض اوقات ایسی تاویلات کی بنا پر تکفیر کے علاوہ بھی بعض اوقات کچھ لوگ بغض، شدید مذمت وملامت یا سزا وایذاء سے کام لیتے ہیں جو کہ ''عدوان'' ہے یا ترک محبت، ترک دعاء واحسان کا انداز اپناتے ہیں جو کہ تفریط ہے اور یہ سب کچھ جائز نہیں ہے ان سب امور کا مجمل اختصار یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے حق میں ظلم ہے، جیسا کہ میں نے دوسرے مقامات پر بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے

بعض تلامذہ سے فرماتے ہیں: اکثر مـا یخطئ الناس من جهة التاویل و القیاس. بیشتر غلطیاں لوگ تاویل اور قیاس کے باب میں کرتے ہیں] ج۱۹ص ۷۱-۷۵

مخالفین اہلسنّت کا حکم

مخالفین (اہل) سنت میں سے بعض اجتہادی غلطی پر ہوتے ہیں، بعض ایسے ہوتے ہیں جو جاہل اور لاعلم ہونے کے باعث معذور ٹھہرتے ہیں، بعض ظالم اور متعدی ہوتے ہیں بعض منافق زندیق ہوتے ہیں اور بعض مشرک اور گمراہ۔ لہٰذا ان سب کے بارے میں ہم الگ الگ گفتگو کریں گے۔

① مجتہد مخطی

بہت سے مخالفین (مذہب) سنت ایسے ہوتے ہیں جو کسی غلط اجتہاد کے باعث سنت کے برعکس ہوتے ہیں جبکہ حق کی طلب اور جستجو میں انہوں نے اپنے تئیں بھرپور کوشش کر لی ہوتی ہے، یا ایسا ہوتا ہے کہ ان کے علم شرعی میں نقص کے باعث ایسا ہو جب کہ ان کا اس میں بس نہ چلتا ہو، یا مثلاً تاویل وغیرہ کرتے ہوں خاص طور پر جبکہ دوسروں کے موقف میں انہیں شبہات وغیرہ نظر آتے ہوں لیکن وہ ان تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کچھ مقدم نہیں ٹھہراتے اور نہ ہی عمداً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ ظاہر اور باطناً اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔

[فرقہ ناجیہ کے عقائد اسی فرقہ کے عقائد ہیں جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے نجات کی پیشینگوئی کی تھی جیسا کہ آپ ﷺ کی اس حدیث میں ملتا ہے کہ آپ نے فرمایا ''میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے بہتر دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور یہ وہ فرقہ ہوگا جو اس (راستے اور عقیدے) پر رہے گا جس پر آج میں

اور میرے صحابہ ہیں'' چنانچہ یہ عقائد نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور ہیں اور یہ حضرات اور ان کے پیچھے چلنے والے ہی فرقہ ناجیہ ہیں۔مگر ہر اس شخص کا جو ان عقائد میں سے کسی بات کی مخالفت کرتا ہے لازمی طور پر ہلاکت میں پڑنا ضروری نہیں ،کیونکہ منازع یا مخالف بسا اوقات اجتہاد کی بنا پر غلطی کرسکتا ہے اور ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے یا بعض اوقات یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے ایسی بات کا علم نہ ہوا ہو جس سے اس پر حجت قائم ہوسکے، یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نیکیاں اس کی برائیوں کو مٹانے کے قابل ہوجائیں ۔جب ایسی صورت ہے کہ کسی وعید کے الفاظ کی زد میں آنے کے باوجود ایک متاول (تاویل کرنے والے)،قانت (خوف اور خشوع رکھنے والے) شخص جس کے گناہ اس کی نیکیوں کے ہاتھوں مٹ سکتے ہوں جو قابل مغفرت ہو،اس کا وعید میں لازمی اور قطعی طور پر داخل ہونا ضروری نہیں ہے تو ایسا شخص تو ان سے اولی ہے ۔عقائد فرقۂ ناجیہ کے بارے میں ہماری بات کا مطلب یہ کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے ہوسکتا ہے اس کی نجات ہوجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے نجات نہ ہو جیسے کہا جاتا ہے'من صمت نجا 'جو چپ رہا وہ نجات پا گیا] ج ۳ ص ۱۷۹

[جب قرآن کی سنت پر مبنی تفسیر سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خطا (غلطی لگ جانا) اور نسیان (بھول جانا) معاف درگزر کردیا ہے تو یہ عام ہے اور اس کا عموم باقی ہے جبکہ شریعت سے کوئی ایسی دلالت نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں سے کسی مخطی (خطا کھانے والے) کو اس کی خطا پر عذاب دے گا، ہاں اگر دوسری امت میں کسی مخطی کو عذاب دے تو اور بات ہے......

اس طرح کتاب اور سنت سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس وقت تک عذاب نہ دے گا جب تک اسے رسالت نہ پہنچی ہو۔اب جسے رسالت (بالجملہ) بالکل ہی نہ پہنچی ہو اسے تو سرے سے عذاب نہ ہوگا اور وہ شخص جسے رسالت بالجملہ تو پہنچی ہو مگر اس کی کوئی تفصیل رہ گئی ہو تو اسے صرف اس بات کے انکار پر عذاب ہوگا جس کی اس پر رسالت کے ساتھ حجت قائم ہو چکی ہو......

چنانچہ وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لا چکا ہے مگر بعض ایسے امور کا اسے علم نہیں ہوا جنہیں اللہ کے رسول ﷺ لے کے آئے ہیں اس بنا پر وہ ان امور کے ساتھ ایمان مفصل نہ لا سکا، یا تو اس نے ان کے بارے میں سن ہی نہی رکھا اگر سنا ہے تو ایسے ذریعے سے جس کی تصدیق واجب نہیں ہے، یا پھر وہ کسی ایسی تاویل وغیرہ کی بناء پر جو قابل عذر ہے کسی اور مطلب ومعنی کا اعتقاد رکھتا ہے ،تو ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے ثواب کا مستحق ہے اور جن باتوں کے ساتھ وہ ایمان نہیں لا سکا تو اس سلسلے میں اس پر وہ حجت قائم نہیں ہوئی جس کا مخالف کافر قرار پاتا ہے۔

اسی طریقے سے کتاب،سنت اور اجماع سے یہ بھی ثابت ہے کہ دین میں ایسی خطا (غلطی) بھی ہو سکتی ہے جس (کی بنا) پر مخالف کافر یا فاسق قرار نہیں پاتا بلکہ گناہ گار بھی نہیں ہوتا مثلاً فروع عملیہ ......تاہم فروع عملیہ میں ایسے مسائل ہیں جن میں مخالفت کرنے والے کا،نصوص اور اجماع قدیم کی رو سے غلط ہونا ثابت ہے۔مثلاً سلف اور خلف میں سے بعض لوگوں نے سود کی بعض انواع کو جائز قرار دیا ہے اسی طرح کچھ اور لوگوں نے

شراب کی کچھ اقسام کو اور بعض نے فتنہ میں قتال کو جائز قرار دیا ہے]

② جاہل قابل عذر

الف: جن لوگوں کا سہارا قرآن اور سنت پر کم ہوتا ہے

مخالفین سنت کچھ تو ایسے ہوتے ہیں، خاص طور پر متاخرین، جن کا قرآن اور سنت پر سہارا کم ہونے کے باعث اپنے بزرگوں اور شیوخ کی بنا بر بدعت اقوال پر سہارا ہوتا ہے، جبکہ ان کو ان اقوال اور ان کے نتائج وحالات کی حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ اگر ان کو یہ علم ہوجائے کہ یہ اقوال مذہب سنت کے مخالف ہیں تو وہ اس سے رجوع کرلیں اور اس کے قائل نہ رہیں۔

[سلف کا تعلق اور اعتصام سارے کا سارا قرآن اور ایمان سے تھا۔ پھر جب امت میں تفرقہ واختلاف ٹولے اور فرقے بن گئے۔ ان لوگوں کی باطنی طور پر بنیاد قرآن اور ایمان کی بجائے اپنے شیوخ کے ایجاد وابتداع کردہ اصول پر تھی، توحید، صفات، قدر اور ایمان بالرسول وغیرہ ایسے امور کی بابت انہی پر سہارا کرتے تھے، پھر جب ان کا گمان ہوتا کہ قرآن کی یہ بات ان اصول کے موافق ہے تو اس سے احتجاج واستدلال کرتے اور جو خلاف پڑتی اس کی تاویل کرتے۔ چنانچہ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں تو ان کی پوری دلالت کا اہتمام نہیں کرتے، نہ ہی وہ اس موضوع ومعنی کے باب میں تمام نصوص وآیات کا استقصا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس مسئلے میں ان کا اعتماد کسی دوسری چیز پر ہوتا ہے، اور وہ آیات جو ان کے خلاف ہوتی ہیں ان کی اس طرح تاویل کرنا شروع کردیتے ہیں کہ جیسے بھی ہو رد کردیا جائے، یہ مقصد چنداں نہیں ہوتا کہ رسول

اکرم ﷺ کی مراد سمجھ میں آجائے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخالف کی حجت سے دفاع کیا جائے...... یہ (جاہل) اگر ان اقوال کی حقیقت جان لیں تو قطعاً ان کے قائل نہ رہیں۔

مقصد یہ ہے کہ سلف کے برعکس جو کہ علم وایمان میں اکمل تھے اوران کی غلطیاں کم اور درستیاں زیادہ ہوتی تھیں، بیشتر متاخرین کا دین کے سلسلے میں نہ تو قرآن پر سہارا ہوتا ہے اور نہ ہی اس ایمان پر جو اللہ کے رسول ﷺ لے کے آئے ہیں......

بنابریں ہر ایمان والے پر واجب ہے کہ دین کی کوئی ایسی بات نہ کرے جو رسول اکرم ﷺ کی پیروی میں نہ ہو۔آپ ﷺ کے آگے کسی چیز کو مقدم نہ کرے بلکہ یہ دیکھے کہ آپ ﷺ نے کیا کہا ہے تاکہ اس کی بات آپ کی بات اوراس کا عمل آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ہوجائے۔چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوران کے راستے پر چلنے والے تابعین باحسان اورائمہ مسلمین ایسے ہی تھے،یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی عقل کو نصوص کے آڑے نہ آنے دیتا اور رسول ﷺ کے لائے ہوئے دین کے علاوہ کسی اور دین کی بنیاد نہ رکھتا۔ان میں سے جب کسی کو دین کی کسی بات کی معرفت کی ضرورت ہوتی یا کوئی بات معلوم کرنا ہوتی تو اللہ اور رسول ﷺ ہی کے کلام میں نگاہ دوڑاتا،اسی سے علم لیتا اوراسی سے لے کر بات کرتا،اسی کو دیکھتا اوراسی کے بارے میں غور وفکر کرتا اوراسی سے استدلال کرتا۔یہی اہل سنت کا ''اصل'' ہے جبکہ اہل بدعات،حقیقت میں اور باطنی طور پر اپنا سہارا رسول ﷺ سے موصول شدہ تعلیمات پر نہیں رکھتے بلکہ اپنی رائے اور ذوق پر رکھتے ہیں،پھر اگر سنت اس کی موافقت کررہی ہو تب تو درست ہے ورنہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور جب سنت اس کی مخالفت کررہی ہو یا تفویضاً اعراض کرتے ہیں یا تاویلاً تحریف کرتے ہیں۔

اہل ایمان واہلسنّت اور اہل نفاق و بدعت کے درمیان یہی فرقان ہے۔ اگرچہ ان لوگوں میں بھی ایمان اور اتباع سنت کا ایک خاصہ موجود ہے لیکن جس قدر، یہ اللہ اور رسول ﷺ کے آگے بڑھتے ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اسی قدر ان میں نفاق و بدعت بھی موجود ہوتا ہے اور اگر انہیں معلوم نہ ہو کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی ہے، اسی طرح اگر علم ہو جائے تو اس کے قائل نہ رہیں، تو پھر منافقین نہیں ٹھہرتے بلکہ صرف ناقص ایمان اور مبتدع کہلائیں گے جبکہ ان کی غلطی قابل مغفرت ہے جس کی بنا پر عذاب ٹل سکتا ہے، گو اس کی وجہ سے ان میں نقص بھی موجود ہے۔

ہر وہ شخص جو نبی اکرم ﷺ کی پیش کردہ تعلیمات کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ علم اور عدل سے تہی دست ہوتا ہے بلکہ جہل، ظلم اور ظن کے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا ......لیکن یہ بھی اور وہ بھی بعض اوقات کچھ لوگوں میں اجتہاد کی وجہ سے خفی، دقیق اور پیچیدہ امور میں پایا جاسکتا ہے جبکہ انہوں نے حق کی طلب و جستجو کے سلسلے میں اپنی وسعت و قدرت کی حد تک اجتہاد کیا ہوتا ہے جس کی بنا پر ان کا اس قدر صواب (درستی) اور اتباع شمار کر لیا جاتا ہے جو ان کی غلطیوں کو ڈھانپ لیتا ہے، جیسا کہ اس قسم کی صورت حال، مسائل طلاق، میراث اور اس قسم کے دیگر مسائل کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی پائی گئی ہے۔ تاہم اس قسم کی صورت حال ان میں دین کے جلی اور عظیم امور میں نہیں پائی گئی کیونکہ ان امور کی نسبت نبی اکرم ﷺ نے جو بیان فرمایا تھا وہ ان کے ہاں ظاہر و عام تھا جس کی وجہ سے ان امور کی کوئی مخالفت و اختلاف نہ کرتا سوائے اس شخص کے جو رسول اللہ ﷺ ہی کی مخالفت کرے۔ جبکہ وہ سبھی اللہ کی رسی سے مضبوطی سے چمٹے رہے، آپ ﷺ ہی کو اپنے

اختلافات ومشاجرات میں حکم بناتے ،عمداً اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت تو کجا ،اللہ اور رسول کے آگے بڑھتے ہی نہ تھے۔

اب جو زمانہ دراز گزرا تو ایسے امور جو ظاہر و عام تھے بہت سے لوگوں پر مخفی ہو گئے ،جو امور پہلے جلی تھے وہ بہت لوگوں کے لئے پیچیدہ و پر وقت ہو گئے ۔ چنانچہ متاخرین کے ہاں کتاب اور سنت کی مخالفت زیادہ ہو گئی جبکہ سلف میں اس قسم کی صورت حال نہ تھی ،گو وہ بھی اجتہاد کیا کرتے تھے اور اس میں ان کی خطا اور غلطیاں قابل عذر و قابل مغفرت تھیں ،اور اجتہاد کی وجہ سے مستحق ثواب بھی تھے۔ پھر شاید ان کی نیکیاں بھی اتنی ہوں کہ اس زمانے میں ایک آدمی کو پچاس آدمیوں جتنا اجر ملتا ہو، کیونکہ ان کو اس سلسلے میں ایسے لوگ میسر تھے جو ان کے مددگار ثابت ہوں جبکہ ان متاخرین کے لئے ایسے لوگ میسر نہ تھے] ج ۱۳ص ۵۸-۶۵

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت کو پیچیدہ علمی امور میں خطا (غلطی لگ جانا) معاف ہے ،بے شک وہ علمی مسائل (اعتقادی) ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بیشتر بزرگان امت ہلاک ہو جاتے جب ایک ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے جو اس سے لاعلم ہے کہ شراب حرام ہے کیونکہ وہ لاعلمی اور جہالت کے ماحول اور علاقے میں پروان چڑھتا ہے، جبکہ اس نے علم بھی حاصل نہیں کیا تو پھر ایک عالم فاضل جو اپنے زمان ومکان کے لحاظ سے جو میسر ہے اس کے دائرے میں رہتے ہوئے طلب علم میں اجتہاد و محنت کرتا ہے جبکہ اس کا مقصد بھی حسب امکان رسول اکرم ﷺ کی پیروی ہے وہ تو اس سے بھی اولیٰ اور زیادہ مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں قبول کرے ،اس کے اجتہادات کا ثواب

عطا کرے اور جو اس سے اخطا (غلطیاں) سرزد ہوئی ہیں ان سے درگزر فرمائے کہ اس نے فرمار کھا ہے: رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَانَا. اے اللہ اگر ہم سے بھول ہو جائے یا ہمیں غلطی لگ جائے تو ہماری پکڑ نہ فرما (البقرہ)۔ اہلسنت ہر اس شخص کی نجات کے پر عزم طور پر قائل ہیں جو اللہ کا تقوی اختیار کرتا ہے، جیسا کہ قرآن نے کہہ رکھا ہے۔ تاہم جہاں تک کسی شخص کو متعین کیے جانے کا تعلق تو اس کے بارے میں اس بنا پر توقف کرتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں آیا وہ متقین (تقوی اختیار کرنے والوں) میں شامل ہے یا نہیں] ج ۲۰ ص ۱۶۶

ب: اجتہاد خطاء اور تاویل بعید

مخالفین مذہب سنت میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو (اہل) سنت کی جنگ لڑتے ہیں اور دشمنوں کے سامنے مذہب سنت کا دفاع کرتے ہیں لیکن اس دوران بعض اوقات ایک غلط اجتہاد یا دور کی تاویل کی وجہ سے اہلسنّت کی مخالفت بھی کر لیتے ہیں، جس کی بنا پر ان میں دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں: سنت بھی اور بدعت بھی، روشنی بھی اور ظلمت بھی، چنانچہ ایسے لوگ معذور ہیں خاص طور پر جب سنت کا واضح جلی علم موجود نہ ہو۔

[یہ بات علم میں ہونی چاہیے کہ وہ طوائف (جماعتیں) جو اصول دین اور کلام میں (متبوع) شخصیات سے منسوب ہیں ان کے مختلف درجات ہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو ''اصول'' عظیمہ میں مذہب سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو صرف دقیق (پیچیدہ) امور ہی کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص، جو ان طوائف کا رد کرتا ہے جو مذہب سنت سے اس کی نسبت دور تر ہوتے ہیں، تو جس قدر اس نے باطل کا رد کیا اور حق کی بات کی ہے اس قدر وہ قابل مدح وستائش ہے تاہم یہ شخص اپنے رد میں عدل سے بھی

تجاوز کر چکا ہوتا ہے کیونکہ اس نے حق کے کسی امر کا انکار کیا ہوتا ہے اور باطل کے کسی ایک حصے کا قائل بھی ٹھہر چکا ہوتا ہے۔ بنابریں اس نے ایک بڑی بدعت کو ایک نسبتاً چھوٹے باطل کے ذریعے دفع کیا ہوتا ہے۔ سنت و جماعت سے منسوب بیشتر اہل کلام کی یہی صورت حال ہے۔ اور اس قسم کے لوگوں کی بدعت اگر اس درجے کو نہ پہنچے کہ وہ اس کی بنا پر جماعت مسلمین سے مفارق ٹھہرتے اور اسی کی بنا پر ولاء وعداوت رکھتے ہوں، تو وہ خطا کی نوع اور زمرے میں آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس قسم کے امور میں مومنین کی خطا معاف کرنے والا ہے] ج ۳ ص ۳۴۸

بعض اوقات نیکیوں کے ساتھ برائیاں بھی ہوتی ہیں، قابل معافی بھی اور قابل گرفت بھی، اور بعض اوقات دین پر چلنے والے کے لئے بالکل اصلی اور صحیح مشروع طریقے پر چلنا ممکن یا آسان نہیں ہوتا اور چار و نا چار، علم وعمل میں بالکل صحیح روش پر چلنے والوں کے میسر نہ ہونے کے باعث، ایک گونہ بدعتی امور اس میں شامل ہوتے ہیں چنانچہ اگر صاف شفاف روشنی میسر نہیں ہے، یعنی اگر ہے تو ایسی جو بالکل صاف ہیں اور آدمی نے اسے بھی نہ لیا ہوتا تو بالکل اندھیرے میں رہتا، تو ایک ایسی روشنی کی عیب جوئی یا اس سے منع کرنا درست نہیں جس میں کچھ اندھیرا ہے، الا یہ کہ ایسا نور میسر آ جائے جس میں کوئی ظلمت نہ ہو۔

ہر ایسا راستہ جس میں کچھ ظلمت اور اندھیرا نظر آئے چھوڑا اور چھڑایا جانے لگے تو کتنے لوگ ایسے ہونگے جو کم نور کو چھوڑتے چھوڑتے گھپ اندھیرے ہی میں جا بیٹھیں گے!

یہ قاعدہ اس لئے وضع کیا گیا ہے تاکہ سلف اور علماء نے جن امور کی مذمت کی ہے یا برا جانا ہے اس مذمت کو اس کے مطلب کی حد تک رکھا جائے اور یہ ذہن نشین کرنے کے

لئے بھی وہ اصلی اور کامل خلافت علی منہاج النبوۃ جس کا شرعاً حکم دیا گیا ہے اس سے عدولی بعض اوقات علم اور عمل کی سیئات اختیار کرنے ایسی زیادتی کی بنا پر ہوتی ہے، اور یہ دونوں باتیں بس نہ چلنے کی بنا پر بھی ہوسکتی ہیں اور قدرت رکھتے ہوئے بھی سرزد ہوتی ہیں۔

چنانچہ پہلی صورت (حسنات چھوڑ دینا) بعض اوقات معذوری اور بے اختیاری کی بنا پر ہوتی ہے اور بعض اوقات قدرت اور امکان کے ہوتے ہوئے۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو بعض اوقات وہ اضطرار یا احتیاج کی بنا پر اختیار کی جاتی ہے اور بعض اوقات آدمی مستغنی ہوتا ہے اور کوئی اضطرار کی کیفیت نہیں ہوتی۔ اب عاجز جو کامل حسنات کی انجام دہی سے قاصر ہے اور مضطر جسے سیئات کا اضطرار درپیش ہے دونوں ہی (شرعاً) معذور ہیں۔ اور یہ بہت ہی زبردست (اصل) قاعدہ ہے مطلب یہ ہے کہ علم وعمل ہر دو صورت میں۔ نیکی کا بھی فی نفسہ تعین ہو، چاہے یہ برائی ممنوعہ کے درجے میں ہو یا غیر ممنوعہ کے درجے میں، پھر یہ کہ دین حسنات ومصالح کے حصول اور سیئات ومفاسد سے پرہیز کا نام ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایک ہی شخص یا ایک ہی کام میں یہ دونوں وصف بیک وقت پائے جاسکتے ہیں چنانچہ جب کسی شخص یا فعل کی مذمت وملامت یا عذاب کی بات ہوتی ہے تو ہوسکتا ہے وہ اس کے ایک پہلو کی بنا پر ہو جبکہ اس کے برعکس (خوبی والے) پہلو کو بھی نظرانداز نہ کیا جاسکتا ہو۔ اسی طرح جب مدح وستائش یا امر وثواب کی بات ہوتی ہے تو بھی ہوسکتا ہے وہ اس کے ایک پہلو کی بنا پر ہو جبکہ دوسرے (برائی والے) پہلو کو بھی نظرانداز کیا جاسکتا ہو۔ بایں طور پر ایک آدمی کی تعریف وستائش، بسا اوقات صرف بدعت یا گناہ ایسی بعض برائیوں سے اجتناب کی بنا پر ہوسکتی ہے جبکہ دوسری طرف وہ ان خوبیوں سے عاری

ہو جو نیکوکاری اور حسنات وصالحات کی بنا پر ایک آدمی کی ستائش کا سبب بنتی ہیں۔

یہ ہے موازنہ اور جانچ اور پرکھ کرنے کا طریقہ! اس پر چلنے سے ہی آدمی اس عدل وقسط پر قائم رہ سکتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اور میزان کا نزول فرمایا ہے] ج ۱۰ ص ۳۶۶-۳۶۴

[سلف جب اہل کلام کی مذمت کرتے ہوئے کوئی بات کہتے ہیں مثلاً یہ کہ ''علماء کلام زندیق ہیں'' یا مثلاً ''علم کلام میں پڑنے والا کوئی شخص بھی فلاح نہیں پا سکتا'' تو اس سے مراد مطلق علم کلام نہیں ہوتا بلکہ اس سے عرفاً وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو راہ رسل سے ہٹ کے دین میں کلام زنی کرتے ہیں] ج ۱۲ ص ۴۰۶-۴۶۱

(۳) ''ظلم'' اور ''عدوان'' کے مرتکب

مذہب سنت کے مخالفین سے ظلم وعدوان اور زیادتی کا ارتکاب اجتہاد یا تاویل کی صورت میں غلطی (خطا) کی بنا پر بھی ہوسکتا ہے اور ظلم اور ہٹ دھرمی کی بنا پر بھی، موخرالذکر نافرمان اور گناہ گار ٹھہریں گے جبکہ اول الذکر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں۔

[وہ لوگ جو بغاوت، ظلم، اعتداء یا کسی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں ان کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک تاویل کرنے والے اور دوسرے تاویل نہ کرنے والے۔

اول الذکر میں وہ لوگ شمار ہوتے ہیں جو اہل علم و دین ہیں ان کے بعض حضرات کسی امر کو حلال سمجھتے ہیں، جبکہ دوسرے سبھی اسے حرام قرار دیتے ہیں مثلاً بعض حضرات کے

نزدیک مشروبات کی بعض انواع حلال ہیں اسی طرح بعض کے نزدیک بعض مبنی برسود معاملات جائز ہیں اور بعض لوگ حلالہ ومتعہ کے بعض عقود کو درست خیال کرتے ہیں، غرض اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں جو بزرگان سلف تک کے ہاں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ جو لوگ مجتہد ہیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ غلطی کر بیٹھے ہیں جبکہ قرآن میں آیا ہے: رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا. اے اللہ ہماری بھول چوک اور غلطیوں کی پکڑ نہ کرنا' پھر صحیح حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی استجابت فرمائی ہے] ج ۵ ص ۷۵

[قرآن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے کھیتی کے بارے میں ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا، چنانچہ اس کے باوجود کہ علم وحکمت رکھنے کی بنا پر دونوں کی تعریف کی ہے مگر علم وحکمت ہی کے بارے میں ایک (حضرت سلیمان علیہ السلام) کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ اب علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ چنانچہ کوئی عالم اگر ایسا مسئلہ نہیں سمجھ پایا جو دوسرے کو سمجھ میں آ گیا تو نہ اس سے کوئی ملامت لازم آتی ہے اور نہ ہی اس کے معروف علم ودین کو قبول کر لینے میں یہ بات مانع ہے۔ ہاں اگر اسے صحیح حکم کا علم ہو تو پھر یہ کام اثم (گناہ گاری) اور ظلم شمار ہوگا اور اس پر اصرار فسق، بلکہ جب اس کی حرمت قطعی اور حتمی طور پر معلوم جائے تو اس کو حلال قرار دینا کفر بھی ہوگا۔ چنانچہ بغی اسی باب سے ہے] ج ۳۵ ص ۷۵

[تاہم باغی (بغی کا مرتکب) اگر اجتہاد یا تاویل پر ہو اور اس پر یہ نہ کھل سکا ہو کہ وہ بغی کا مرتکب ہو رہا ہے بلکہ حقیقتاً وہ یہ باور کرتا ہو کہ وہ حق پر ہے تو اگرچہ وہ ایسا باور کرنے میں غلطی

پر ہوگا مگر اس کو باغی کہنے سے اس کا فاسق ہونا تو دور کی بات ہے آثم (گناہ گار) ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ اور وہ لوگ بھی جو تاویل پر رہنے والے باغیوں کے ساتھ قتال کے قائل ہیں وہ بھی ان سے قتال کے وجوب کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ اس قتال کا مقصد ان کی بغی کی ضرر سے دفاع ہے نہ کہ بطور سزا، بلکہ ان کو زیادتی سے روکنے کے لئے ہے۔ چنانچہ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ان کی عدالت بدستور باقی ہے اور فاسق نہیں ٹھہرتے، ان کو بزور اور قتال کے ذریعے سے روکنے کے بارے میں ان کی توجیہ یہ ہے کہ ان کی صورتحال غیر مکلّف کی سی ہے مثلاً بچے یا پاگل کو کسی زیادتی کے ارتکاب سے بہرحال روکا جاتا ہے ایک بے ہوش، خوابیدہ یا بھولے ہوئے انسان کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ حیوانات تک کو بھی زیادتی کرنے یا کسی کو نقصان پہنچانے سے بعض رکھا جاتا ہے۔ بایں طور قتل خطاء کی بنا پر بھی بنص قرآن دیت واجب ہوجاتی ہے حالانکہ اس پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا، یہی صورتحال اس آدمی کی ہے جو امام وقت پر خروج کر بیٹھے اور قابو آنے اور حد قائم ہوجانے کے بعد توبہ کرلے جبکہ یہ ثابت ہے کہ ایک گناہ سے توبہ کرلینے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

متاول (تاویل کرنے والا) باغی، امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مستوجب سزا ہے اور ایسے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ پھر اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ اس سے بغی 'تاویل کے بغیر سرزد ہوئی ہے پھر بھی وہ ایک گناہ ہی قرار پائے گا جبکہ گناہوں کا عذاب متعدد اسباب کی بنا پر ٹل سکتا ہے، مثلاً نیکیاں جو گناہوں کو مٹاتی ہیں یا مصائب جو گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں ں وغیرہ وغیرہ] ج ۳۵ ص ۷۶

[اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ تمام لوگ جن کی خیر سے نسبت معروف ہے مثلاً معروف صحابہ رضی اللہ عنہم جو اہل جمل اور اہل صفین میں کسی جانب شریک رہے ان میں کسی کو کافر تو کجا، فاسق بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، حتی کہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس حکم کو تمام اہل بغی کے بارے میں عام رکھا ہے چنانچہ اس کے باوجود کہ وہ ان لوگوں سے قتال کا حکم دیتے ہیں مگر تاویل کرنے کی وجہ سے وہ ان پر فسق کا حکم لگانا ممنوع سمجھتے ہیں ، بالکل اسی طرح جس طرح ان فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ تاویل کی وجہ سے ایسی نبیذ پینے والے کو جس کے بارے میں اختلاف ہو، کوڑے لگائے جائیں گے نہ فاسق کہا جائے گا] ج ۱۳ ص ۴۹۵

[ان لوگوں (جہمیوں) کے بیشتر اقوال بسا اوقات بہت سے اہل ایمان سے مخفی رہ جاتے ہیں تا آنکہ ان کے وارد کردہ شبہات کی بنا پر وہ یہ تک بھی گمان رکھ بیٹھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں جبکہ یہ اہل ایمان (جن کو شبہ ہوا ہے) ظاہر و باطن میں اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں ۔اصل مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چکر میں آئے ہوتے ہیں جیسا کہ بدعتی لوگوں کی بعض دوسری اصناف بھی تلبیس وشبہہ کا شکار ہوئی ہیں ۔ چنانچہ ایسے لوگ قطعاً کافر نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ فاسق ہوتے ہیں اور کچھ عاصی (نافرمان) جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو غلطی پر اور قابل مغفرت ہوتے ہیں ۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے کسی شخص میں ایمان اور تقویٰ اس حد تک ہو کہ اپنے ایمان اور تقوی کے بقدر اللہ کے ساتھ دوستی و وفاداری اور وابستگی کا رشتہ ہنوز قائم ہو] ج ۳ ص ۳۵۵

[بدعات کے حاملین میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جن میں باطناً اور ظاہراً ایمان ہوتا

ہے مگر ان میں جہل اور ظلم کی بنا پر مذہب سنت کی مخالفت کی یہ نوبت آ جاتی ہے، ایسا شخص نہ تو کافر ہے اور نہ ہی منافق، پھر اس کا ظلم وعدوان، ہوسکتا ہے اس درجے کا ہو کہ اس کی بنا پر زیادہ سے زیادہ فاسق یا عاصی (نافرمان) ٹھہرتا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایمان اور تقوی اس حد تک ہو کہ اپنے ایمان اور تقوی کے بقدر اللہ کے ساتھ اس کی دوستی و وفاداری اور وابستگی کا رشتہ ہنوز قائم ہو] ج ۳ ص ۳۵۲-۳۵۴

[جس شخص کی غلطی ایسی ہو کہ اتباع قرآن کے فریضہ میں کسی تفریط کا شکار ہو یا اللہ کے ممنوع کردہ راستوں کے پیچھے چل کر ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر ہوائے نفس کی اتباع کر کے وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگتا ہو تو ایسا شخص ہی ''ظالم لنفسہ'' کے ضمن میں آتا ہے اور وعید خداوندی کا مخاطب بھی قرار پاتا ہے۔ بخلاف مجتہد کے جو ظاہراً و باطناً اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے اجتہاد کرتا ہے اور اپنے اجتہاد کے ذریعے ہی حق کا طلبگار ہوتا ہے ، جیسا کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم بھی ہے چنانچہ ایسے شخص کی غلطی قابل بخشش ومغفرت ہے] ج ۲ ص ۳۱۷

④ منافق زندیق

مخالفین اہلسنّت میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو منافق زندیق ہوتے ہیں اور اپنے سینوں میں کفر اور مسلمانوں کے خلاف کینہ و بغض وعداوت چھپائے پھرتے ہیں۔

[نفس امر میں ایک پابند صوم وصلوۃ کافر، منافق ہی ہوتا ہے اور جب ایسی صورت ہے تو اہل بدعات میں منافق زندیق بھی ہوتے ہیں، اور ایسا آدمی کافر ہے اس کے قسم کے لوگ رافضیوں اور جہمیوں میں بکثرت موجود ہیں] ج ۳ ص ۳۵۲

[رافضیوں نے زندیقیت اورنفاق میں مہا پاپیوں کو جنم دیا ہے۔قرامطہ باطنیہ ایسی زندیقیت انہی سے پھوٹی ہے۔اور بلاشک وشبہ یہ لوگ بدعتی فرقوں میں کتاب وسنت سے سب سے زیادہ دوراور گمراہ ترین ہیں۔چنانچہ عام لوگوں کے نزدیک مخالفین اہلسنّت کے طور پر یہی لوگ مشہور ہیں۔یہی وجہ ہے،عامۃ الناس سنی کا الٹ صرف شیعہ (رافضی) کو سمجھتے ہیں جب ایک عام آدمی کہتا ہے کہ میں سنی ہوں تو اس کی مراد یہی ہوتی ہے کہ میں رافضی (شیعہ) نہیں ہوں] ج۳ص۳۵٦

[اور یہ......رافضی......جو ہیں ان میں یہ تینوں اوصاف مجتمع ہیں بلکہ یہ اس سے بھی آگے بڑھے ہیں۔چنانچہ یہ لوگ اطاعت اور''جماعت'' سے بھی خارج ہیں مومن اور معاہد کو بلاتفریق قتل کرتے ہیں مسلمان حکمرانوں میں سے چاہے کوئی عادل ہو یا فاسق یہ کسی کی اطاعت کے قائل نہیں ہیں۔سوائے اس کے جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔پھر یہ لوگ عصبیت کی خاطر جنگ کرتے ہیں جو انساب کی عصبیت سے کہیں بدتر ہے اور یہ عصبیت ان کے فاسد دین کی بنیاد پر بنتی ہے۔چنانچہ مسلمانوں کے سربرآوردہ شخصیات ہوں یا عام مسلمان ،صالحین ہوں یا غیر صالحین ،ان سب کے خلاف ان کے لوگوں کے دلوں میں جو کدورت اور بغض وعداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے وہ کسی اور کے ہاں نہیں ملتی......یہ لوگ مسلمانوں کی''جماعت''میں دراڑیں ڈالنے میں تمام اہل زمین سے بڑھ کے خواہاں وکوشاں رہتے ہیں] ج۲۸ص۴۸۷-۴۸۸

[اس امت میں سے جو شخص کفار کے ولاء محبت،تعلق یا دوستی رکھتا ہو وہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب اور موالات کی بعض انواع کا مرتکب ہو یا اس طرح کی کوئی دیگر صورت حال ہو

مثلاً اہل باطل کے پاس آنا جانا رکھتا ہو اور ان کے باطل اقوال یا افعال میں سے کسی چیز کا اتباع کرے تو اسی بقدر وہ مذمت، عذاب اور نفاق کا مستوجب ٹھہرے گا مثلاً یہ کہ وہ ان کی آراء و اعمال میں متابعت کرنے لگے جیسے بعض فلاسفہ اور صابئۃ کے اقوال و افعال، کتاب وسنت کی مخالفت کتاب وسنت اقوال اختیار کرتے ہیں

جو شخص ان کے مردوں یا زندوں کے ساتھ محبت، تعظیم، موافقت، یا کسی اور طریقے سے موالات رکھتا ہے وہ انہی میں سے ہے۔ جیسا کہ کلدانیہ (فرقہ) اور ان کے ایسے ستاروں کے پجاری مشرکین ہیں جو دشمنان ابرہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی موافقت کرتے ہیں یا مثلاً وہ لوگ جو فرعون اور اس کی قوم ایسے دشمنان موسیٰ علیہ السلام کی موافقت میں جادو کے قائل ہیں، اسی طرح اتحادیہ اور جہمیہ کے وہ لوگ بھی جو یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی صانع نہیں ہے اور بس مخلوق ہی ہے خالق کا کوئی وجود نہیں اور نہ برسر آسمان کوئی اللہ ہے۔ فلاسفہ اور صائبہ کے، خالق اور س کے پیغمبروں کے بارے میں اقوال، اور اللہ کے اسماء وصفات اور حیات بعد الممات میں ان کے کلام زنی میں ان کی موافقت کرنے والے گروہوں اور طوائف کے بارے میں بھی شک نہیں کہ ان کا کفر واضح ہے مگر اس کے باوجود بے شمار وارد اسلام لوگ حتیٰ کہ علم وعبادت اور امارت حکمرانی میں شہرت یافتہ لوگ تک ان طوائف کی بہت سی کفریات کے قائل ہوئے ہیں، ان کی بزرگی کے بھی قائل رہے ہیں اور ان کے مقرر کردہ قواعد کی تحکیم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ متاخرین میں ایسے لوگ بکثرت ہیں جو رسولوں کے ساتھ مبعوث شدہ حق کے ساتھ باطل کی آمیخت کرتے ہیں جس پر ان (رسولوں) کے دشمن چلتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خبیث وطیب میں تمیز قائم کرنا چاہتا ہے اور حق و باطل کو ایک ساتھ رہنے دینا برداشت نہیں کرتا۔اس بنا پر مذکورہ اصناف کے لوگ منافقین ہیں یا یہ کہ ان میں نفاق ہے ،باوجودیکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں کیونکہ ایک شخص کا بظاہر مسلمان ہونا اس میں مانع نہیں ہے کہ وہ باطن میں منافق ہو،کیونکہ منافقین بظاہر مسلمان ہی ہوتے ہیں،قرآن مجید نے ان کی صفات واحکام کی وضاحت بیان فرمائی ہے ۔پھر جب وہ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں موجود رہے اور شوکت اسلام کا زمانہ بھی تعلیمات نبوی اور نور رسالت کے باوجود ان سے پاک نہیں رہا تو اب تو جبکہ ان دونوں اصاف سے بھی بہت دور ہیں وہ کہیں زیادہ دندنا کے موجود ہیں۔خاص طور پر جبکہ ان سبب نفاق بھی کفر ہے اور کفر بھی وہ جو سب پیغمبران خدا کے دین کے ساتھ براہ راست متصادم ہے]

[اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رہے کہ بہت سے اہل بدعت منافقین ہوتے ہیں،ان کا نفاق بھی نفاق اکبر ہوتا ہے،اور یہ لوگ کفار ہیں اور جہنم میں درک اسفل ان کا ٹھکانہ ہے ۔روافض اور جہمیہ وغیرہ ایسے فرقوں میں زندیق اور منافقین بہت ہی کثرت سے موجود ہیں ۔بلکہ بدعت کا اصل منبع ہیں جن کی زندیقیت کے ڈانڈے صائبین اور مشرکین سے جا ملتے ہیں لہٰذا ایسے لوگ باطن میں کفار ہوتے ہیں اور جب ان کے اس حال کا علم ہو جائے تو پھر ظاہر میں بھی وہ کافر ہی قرار دیئے جائیں گے] ج ۲۸ ص ۲۰۱-۲۰۲]

⑤ گمراہ مشرکین

مخالفین اہلسنّت میں گمراہ مشرکین بھی ہوتے ہیں جن سے شرک ظاہر ہونے پر توبہ کا مطالبہ کیا جانا چاہیے کہ اس شرک سے تائب ہو جائیں اور اگر نہ کریں تو کفار اور مرتد ہونے

کی بنا پر ان کی گردن اڑائی جانی چاہیے۔

یہ دروزی اور نصیری، تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، کہ یہ کفار ہیں اور ان کا ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتوں سے نکاح بلکہ ان سے جزیہ تک قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ تو دین اسلام سے ہی مرتد ہیں۔ نہ یہ مسلمان ہیں اور نہ یہود یا نصاری، نہ یہ نماز پنجگانہ کی فرضیت کے قائل ہیں، نہ رمضان کے روزوں اور نہ ہی حج کی فرضیت کے، اللہ اور رسول ﷺ کے حرام کردہ امور، مردار اور شراب ایسی بے شمار چیزوں کو حرام نہیں ٹھہراتے۔ بے شک یہ اپنے آپ کو (ناطق شہادتین) کلمہ گو کہیں مگر یہ عقائد رکھتے ہوئے، باتفاق جملہ مسلمانان، وہ کفار ہیں۔

نصیری فرقہ، ابوشعیب محمد بن نصیر کا پیروکار ہے، یہ شخص ان غالی لوگوں سے تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ مانتے ہیں۔

رہے دروزی تو ہشتکین دروزی کے پیروکار ہیں۔ یہ شخص حکمران کے ساتھ خاص تعلق رکھتا تھا جس نے اسے وادی تیم اللہ بن ثعلبہ میں بھیجا، وہاں جا کر یہ ان لوگوں کو حکمرانوں کی الوہیت کی دعوت دینے لگا اس حکمران کو وہ ''باری'' اور ''علام'' کے خطاب سے یاد کرتے اور اس کے نام کی قسم اٹھاتے۔ یہ لوگ فرقہ اسماعیلیہ میں سے ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ محمد بن اسماعیل نے محمد بن عبداللہ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ ان غالیوں سے زیادہ بڑے کافر ہیں جو عالم کو قدیم مانتے ہیں، آخرت کے منکر ہیں اور اسلام کے فرائض و محرمات کو تسلیم نہیں کرتے] ج ۳۵ ص ۱۶۱-۱۶۲

[ان لوگوں یعنی دروزیوں کے کافر ہونے کا مسئلہ ایسا ہے جس میں مسلمانوں میں کوئی

اختلاف نہیں۔ بلکہ ان کے کافر ہونے میں جو شک کرے وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے۔ نہ تو یہ اہل کتاب کے درجے میں آتے ہیں اور نہ ہی مشرکین کے درجے میں، بلکہ یہ کفار اور گمراہ ہیں، ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ ان کی عورتوں کو لونڈیاں اور ان کے مال کو مال غنیمت بنایا جائے گا کہ یہ زندیق اور مرتد ہیں، ان کی توبہ تک قبول نہیں کی جائے گی بلکہ جہاں بھی قابو آئیں قتل کئے جائیں گے۔ اپنے اوصاف کی بدولت ان پر لعنت بھی جائز ہے ان کو پہرہ داری، چوکیداری یا حفاظت ایسے کاموں میں ملازم بھی رکھنا جائز نہیں ہے۔ ان کے علماء ہوں یا صلحاء سب واجب القتل ہیں تاکہ دیگر مخلوق کو گمراہ نہ کریں۔ نہ ان کے ہاں یا ان کے گھروں میں سونا جائز ہے، نہ ان کی مرافقت اور نہ ان کے ساتھ چلنا جائز ہے۔ پھر جب ان کی فوتیدگی کا پتہ چلے تو ان کے جنازوں کے ساتھ چلنا تک جائز نہیں ہے] ج ۳۵ ص ۱۶۲

[چنانچہ کسی بھی بشر کے بارے میں جو شخص اللہ ہونے کا اعتقاد رکھے یا کسی مردے سے دعا کرے، یا اس سے رزق نصرت یا ہدایت کا طلب گار ہو، اس پر توکل کرے یا اس کو سجدہ کرے، تو ایسے شخص سے توبہ کرائی جائے گی اگر کرلے تو ٹھیک ورنہ اس کی گردن تن سے جدا کردی جائیگی۔ جو شخص مشائخ میں سے کسی کی نبی اکرم ﷺ پر افضلیت کا قائل ہو یا یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی شخص رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے مستغنی و بے نیاز ہے، اس سے بھی توبہ کرائی جائے گی اور نہ کرے تو اس کی بھی گردن ماری جائے گی۔ اسی طرح جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اولیاء میں سے کسی کی حیثیت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خضر، تو ایسے شخص کو بھی توبہ کرانی چاہیے ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے

......محمد ﷺ جن وانس کے تمام افراد کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اس لئے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی بھی شخص آپ کی شریعت اور اطاعت سے خروج کا مجاز ہے تو ایسے اعتقاد کا حامل کافر ہے اور اس کا قتل واجب ہے] ج ۳ ص ۴۲۲

[بعض مشائخ کے بارے میں غلو کا بھی یہی حکم ہے چاہے وہ شیخ عدی کے بارے میں ہو چاہے یونس القتی یا حلاج یا اس طرح کے دیگر لوگوں کے بارے میں ، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے پارساؤں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے نبیوں تک کے بارے میں یہی ہے ۔ چنانچہ آدمی کسی زندہ کی بابت یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے نیکوکاروں یا عدی وغیرہ ایسے لوگوں کے بارے میں غلو کرتا ہو یا کسی ایسے شخص کے بارے میں جس کے بارے میں وہ نیکی و پارسائی کے گمان کا شکار ہے مثلاً حلاج یا مصر کا وہ حاکم یا یونس القتی وغیرہ ایسے لوگ ، ان میں سے کوئی ہو اور آدمی غلو کر کے ان کو الوہیت کے کسی بھی مرتبے پر فائز کر دے مثلاً کہے کہ مجھے کسی ایسے رزق کی ضرورت نہیں جو مجھے فلاں بزرگ یا ولی عنایت نہ کرے یا مثلاً جانور ذبح کرتے وقت کہے ”میرے پیرومرشد کے نام سے“ یا سجدے میں کسی اور انداز سے اس کی پوجا کرے یا اللہ کے علاوہ اس سے بھی دعا کرے مثلاً یوں کہے ”یا فلاں میری مغفرت کر دے مجھ پر رحمت فرما ، میری مدد و نصرت کر ، مجھے رزق دے ، میری دستگیری کر یا مجھے اپنی پناہ دے ، یا ایسے کہے ”میں تجھ پر توکل کرتا ہوں ، تو مجھے کافی ہے ، میرا توکل اور بھروسہ تمہیں پر ہے“ یا اسی طرح کے دیگر اقوال وافعال کا مرتکب ہو جو کہ ربوبیت کے خصائص میں سے ہیں اور ایک اللہ رب العزت کے کسی کو سزاوار نہیں تو یہ سب کا سب شرک اور گمراہی ہے ایسے آدمی سے توبہ کرائی جائے گی بصورت دیگر قتل کیا جائے گا] ج ۳ ص ۳۹۵

[اور یہ لوگ بھی جو بزعم خویش، اللہ تعالیٰ کا دیدار اسی دنیا میں کرتے ہیں، مذکورہ اصناف کی طرح ہی گمراہ ہیں، پھر اگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی شامل کریں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار وہ بعض اشخاص کی صورت میں کرتے ہیں ...... یہ اشخاص صالحین ہوں جن ہو یا بادشاہ یا کوئی دوسرا ......تو ایسی صورت میں ان کی گمراہی اور کفر دوچند بلکہ کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے۔اور ایسی صورت میں یہ لوگ ان عیسائیوں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ٹھہرتے ہیں جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی صورت میں دیدار الٰہی کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ یہ تو پیروان دجال سے بھی زیادہ گمراہ ہیں جو کہ آخر زمانے میں ظاہر ہوگا اور لوگوں کو کہے گا میں تمہارا رب ہوں ...... یہ لوگ بسا اوقات حلولیہ اور اتحادیہ ایسے ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں ان کی دو اصناف ہیں:

ایک گروہ تو ایسا ہے جو خاص چیزوں یا اشخاص کی بابت ہی اللہ تعالیٰ کے حلول یا اتحاد کا اعتقاد رکھتے ہیں مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں یا غالی فرقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا گمان رکھتے ہیں کچھ لوگ ایک خاص مرتبے پر فائز اولیاء اور مشائخ کے بارے میں، بعض لوگ خاص بادشاہوں میں، بعض کچھ حسین وجمیل صورتوں میں یا اسی طرح کی دیگر اشیاء یا اشخاص کے بارے میں ایسی باتوں کے قائل ہیں جو کہ عیسائیوں کے مذہب سے کہیں بدتر ہیں۔

جبکہ دوسرا گروہ اس کو عام سمجھتا ہے چنانچہ یہ لوگ اللہ رب العزت کی نسبت حلول واتحاد کا عقیدہ تمام موجودات حتی کہ کتوں، سوئروں اور نجاستوں تک کی بابت بھی رکھتے ہیں جیسا کہ جہمیہ کا ایک گروہ اور اتحادیہ میں سے ان کے ہم عقیدہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، مثال کے طور پر ابن عربی اور اس کے حاشیہ بردار، ابن سبعین، ابن الفارض، تلمسانی، بلیانی اور

اس طرح کے بہت سے لوگوں کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ گمراہ اور کافر لوگ ہیں جو بزعم خویش اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھتے بلکہ اس کے ہم نشین، ہم کلام اور ہم بستر تک بھی ہوتے رہتے ہیں (معاذ اللہ) بسا اوقات کسی شخص، بچے یا کسی کو متعین کر کے اس کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا دعویٰ کرتے ہیں ایسے لوگوں سے توبہ کرانی چاہیے، کر لیں تو درست ورنہ ان کی گردنیں اڑا دینی چاہئیں کہ یہ کافر ہوں گے بلکہ ایسے لوگ یہود و نصاریٰ سے بڑے کافر ہیں...... یہ ان غالیوں سے بھی بڑے کافر ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دیگر اہل بیت کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہی اللہ ہیں۔ یہی وہ زنادقہ تھے جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلا کے راکھ کیا تھا] ج ۳ص ۳۹۱-۳۹۴

فصل ہشتم

مخالفین اہلسنّت کے مہا فرقے (اصول بدعت)

اہلسنّت والجماعت دیگر فرقوں پر کبھی کبھی علم اور عدل کے بغیر کوئی حکم نہیں لگاتے ،بخلاف اہل تفرقہ واختلاف کے جو محض ظن اور ہوائے نفس کی بنا پر اپنے مخالفین کو فتوؤں کا نشانہ بناتے ہیں۔

[جہاں تک ان فرقوں کے تعین کا تعلق ہے تو اس بارے میں لوگوں نے تصنیفات تک تالیف کی ہیں اور مذاہب کی کتب میں ان کا ذکر کیا ہے ۔لیکن دیئے ہوئے فرقوں کے بارے میں پورے یقین اور وثوق سے یہ دعویٰ کرنا کہ یہ ان بہتر فرقوں میں شامل ہیں جن کو وعید آتش سنائی گئی ہے تو اس کے لئے واضح دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ بغیر علم کے کوئی بات کرنا تو اللہ نے ویسے ہی حرام کر رکھا ہے، پھر اپنے بارے میں بغیر علم کے کوئی بات کرنا تو انتہائی بڑا گناہ قرار دیا ہے......علاوہ ازیں اس بناء پر اپنے ہی گروہ یا اپنے ہی امام یا پیشوا کے متبعین اور صرف اس سے رشتہ وتعلق رکھنے والوں کو ہی اہلسنّت والجماعت سمجھتے ہیں اور ان کے مخالفین کو اہل بدعات ① جبکہ یہی ضلال مبین ہے] ج ۳ ص ۳۴۶

---

①: مولف نے یہاں پانچ فرقوں کو اصول بدعت کے طور پر ذکر کیا ہے، یہاں دراصل ایسے فرقوں کا فرداً فرداً ذکر مقصود نہیں جو فرقہ ناجیہ سے مفارقت اختیار کر کے ہلاکت میں پڑنے والے ہیں، بلکہ تاریخی طور پر اسلام سے انحراف اور گمراہی کی ان پانچ جڑوں کی نشان دہی مقصود ہے جن سے پھر بے شمار اشجار خبیثہ نے جنم لیا بلکہ ان میں وہ جھاڑ جھنکار بھی ہیں جو اہلسنّت کی زمین پر اگ آتے رہے ہیں اور کوشش کے باوجود انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا نہ جا سکا۔اس وضاحت کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ وہ فرقے جن کا نام ان پانچ مہا فرقوں کے نام سے مختلف ہے یا وہ خود کو اہلسنّت شمار کرتے ہیں مبادا ان کے بارے میں یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اہلسنّت میں واقعی شامل بھی ہوں گے، خاص طور پر برصغیر میں روافض کے علاوہ کسی اور بدعتی فرقے کا نام اگر مشہور نہ ہو سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ منکرین حدیث ،نیچری، حلولی اور مشرکانہ تصوف کے حامل فرقے ہلاکت میں نہ پڑیں گے۔اس فصل ⇐

اہلسنّت کے مخالف مہافرقے:

خوارج، رافضہ، مرجیئہ، قدریہ، جہمیہ

اہلسنّت والجماعت نے مخالفین اہلسنّت فرقوں کے تعین کے بارے میں بھی کلام کیا ہے۔ چنانچہ مخالفین اہلسنّت کے بڑے چار یا پانچ فرقوں کا عموم ذکر کیا جاتا ہے۔

[''بدعت'' جس کی بنا پر آدمی اہل اھواء میں شمار ہو جاتا ہے وہ بدعت ہے جس کی کتاب وسنت سے مخالفت علمائے اہلسنّت کے ہاں معروف ہو۔ مثلاً خوارج، روافض یا قدریہ اور مرجئہ کی بدعت ...... عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ یہ دو بڑی اصناف یں ان سے بچ کر رہو ایک جہمیہ اور دوورے رافضی یہ دونوں اصناف ہی اہل بدعت میں بدترین لوگ ہیں] ج ۳۵ ص ۴۱۴

[جہاں تک ہلاکت اور عذاب اخروی کے مستحق فرقوں کا تعلق ہے تو ہماری معلومات کی حد تک اس بارے میں سب سے پہلے امام یوسف بن اسباط رحمہ اللہ نے گفتگو کی ہے، ان کے بعد عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اور یہ دونوں امام مسلمانوں کے عظیم ترین اور جلیل القدر ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ دونوں حضرات کا قول ہے کہ اہل بدعات کی اصل جڑ چار ہیں۔ روافض، خوارج، قدریہ اور مرجئہ امام عبداللہ بن مبارک سے کہا گیا: جہمیہ کے بارے

⇦ کو پڑھنے کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ دیگر چھوٹے بڑے گمراہ فرقوں نے زیادہ تر انہی پانچ مہافرقوں سے ''استفادہ'' کیا ہے اور انہی سے اینٹیں نکال نکال کر اپنی عمارت بنائی ہے چنانچہ انکار حدیث خوارج اور پھر معتزلہ کی پیداوار ہے، نیچری بھی معتزلہ ہی کا دوسرا نام ہیں اور تصوف کی شرکیہ منازل کو سر کرنے والے عمداً یا غیر عمداً ایک طرف اگر جہمیہ و جبریہ سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں تو دوسری طرف مرجیہ سے اور تیسری طرف روافض سے۔ مزید ملاحظہ ہو پچھلی فصل کی آخری صنف ''گمراہ مشرکین'' مترجم۔

میں کیا خیال ہے؟ فرمانے لگے: یہ لوگ تو امت محمد ﷺ سے ہی نہیں ہیں۔ فرمایا کرتے تھے : یہود و نصاریٰ کا کلام تو نقل کیا جا سکتا ہے مگر جہمیہ کا کلام زبان پر لانا ممکن نہیں ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے اس موقف میں امام احمد رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ اور کچھ دیگر اہل علم نے ان کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ ان حضرات کا کہنا ہے کہ جہمیہ کفار ہیں اور ان بہتر فرقوں تک میں داخل نہیں ہیں، جس طرح کہ وہ منافقین بھی ان میں شامل نہیں جو باطن میں کفر اور ظاہر میں اسلام رکھتے ہیں۔ ان کو زنادقہ بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم امام احمد رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ اور دوسرے اہل علم کا موقف ہے کہ جہمیہ بہتر فرقوں میں داخل ہیں اور اس بنا پر وہ اصول بدعت پانچ سمجھتے ہیں] ج ۳ ص ۳۵۰

[اہل اھواء کی ترتیب و تقسیم کی بابت علماء مختلف انداز رکھتے ہیں]

بعض لوگ ان فرقوں کو زمانہ ظہور کے لحاظ سے ترتیب دیتے ہیں یہ حضرات، خوارج سے شروع کرتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ بدعت اور گمراہی میں سب سے ہلکے فرقے سے ترتیب شروع کرتے ہیں، اسی بنا پر یہ حضرات مرجئہ سے آغاز کرتے ہیں اور جہمیہ کا نمبر آخری رکھتے ہیں۔ موخر الذکر طریقہ امام احمد رحمہ اللہ کے بیشتر تلامذہ نے اختیار کیا ہے جن میں امام عبداللہ بن احمد وغیرہ، امام خلال اور ابو عبداللہ بن بطہ رحمہم اللہ وغیرہ ایسے بزرگ اور اسی طرح امام ابو الفرج مقدسی رحمہ اللہ ایسے اہل علم شامل ہیں۔ یہ سب حضرات اہل بدعات کا ذکر کرتے ہیں تو تان جہمیہ پر ہی ٹوٹتی ہے کیونکہ اہل بدعات میں یہی لوگ غلیظ ترین ہیں۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری میں کتاب الایمان و الرد علی المرجئة سے آغاز کیا ہے اور کتاب التوحید و الرد علی الزنادقة و الجهمية پر اختتام فرمایا ہے] ج ۱۳ ص ۴۹

① خوارج

خوارج وہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے اہلسنّت والجماعت سے خروج کا ارتکاب کیا تھا۔

[جملہ مسلمان ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور اولین عہد عثمان تک مکمل صلح و اتفاق سے رہتے ہیں اور اس وقت تک ان میں کوئی تنازعہ جنم نہ لے سکا تھا، تا آنکہ عہد عثمانی کے آخر میں کچھ امور ظہور پذیر ہو گئے جن سے ایک گونہ تفرقہ پیدا ہو گیا۔ پھر ظالمین اور فتنہ پردازوں کی ایک جماعت نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا ایسا سیاہ کارنامہ سرانجام دیا۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں تفرقہ شروع ہوا پھر جب صفین میں مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خون میں نہائیں، تا آنکہ دو ثالثوں کی تحکیم پر اتفاق ہوا تو خوارج نے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا، ان سے مفارقت بھی اختیار کر لی اور اسی بنا پر جماعت المسلمین سے مفارقت کر کے ایک مقام کی طرف جو حروراء کے نام سے مشہور ہے چل دیے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ان سے ہاتھ روکے رکھا اور ان کو کہہ دیا کہ تمہارا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم تمہیں تمہارے فی (غنیمت) کے حق سے محروم نہ کریں اور نہ ہی مساجد سے روکیں ......تا آنکہ خوارج کا فتنہ اس حد تک بڑھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے جان و مال کو حلال اور روا قرار دے دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یقین ہو گیا کہ یہی وہ طائفہ ہے جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر پیشینگوئی فرمائی تھی۔

یحقر احدکم صلاته مع صلاتهم ، وصيامه مع صيامهم ، قراءته مع قراءتهم ، يقرؤون القرآن لا يجاوز حناجرهم، يمرقون من الدين

كـمـا يـمـرق السهـم من الرمية ، اتيهم فيهم رجل مخدج اليد عليها بـضـعة شـعـرات. وفـي رواية :يـقـتـلون اهل الاسلام ، ويدعون اهل الاوثان.

کہ تم لوگ ان کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو حقیر جانوں گے،ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں اوران قراءت کو دیکھ کر اپنی قراءت کو کمتر سمجھو گے ۔قرآن پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا ،دین سے ایسے نکلے ہوں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے ۔ان میں ناقص الخلقت ہاتھ والا ایک ایسا آدمی ہوگا جس کا ہاتھ لوتھڑا نما چند بال لئے ہوگا ۔ایک دوسری روایت میں آتا ہے ''کہ یہ لوگ اہل اسلام کو بے دریغ قتل کریں گےاور بت پرستوں کو چھوڑیں گے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں خطبہ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ باتیں سنا کر فرمانے لگے: یہی وہ لوگ ہیں انہوں نے وہ خون بہایا ہے جسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے پایہ تخت پر چڑھائی کی ہے۔چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی ،تلاش بسیار کے بعد وہ علامت بھی ڈھونڈ نکالی اور رب کے حضور سجدہ شکر بجالائے رضی اللہ عنہ] ج ۳ص ۳۲

[پہلے پہل کی بدعات (مثلاً خوارج کی بدعت) دراصل ان کے قرآن کو غلط سمجھ لینے کی بناء پر ظہور رہوئیں ۔مقصد ان کا قرآن سے تعارض نہ تھا بلکہ انہوں نے اس سے وہ مطلب لیا جو اصل میں نکلتا نہ تھا۔بنابریں یہ ظن قائم کر بیٹھے کہ قرآن مجید سے گناہ کے مرتکب افراد کی

تکفیر ثابت ہوتی ہے کیونکہ مومن تو (بقول قرآن) نیکو کار، پرہیزگار و پارسا ہوتا ہے۔اس بنا پر انہوں نے یہ مطلب نکال لیا کہ جو شخص نیکو کار و پارسا نہیں ہے تو وہ کافر ہے اور مخلد فی النار ہے۔پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ کے سبھی لوگ مومن نہیں ہیں، کہ انہوں نے شریعت کے برخلاف حکم و فیصلہ کیا ہے۔بنابریں ان لوگوں کی بدعت دو مقدمات پر مبنی تھی: ایک یہ کہ جس نے بھی قرآن کی خلاف ورزی کی، چاہے وہ عمل میں ہو یا رائے میں، کافر ہے، اور دوسرا یہ کہ حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ کے لوگ ایسا ارتکاب کر چکے ہیں۔

گناہوں اور غلطیوں کی بنا پر مسلمانوں کی تکفیر سے از حد احتراز کرنا چاہیے یہ پہلی بدعت ہے جو اسلام میں ظہور پذیر ہوئی۔اس بدعت کے حاملین نے مسلمانوں کو کافر کہا تھا اور اس کے علاوہ ان کے جان و مال کی شرعی حرمت کو بھی روا قرار دے دیا تھا۔جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مذمت اور قتال کے بارے میں صحیح احادیث ثابت ہیں۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان لوگوں کے بارے میں جو حدیث ہے اس کے صحیح ہونے کے دس وجوہات ہیں۔اسی وجہ سے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں اس کو ذکر کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا ایک قطعہ بیان کیا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اس قدر مذمت کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اصل میں ان لوگوں کا مقصد قرآن کا اتباع ہی تھا۔اب اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی بدعت قرآن کی مخالفت اور اس سے اعراض ہی پر مبنی ہے؟] ج ۱۳ص ۲۰

[خوارج سنت کا تمسک بھی اسی وقت درست سمجھتے ہیں جبکہ مجمل تفسیر میں ہو اور (بزعم

خویش) ظاہر قرآن کے مخالف نہ ہو۔ بنابریں نہ تو زانی کو رجم کرنے کے قائل ہیں اور نہ ہی چوری کے کسی نصاب وغیرہ کو مانتے ہیں بلکہ اس بنا پر شاید یہ بھی کہیں کہ قرآن میں مرتد کو قتل کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ پھر شاید مرتد کی بھی ان کے ہاں دو قسمیں ہوں۔

خوارج کے اقوال و آراء، جو لوگ بیان کرتے ہیں، ہمیں بھی ان کے بارے میں صرف اسی ذریعہ سے علم ہو سکا ہے، ورنہ ان کی اپنی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہو سکی] ج ۱۳ص ۴۸

[اصول بدعت کے ضمن میں یہ بات جان لیجئے کہ خوارج کی بدعت اس پر مبنی ہے کہ وہ خالی گناہ کی بنا پر تکفیر کرتے ہیں، پھر جو کام گناہ نہیں بھی ہوتا اسے بھی گناہ قرار دے لیتے ہیں ،اسی طرح قرآن مجید کی اتباع میں ایسی سنت کو قبول نہیں کرتے جو ظاہر قرآن کے خلاف ہو چاہے وہ حدیث متواتر کیوں نہ ہو۔ پھر اپنے مخالفین کی تکفیر کرتے ہیں اور بزعم خویش اس کے مرتد ہو جانے کی بنا پر اس کے بارے میں وہ کچھ روا رکھتے ہیں جسے وہ اصل کافر کے بارے میں بھی جائز نہیں سمجھتے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی ایسی ہی پیشینگوئی فرمائی تھی: یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان. کہ اہل اسلام کو تو قتل کریں گے اور اہل اصنام کو چھوڑ دیا کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں تک کو کافر کہا ہے، اہل صفین کے دونوں گروہوں کی تکفیر اور اسی طرح کی دیگر زبان درازیاں کی ہیں] ج ۳ص ۳۵۵

[اسلام میں تفرقہ و بدعت کی ابتداء قتل عثمان رضی اللہ عنہ اور اس سے متصل افتراق وانتشار سے ہوئی ہے۔ پھر جب حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما تحکیم پر راضی ہوئے تو خوارج ان پر فتویٰ

لگانے لگے کہ حکم صرف اللہ ہے، اس بنا پر وہ جماعت المسلمین سے مفارقت اختیار کر گئے ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔آپ نے ان سے بحث ومناظرہ کیا تو ان میں سے آدھے پلٹ آئے مگر باقی ماندہ لوگ عام مسلمانوں پر حملے کرنے لگے ابن خباب رحمہ اللہ کو بھی قتل کیا اور خم ٹھونک کر کہنے لگے کہ ہم سب اس کے قاتل ہیں ۔اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔

ان کے مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کے بے انتہاء تعظیم کرتے ہیں اور اسی کی اتباع کی دعوت دیتے ہیں لیکن سنت والجماعت سے خارج ہیں کیونکہ وہ سنت جو ان کے زعم میں قرآن کے برخلاف ہو اس کی اتباع نہیں کرتے مثلاً رجم اور نصاب سرقہ وغیرہ۔اسی بنا پر یہ گمراہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے آپ وہ سب کچھ زیادہ بہتر جانتے ہیں، خود اللہ نے آپ ہی پر کتاب بھی نازل کی ہے اور حکمت بھی۔پھر یہ اس حد تک بڑھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے بارے میں اس بات کے قائل ہو گئے کہ آپ بھی ظلم کر سکتے ہیں۔بنابریں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطیع وفرمانبردار رہے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء کے حکم کے، بلکہ یہ زبان درازی کی کہ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما اور ان کا ساتھ دینے والوں نے شریعت کے برخلاف فیصلہ کیا ہے اور: وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ. اور دیگر آیات کی بنا پر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں تو وہ دو مقدمات پر مبنی ہوتی ہے جو کہ باطل ہے۔ایک یہ کہ یہ شخص قرآن کی مخالفت کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ قرآن کا مخالف کافر ہوتا ہے چاہے اسے غلطی لگی ہو اور چاہے وہ لغزش کی بنا پر گناہ کرتا ہو جبکہ اس کے وجوب وتحریم کو مانتا بھی ہو] ج ۱۳ ص ۲۰۸

۲ شیعہ (رافضہ)

شیعہ رافضہ کا فرقہ بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے عقائد واقوال کو خفیہ رکھے رہے۔ ان کی جماعت قائم ہوسکی نہ کوئی امام وحاکم، ملک میسر آیا نہ قوت مہیا ہوسکی جس کی بنا پر مسلمانوں سے جنگ وقتال کے میدان میں کوئی معرکہ سر کر سکتے۔ مگر اس کے باوجود اہلسنّت والجماعت کے لئے یہ لوگ علی الاطلاق خطرناک ترین فرقہ قرار نہ پائیں تو بھی خوارج سے کم خطرناک بہرحال نہیں ہیں۔

[شیعہ کا وجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں وقوع پذیر ہو چکا تھا مگر یہ اپنے عقائد کو خفیہ رکھتے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے سامنے ان کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ اس وقت ان لوگوں کی تین اصناف تھیں:

ایک گروہ اس بات کا قائل تھا کہ وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اللہ ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں جب آپ رضی اللہ عنہ آگاہ ہوئے تو آگ میں ڈال کے جلوا دیا اور مسجد بنی کندہ کے دروازے کے قریب ان کو گڑھے میں کھدوا کر پھینک دیا...... یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ان کو تین دن کی مہلت دی تھی۔

دوسرا گروہ دشنام طرازوں کا تھا چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوالاسود کے بارے میں علم ہوا کہ وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا گالی دیتا ہے تو آپ نے اسے طلب کیا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسے قتل کرنے کے لئے طلب کیا تھا مگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

تیسرا گروہ مفضلہ کہلاتا ہے۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت وفوقیت دیتے تھے۔ اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متواتر طور پر مروی ہے کہ انہوں نے

فرمایا تھا: اس امت میں افضل ترین شخصیت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی "صحیح" میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر اور افضل کون ہے ؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ابوبکر رضی اللہ عنہ انہوں نے سوال کیا: ان کے بعد کون ہے؟ فرمانے لگے : عمر رضی اللہ عنہ پہلے پہل کے شیعہ ،حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے ان کا اختلاف صرف اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھا۔ چنانچہ شریک بن عبداللہ رحمہ اللہ کا قول مشہور ہے کہ انہوں نے جب یہ کہا "کہ سب لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین انسان ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں" تو ان سے سوال کیا گیا: یہ آپ کہہ رہے ہیں جبکہ آپ شیعہ ہیں تو وہ کہنے لگے "سبھی شیعہ کا یہی اعتقاد ہوا کرتا تھا، یہی بات تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود برسرِ منبر بسا اوقات کہی ہے کیا ہم ان کو بھی جھٹلانے لگیں؟ اس بنا پر حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح وفضیلت دیتا ہے وہ سب مہاجرین وانصار کی تحقیر کرتا ہے، اور میرا نہیں خیال کہ ایسے شخص کا اس حال میں رہتے ہوئے کوئی عمل اللہ کے ہاں قبولیت کے لئے آسمان کی طرف بلند ہوتا ہو۔ (بروایت سنن ابی داؤد)

شاید ان کا اشارہ حسن بن صالح بن حی کی جانب ہے کیونکہ زیدیہ صالحہ جو زیدیہ میں سب سے بہتر جماعت ہے، انہی کی طرف منسوب ہے۔

تاہم اس دور میں شیعہ کی کوئی جماعت قائم نہ ہوسکی نہ ہی امام، اور نہ ہی کوئی ملک یا قوت

میسر آسکی جس کی بناپر وہ مسلمانوں سے معرکہ قتال میں پورے اتر سکیں۔ یہ چیز صرف خوارج کو میسر آسکی تھی جن کا امام بھی الگ تھا اور جماعت بھی ،اپنے ملک کو انہوں نے دارالہجرۃ قرار دیا تھا اور مسلمانوں کے ملک کو دارالکفر اور دارالحرب ۔ یہ دونوں فرقے ہی مسلمان امراء کو برا بھلا بلکہ کافر کہتے ہیں جمہور خوارج تو حضرات عثمان اور علی رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو کافر کہتے ہیں جبکہ رافضی ابوبکر،عمر،عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے سب ساتھیوں پر لعنت بھیجنے کے قائل ہیں تاہم ظاہری خرابی اور فساد خوارج میں عام ہو پایا تھا جو کہ قتل وخونریزی ،لوٹ کھسوٹ اور خروج و بغاوت تک پہنچ گیا تھا۔اسی لئے صحیح احادیث میں ان سے قتال کا بھی حکم ہے...... جہاں تک لفظ ''رافضہ'' کا تعلق ہے تو اسلام کی تاریخ میں یہ سب سے پہلے اس وقت ظہور پذیر ہوا جب دوسری صدی کے شروع میں زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ نے ہشام بن عبدالملک کے دور میں خروج کیا اور شیعہ نے ان کی پیروی وہمرکابی کی ،تو ان سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا گیا، جواب میں انہوں نے ان دونوں حضرات سے محبت و ولایت کا اظہار کیا اور ان کے لئے رحمت کی دعا کی ۔اس بنا پر ان کی جماعت (شیعہ) نے ان کو رد کر دیا۔ وہ کہنے لگے: رفـــضتـــمـــونـــی رفضتـمـونی. ''تم نے میرا انکار کر دیا'' اس بنا پر ان کا نام رافضہ پڑ گیا اس کے بعد رافضہ ان کے دوسرے بھائی ابوجعفر محمد بن علی رحمہ اللہ کے پیروکار ہو گئے جبکہ زیدیہ ،زید کے ہی پیروکار رہے اور انہی سے ہنوز منسوب ہیں ۔اسی وقت سے شیعہ دو ٹولوں میں بٹ گئے ایک زیدیہ کہلاتا اور دوسرا رافضہ امامیہ] ج ۳ص ۳۴-۳۶

[شیعہ نے اماموں کے بارے میں بے تحاشا غلو کر کے ان کو اس مرتبے پر فائز کر دیا کہ

ان کے امام معصوم ہیں اور ہر چیز کا علم رکھتے ہیں۔انبیاء ورسل کی لائی ہوئی شریعت کے تمام پہلوؤں تک کے بارے میں انہی سے رجوع کو واجب قرار دیتے ہیں۔چنانچہ ان کا مرجع نہ تو قرآن ہے اور نہ ہی سنت بلکہ مرجع صرف وہ شخصیت ہے جو ان کے بقول معصوم ہے۔نوبت بایںجا رسید کہ یہ لوگ اس امام کی امامت میں چلنے لگے جس کا کوئی وجود ہے نہ کوئی حقیقت،اس بنا پر یہ لوگ خوارج سے گمراہ تر ہیں کیونکہ وہ لوگ تو بہر حال قرآن کو اپنا مرجع قرار دیتے تھے جو کہ حق ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسے غلط معانی پہناتے تھے۔مگر یہ لوگ،ان کا تو کوئی مرجع ہی نہیں مگر سوائے ایک ایسی چیز کے جس کا کوئی وجود ہے نہ حقیقت ،پھر یہ لوگ بعض فوت شدگان سے منقول سنی سنائی باتوں کو پکڑ لیتے ہیں،ان اقوال کی نہ کوئی تصدیق ہوئی ہوتی ہے اور نہ ان کے راوی معصوم ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ دروغ گو ترین فرقہ ہے،جبکہ خوارج کو سچ بولنے کی عادت تھی اور ان کی مروی احادیث بھی صحیح ترین احادیث شمار ہوتی ہیں جبکہ شیعہ کی احادیث سب سے جھوٹی اور من گھڑت ہوتی ہیں۔خوارج کی بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ جماعت المسلمین سے مفارقت اور ان کے جان ومال کی بے حرمتی کو روا رکھتے ہیں۔شیعہ بھی چاہتے تو یہی رہے ہیں مگر عاجز اور کمزور ہیں۔زیدیہ بھی یہی کرتے ہیں جبکہ امامیہ بھی کبھی تو ایسا کرتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ قتل وجنگ ہم صرف امام معصوم کے پرچم تلے کریں گے۔شیعہ نے ملاحدہ اور باطنیہ ایسے دشمنان ملت کو بھی اپنے پیچھے لگایا ہے،یہی وجہ ہے کہ ملاحدہ نے جن میں کہ وہ قرامطہ شامل ہیں جو بحرین میں ظہور پذیر ہوئے ،اور جو کہ مخلوق میں سب سے بڑے کافر ہیں،اور وہ قرامطہ بھی جو مراکش اور مصر وغیرہ میں ہوئے اور تشیع کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائے

رہے ۔ان ملاحدہ کی یہ وصیت ہے کہ مسلمانوں پر وار کرنے کے لئے تشیع کے دروازے سے داخل ہوا جائے کیونکہ یہ لوگ اسلام کے دشمن کے لئے دروازہ کھول دیتے ہیں چاہے وہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب منافقین ۔ یہ لوگ قرآن اور حدیث سے سب سے زیادہ دور رہنے والا فرقہ ہیں اور یہ بات ہم نے کئی اور مقامات پر بڑی وضاحت سے بیان کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:انی تارك فيكم ثقلين كتاب الله وعترتي اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي ثلاثاً. میں تمہارے درمیان دو امانتیں چھوڑے جارہا ہوں ،ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میرے گھر والے میرے اہل بیت ،میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ یہ بات آپ نے تین بار کہی‘‘۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک کتاب اللہ سے تعلق پر زور دیا اور دوسرا اپنے اہل بیت اوراہل خانہ کے بارے میں وصیت کی ،نہ کہ ان کو امام بنایا تا کہ مسلمانوں کے مرجع وہی ٹھہریں۔

خوارج نے کتاب کو پکڑ لیا اور اس پر اپنے فرقے کی بنیاد رکھ لی ،شیعہ نے اہل بیت کو پکڑ کے ان پر اپنے فرقے کی عمارت کھڑی کر لی حالانکہ دونوں ہی اپنے اپنے مقتدا کی اتباع نہیں کرتے کیونکہ خوارج سنت کے مخالف ہیں جس کی اتباع کا حکم خود قرآن نے دیا ہے،مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں حالانکہ ان سے محبت ودوستی اور موالات کا حکم خود قرآن نے دیاہے،اوراسی بناء پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو ان پر چسپاں کیا:وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ. کہ اللہ تعالیٰ اس (قرآن کے ذریعے) صرف

فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے جو کہ اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کر لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور جس (رشتہ) کے صلہ کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں (البقرہ:۲۷)۔

اسی طرح خوارج قرآن میں سے متشابہات نکال کے ان کی وہ تاویل وتفسیر کرنے لگے جو حقیقت میں درست نہیں ۔ نہ اس بارے میں یہ لوگ اس کے معنی ومراد کو سمجھتے ، نہ علم میں کوئی رسوخ رکھتے ، نہ سنت ہی کی اتباع کرتے اور نہ مسلمانوں کی جماعت ہی سے رجوع کرتے جو کہ قرآن کا علم وفہم رکھتی ہے ۔ جہاں تک شیعہ کی ، اہل بیت کی مخالفت اور حکم عدولی کا تعلق ہے تو وہ شمار سے باہر ہے اور کئی مقامات پر ہم نے اس بات کی وضاحت کی ہے] ج ۱۳ ص ۲۰۹

[یہ رافضی لوگ اگر خوارج (جن پر نص موجود ہے) سے بدتر نہیں تو ان سے کم بھی نہیں ......رافضیوں کا پاپ اتنا گھناؤنا ہے کہ انہوں نے حضرات ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم اور عام مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو کافر کہا ہے ان کے تابعین کو بھی اور ان سب لوگوں کو بھی جن کے بارے میں قرآن میں (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) کا اعلان موجود ہے ان لوگوں نے امت کی عظیم اکثریت کو کافر کہا ہے چاہے متقدمین ہوں چاہے متاخرین...... بزرگان امت بھی اس تکفیر سے نہیں بچے ...... یہ لوگ اپنے مذہب کو چھوڑنے والوں کو گردن زنی سمجھتے ہیں ، اپنے مذہب کو مذہب جمہور کا نام دیتے ہیں، ان کی تکفیر کا شکار ہونے والے ان کے نزدیک یہود ونصاریٰ سے زیادہ غلیظ کافر ہیں کیونکہ یہود ونصاریٰ کو یہ اصلی کافر سمجھتے ہیں مگر ان کو مرتد قرار دیتے ہیں جبکہ مرتد کا کفر تو کفر اصلی سے بموجب اجماع زیادہ بڑا ہوتا ہے یہی

وجہ ہے کہ رافضی لوگ جمہور مسلمانوں کے خلاف کفار کی نصرت ومعاونت کرتے ہیں۔ان امور کی بناپر اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ لوگ سب سے بڑا خطرہ ہیں خوارج حروریہ کی نسبت زیادہ دروغ گو ہیں ......بہت سے امور میں یہ لوگ یہودیوں سے مشابہ ہیں بلکہ یہودیوں میں سے بھی سامرہ فرقے سے ......اسی طرح بشر کے بارے میں غلو، بنابریں بدعت عبادات اور شرک کے سلسلے میں عیسائیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔مسلمانوں کے خلاف یہ لوگ یہود ونصاری اور مشرکین کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں، جبکہ یہ سب منافقین کے خصائل ہیں ......اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ مسجدوں کو بند کرنے سے گریز نہیں کرتے جن کو بلند کرنے اوران میں اللہ کا ذکر کرنے کا اللہ نے حکم دے رکھا ہے ......خود یہ لوگ مساجد میں جمعہ کراتے ہیں نہ جماعت ......ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام طور پر تمام اہل اھواء سے بدتر ہیں اور خوارج سے زیادہ قتل کے مستحق ہیں۔عرف عام میں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ اہل بدعت صرف رافضی ہیں تو اس کی بھی یہی وجہ ہے چنانچہ عام لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ سنی کا الٹ صرف رافضی ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اکرم ﷺ سے موروث مذہب سنت اور احکام وشرائع اعلام سے بغض وعناد میں تمام اہل اھواء کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں ......انہی لوگوں میں زنادقہ اور غالیہ اتنے ہیں کہ جن کا شمار اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے اکثر ائمہ وقائدین زندیق ہیں جنہوں نے رافضیت کا بہروپ بھی صرف اس لئے دھارا کہ یہ ان کو اسلام کی عمارت منہدم کرنے کا ایک آسان راستہ نظر آیا] ج ۲۸ ص ۴۷۷-۴۸۳

[روافض کے مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے بارے میں قطعی نص بیان فرمائی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے، اسی طرح ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ امام معصوم ہیں، جو ان کی خلاف ورزی کرے وہ کافر ہے اور یہ کہ مہاجرین اور انصار نے اس نص کو چھپالیا تھا اور امام معصوم کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوگئے تھے، اپنی خواہشات کی پیروی کرتے رہے، دین کو تبدیل اور شریعت میں تحریف کرتے رہے اور اسی طرح ظلم وعدوان کا ارتکاب کرتے رہے بلکہ ایک چھوٹی سی تعداد کے علاوہ سب کے سب کافر ہوگئے اور یہ تعداد پندرہ بیس سے زیادہ نہیں۔ اسی طرح ان کا یہ مذہب بھی ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما آخر وقت تک منافق رہے، بعض اوقات یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ایمان تو لائے تھے مگر پھر کافر ہوگئے، بیشتر شیعہ اپنے اس مذہب کے مخالفین کو کافر گردانتے ہیں، اپنے آپ کو مومنین کا لقب دیتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو کافر کا۔ پھر وہ شہری یا علاقے جن میں ان کا مذہب وعقیدہ عام نہیں ہوسکا ان پر یہ لوگ دارالارتداد کا حکم لگاتے ہیں اور انہیں مشرکین اور نصاری کے ملک سے بدتر قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور مسلمانوں کے خلاف یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی جانب سے دست نصرت وتعاون دراز کرتے ہیں۔ ان کی اسلام دشمنی کے اس حال سے سب لوگ واقف ہیں کہ جنگ وجدل میں یہ لوگ جمہور مسلمانوں کے خلاف کبھی تو کفار ومشرکین سے دوستی اور وفاداری رکھتے ہیں، کبھی عیسائیوں فرنگیوں سے اور کبھی دشمنان اسلام یہودیوں سے۔

انہی لوگوں سے نفاق اور زندیقیت کے مہا پاپی فتنوں نے جنم لیا۔ قرامطہ باطنیہ اور اس قسم کے بدترین فرقے ان فتنوں کی ایک مثال ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمام فرقوں میں یہی لوگ کتاب وسنت سے سب سے دور اور گمراہ ہیں چنانچہ اہلسنّت کے مخالفین

کے طور پر یہی لوگ مشہور ہوئے ہیں۔ عامۃ الناس سنی کی ضد صرف رافضی کو سمجھتے ہیں چنانچہ ایک عام آدمی جب کہتا ہے کہ میں سنی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے میں شیعہ یا رافضی نہیں ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ خوارج سے کہیں بدتر ہیں۔ اگرچہ اسلام کے اولین کے دور میں خوارج کو اہلسنّت کے خلاف تیر وتلوار میسر رہے مگر ان لوگوں کی کفار سے وفاداریاں اور موالات خوارج کی تلواروں سے کہیں خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوتی رہی ہیں۔ قرامطہ اور اسماعیلیہ ایسے فرقے اہل جماعت (اہلسنّت) سے جنگ وقتال کرتے رہے ہیں اور یہ فرقے رافضیوں سے ہی منسوب ہیں۔ اسی طرح خوارج کی راست گوئی مشہور ہے مگر روافض کا جھوٹ اور غلط بیانی مشہور ومعروف ہے۔ خوارج تو صرف اسلام سے نکلے ہی ہیں مگر یہ لوگ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوشاں رہے ہیں] ج ۳ ص ۳۵۶

③ مرجئہ

مرجئہ کا فرقہ، ایمان اور کفر کے مسائل میں خوارج کی آراء کے ردعمل کے طور پر ظہور پذیر ہوا ہے۔ اگرچہ یہ بدعت (فرقہ) ایک لفظی سی بحث کے طور پر شروع ہوئی تھی مگر آہستہ آہستہ پروان چڑھتی گئی تا آنکہ اپنی غلیظ ترین شکل میں رونما ہوگئی۔

[مرجئہ کا فرقہ رونما ہوا تو ان کی اکثریت اہل کوفہ سے تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ان ایسے لوگ مرجئہ میں شامل نہ ہوئے۔ یہ بدعت تمام بدعات میں ہلکی شمار ہوتی تھی، اس مسئلہ میں زیادہ تر نزاع لفظی تھا جس سے احکام میں کوئی

خاص فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ فقہاء جن سے یہ مذہب منسوب تھا مثلاً حماد بن ابی سفیان، ابوحنیفہ وغیرہ تو ایسے علماء، تو یہ حضرات تمام اہلسنّت سے اس بات میں متفق تھے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اہل کبائر میں سے جسے چاہے گا عذاب دے گا پھر شفاعت کے ساتھ اسے دوزخ سے نکال لے گا جیسا کہ صحیح احادیث میں یہ وارد ہوئی ہے، اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ ایمان کے لئے زبان سے اقرار کرنا شرط ہے اور یہ کہ فرض اعمال واجب ہیں اور ضروری ہیں ان کو ترک کرنے والا مذمت وملامت اور عذاب کا مستحق ہے۔ چنانچہ اعمال کے بارے میں یہ سوال کہ کیا وہ ایمان میں شامل ہیں یا مستثنیٰ یہ اور اس قسم کے امور زیادہ تر لفظی نزاع ہی تک محدود رہتے تھے...... عام طور پر اکابر علماء میں سے جن لوگوں کے ساتھ ارجاء کو منسوب کیا گیا ہے ان میں طلق بن حبیب اور ابراہیم تیمی ایسے حضرات شامل ہیں، تو ان کا ارجاء اسی نوعیت کا تھا...... امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ایمان سے اعمال کو مستثنیٰ کرنے کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ انہیں ایمان کا حصہ سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں مرجئہ وہ ہیں جو فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کو واجب قرار نہیں دیتے بلکہ صرف ایمان کو کافی سمجھتے ہیں، چنانچہ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسائل میں اختلاف بعض اوقات لفظی بھی ہوسکتا ہے] ج ۱۳ص ۳۸-۴۳

[مرجئہ شدید ترین بدعتی فرقوں میں شمار نہیں ہوتے بلکہ ان میں فقہاء اور زاہد وعبادت کے حامل بعض لوگ شامل ہوئے ہیں، جبکہ وہ اہلسنّت ہی میں شمار ہوتے ہیں تا آنکہ مرجئہ نے بعد ازاں مزید بدعات اپنے مذہب میں شامل کرلیں۔ پھر چونکہ کچھ مشہور پیشوا قسم کے حضرات بھی ارجاء اور تفضیل (علی رضی اللہ عنہ) ایسے مذاہب سے منسوب کر دیئے گئے تھے اس

لئے ائمہ سنت نے مرجئہ اور مفضلہ کے مذہب سے عام لوگوں کو باز رکھنے کے لئے ان کے مذہب کی مذمت کی خاطر کلام کیا ہے۔مثلاً امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح دیتا ہے وہ مہاجرین وانصار کی تحقیر کا مرتکب ہوتا ہے ،اور میں نہیں سمجھتا کہ ایسے شخص کا کوئی عمل قبولیت کے لئے اللہ کی طرف بلند ہوتا ہو۔انہوں نے یہ اس وقت جب کوفہ کے بعض ائمہ مذہب تقدیم (تقدیم علی رضی اللہ عنہ) سے منسوب ہوئے ۔اسی طرح حضرت ابوایوب سختیانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتا ہے وہ مہاجرین وانصار کی تحقیر کرتا ہے۔انہوں نے یہ اس وقت کہا جب انہیں کوفہ کے بعض ائمہ کے اس قول کے بارے میں بتایا گیا۔یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کرلیا تھا۔اسی طرح جب بعض مشہور علماء ،ارجاء سے منسوب ہوئے تو امام سفیان ثوری ،مالک ،شافعی رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ نے مرجئہ کی مذمت میں اسی طرح کے اقوال بیان فرمائے ہیں] ج ۳ ص ۳۵۵

[مرجئہ کے وہ لوگ جن کا مذہب ہے کہ: ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار ہے اور اعمال اس میں شامل نہیں ہیں، ان میں کوفہ کے بعض فقہاء اور زاہد حضرات بھی شامل رہے ہیں، تاہم ان کا مذہب جہم بن صفوان کے مذہب سے مختلف رہا ہے۔چنانچہ یہ حضرات اس بات کو مانتے تھے کہ انسان قدرت رکھنے کے باوجود زبان سے ایمان کا اقرار نہ کرے تو مومن نہیں ہوتا اور یہ بھی مانتے تھے کہ ابلیس ،فرعون اور اس قسم کے دیگر لوگ دل میں تصدیق ہونے کے باوجود بھی کفار ہیں، مرجئہ متکلمین اور فقہاء ایسے حضرات اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اعمال کو مجازاً ایمان کہا جاسکتا ہے کیونکہ عمل ایمان کا ثمرہ ہے اور اس کا

لازمی تقاضا بھی اوراس لئے بھی کہ عمل ہی ایمان کی دلیل ہے۔

اس لحاظ سے مرجئہ کی تین اقسام ہیں

① وہ لوگ جو کہتے ہیں ایمان صرف اس چیز کا نام ہے جو دل میں ہو، پھر ان میں سے بھی کچھ لوگ دل کے ایمان کو ایمان میں شامل کرتے ہیں اور مرجئہ کے فرقوں میں انہی کی تعداد زیادہ ہے، جبکہ کچھ لوگ قلب کے اعمال تک میں اس میں شامل نہیں کرتے مثلاً جہم بن صفوان اوراس کے پیروکار۔

② کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان صرف زبان کے قول کو کہا جاتا ہے، کرامیہ سے پہلے اس مذہب کا کوئی حامل نہ تھا۔

③ تیسرے گروہ کا مذہب ہے کہ ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کا نام ہے، مذکورہ فقہاء اور زاہدین کا یہی مذہب مشہور ہے۔

مرجئہ کا انحراف مختلف وجوہ کی بنا پر ہے:

ا۔مرجئہ کا یہ وہم ہی غلط ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر جو ایمان فرض کیا ہے انسانوں کے لحاظ سے وہ سب کے مابین برابر ہے، اور جو اور جیسا ایمان ایک شخص پر واجب ہے ویسا ہی ہر شخص پر واجب ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

۲۔مرجئہ کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ دل میں جو ایمان ہوتا ہے وہ صرف تصدیق ہوتی ہے دل کے دیگر اعمال اس میں شامل نہیں ہیں، جیسا کہ مرجئہ کے جہمیہ لوگوں کا مذہب ہے کا مذہب ہے۔

۳۔ان کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ ایمان جو دل میں ہوتا ہے وہ کسی قسم کے اعمال کے بغیر

ہی مکمل ہوتا ہے، اسی بنا پر وہ اعمال کو ایمان کا ثمرہ اور تقاضا خیال کرتے ہیں جیسا کہ سبب اور مسبب میں تعلق ہوتا ہے، اعمال کو ایمان کا لازم نہیں سمجھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ایسے لازم وملزوم ہیں کہ اعضاء کا عمل لامحالہ دل کے ایمان کو مستلزم ہے اور یہ ناممکن ہے کہ دل میں ایمان مکمل صورت میں موجود ہو مگر کوئی عمل آدمی نہ کرے] ج ۷ ص ۱۹۴-۲۰۴

④، ⑤ قدریہ اور جہمیہ

قدریہ کی بدعت صحابہ کے آخر زمانے میں اس وقت پیدا ہوگئی تھی جب قدر کے بارے میں غور وخوص شروع ہوا، تا آنکہ بڑھتا بڑھتا یہ فتنہ دو مختلف راہیں اختیار کر گیا: ایک منکرین قدر جو بعد میں قدریہ اور معتزلہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ دوسرا جبریہ جو بشری قدرت واختیار کا مکمل طور پر انکار کرتے تھے یہ لوگ بعدازاں جہمیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر ان میں سے ہر فرقہ قدر کے بارے میں اپنے اپنے مذہب میں مزید بدعات اور گمراہ اقوال کا اضافہ کرتا رہا، جبکہ یہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کی صفات کی کلی یا جزوی نفی کے اصول پر اتفاق رکھتے تھے۔

[پھر صحابہ کے آخری زمانے میں قدریہ نے جنم لیا۔ ان کی اس بدعت کی بنیاد یہ تھی کہ ان کی عقل بیک وقت اللہ کی تقدیر، اس کے امر و نہی اور وعد وعید کے ساتھ ایمان لانے سے قاصر تھی۔ ان باتوں کو وہ ناممکن سمجھتے تھے، اگرچہ اللہ کے دین، امر و نہی اور وعد ووعید کے ساتھ ایمان لائے تھے مگر کہتے تھے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ حکم دینے سے پہلے معلوم ہو کہ کون مانے گا اور کون سرتابی کرے گا کیونکہ ان کا گمان تھا کہ جسے یہ علم ہے کہ کیا ہوگا اور کیا نہیں اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ حکم صادر کرے جبکہ اس کو علم ہے کہ اس کا

مامور حکم کی نافرمانی کرے گا اور اطاعت نہیں کرے گا۔ان کا یہ گمان بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ بگڑے گا۔جب ان کی بدعت اس حد تک پہنچے گی کہ تقدیر پہلے سے مقرر نہیں ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زبردست طریقے سے اس کا رد کیا اور ان لوگوں سے براءت کا اظہار کیا حتیٰ کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان سے کہہ دو کہ میں ان سے بری ہوں اور یہ مجھ سے بری ہیں، اللہ رب العزت کی قسم اگر ان میں سے کسی کے پاس احد جتنا سونا بھی ہو اور وہ اسے خرچ کر دے تب بھی اللہ تعالیٰ اس سے قبول نہیں کرے گا تا آنکہ قدر کے ساتھ ایمان نہ لے آئے۔پھر آپ نے اپنے والد گرامی سے حدیث جبریل علیہ السلام روایت کی، صحیح مسلم کی یہ پہلی حدیث ہے، بخاری اور مسلم رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی نقل کی ہے۔

پھر اس کے بعد تو تقدیر میں بحث وجدال اور بھی بڑھ گیا، زیادہ تر یہ کام بصرہ اور شام میں اور کسی حد تک مدینہ میں ہوتا رہا، ان میں سے معتدل لوگ اور جمہور لوگ ازلی تقدیر اور پہلے سے لکھے ہوئے پر ایمان رکھتے تھے، ان کا جھگڑا صرف ارادہ الٰہی اور افعال العباد کے مخلوق ہونے کے بارے میں تھا۔ان کے دو گروہ ہو گئے تھے:

ایک منکرین تھے جو کہتے تھے کہ ارادہ مشیت سے مختلف کوئی چیز نہیں اور اللہ کا ارادہ وہی ہے جو اس کے احکامات ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے۔

تقدیر میں الجھنے والے دوسرے لوگ جبریہ تھے مثلاً جہم بن صفوان اور اس قسم کے دیگر لوگ، یہ کہتے تھے کہ ارادہ مشیت سے مختلف کوئی چیز نہیں اور امر و نہی کے لئے ارادہ مستلزم نہیں، بنابریں آدمی کا اپنا فعل کوئی ہے ہی نہیں نہ ہی اس کا کوئی اختیار چلتا ہے۔اس کے

ساتھ جہم اسماء اور صفات کی بھی نفی کرتا تھا۔ اس کا یہ قول ذکر کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تو کوئی شئے کہا جاسکتا ہے نہ اس کو کوئی دوسرا ایسا نام دیا جاسکتا ہے جو بندوں کو دیا جاسکے سوائے قادر کے کیونکہ بندہ قطعاً قادر نہیں کہ بندہ کسی قدرت واختیار کا مالک نہیں ہے۔

اس سے بیشتر خوارج، اہل قبلہ میں سے گناہ گار لوگوں کی تکفیر کا مذہب اپنا چکے تھے، ان کے بارے میں ان کا مذہب تھا کہ وہ کفار اور مخلد فی النار ہیں۔ لوگوں نے اس مسئلہ میں بحث وجدال شروع کردیا جس میں قدریہ نے بھی رائے زنی شروع کردی۔ یہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ہوا جب عمرو بن عبید اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ اہل ذنوب نہ تو مسلمان ہیں اور نہ ہی کافر، بلکہ منزلہ بین المنزلتین (دونوں کے بیچ کچھ) اور مخلد فی النار ہیں۔ چنانچہ اس بات میں وہ تو خوارج کے ہم خیال تھے کہ اہل ذنوب (گناہ گار) مخلد فی النار ہیں اور یہ کہ ان میں اسلام اور ایمان نام کی کوئی شئے نہیں ہے، تاہم ان کو کفار بھی نہ کہتے تھے۔ پھر لوگ یہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقے سے، جس میں قتادہ اور ایوب سختیانی رحمہم اللہ شامل تھے، اعتزال (علیحدگی) اختیار کر گئے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سے ان کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہیں یہ نام قتادہ رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ اب لوگوں میں دین کے اسماء اور احکام کی بابت تنازعہ واختلاف شروع ہوگیا اور مسلم ومومن، کافر وفاسق اور ان کے دنیوی واخروی احکام کی بحثوں نے طول پکڑنا شروع کرلیا۔ معتزلہ نے اہل کبائر کے بارے میں خوارج کے ساتھ اخروی احکام کی بابت تو اتفاق کرلیا مگر دنیوی احکام میں اختلاف رکھا، چنانچہ خوارج کی طرح ان کے جان ومال کو اپنے لئے حلال نہ کیا۔ ان کے ناموں کے بارے میں ایک نیا (بدعت) نام متعارف کرایا یعنی

منزلہ بین المنزلتین ،اس ایک بات میں معتزلہ خوارج سے متمیز رہے باقی تمام اقوال میں وہ ان کے ہم خیال وہم مشرب رہے] ج ۱۳ص ۳۶-۳۸

[پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں قدریہ کی بدعت نے جنم لیا۔اس سے بیشتر خوارج اللہ کے ''حکم شرعی'' کے بارے میں کلام کرتے تھے اس کے امر و نہی ،اور نتیجتاً وعد اور وعید ،اس کے موافق ومخالف اور کافر ومومن کے بارے میں رائے زنی کرتے تھے، یہ مسائل ''مسائل اسماء واحکام'' کہلاتے تھے۔تحکیم کے مسئلے میں پڑنے کی وجہ سے خوارج کو محکمہ کا نام بھی دیا گیا، چنانچہ جب کوئی شخص کہتا کہ لاحکم الا اللہ تو کہا جاتا یہ محکم ہے یعنی حکم اللہ کی بحث ونقاش میں پڑا ہوا ہے۔خوارج شرع الٰہی میں باطل طریقے سے بحث وجدال کرتے تھے اور قدریہ،قدر الٰہی باطل میں طریقے سے یہ کام کرتے تھے۔

ان کی اصل گمراہی ان کا یہ عقیدہ تھا کہ قدر شرع سے متعارض قسم کی کوئی چیز ہے۔بنابریں ان کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک گروہ شرع کو غایت درجے کی دفوقیت دیتا تھا اور اس بنا پر امر و نہی ، وعد اور وعید ،اللہ کی محبت وخوشنودی کا باعث بننے والے افعال کی اتباع اور اس کی کراہت اور ناپسندی کا سبب بننے والے افعال کے ترک و پرہیز کو بے انتہاء اہمیت دیتا تھا اور یہ سمجھتا یہ تھا کہ شرع اور قدر کو ایک ساتھ رکھنا ناممکن ہے......ایک یہ گروہ تھا جو شرع کو برتر و بالاتر کرتا اور اس بنا پر قدر کی تکذیب ونفی کرتا تھا یہ نفی بعض اوقات جزوی بھی ہوتی تھی۔جبکہ دوسرا گروہ قدر کو برتر و بالا سمجھ کے شرع کی باطنی یا حقیقی طور پر تکذیب ونفی کرتا ہے،ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ نفس امر میں اللہ نے جس کام کا حکم فرمایا ہے اور جس کام سے روکا ہے ان کے مابین کوئی فرق نہیں ، یہ سب کچھ ایک ہی ہے (کہ دونوں اللہ تعالیٰ ہی کراتا

ہے اور بندہ مجبور محض ہے) بایں طور اللہ کے اولیاء و اعداء میں بھی کوئی فرق نہیں اور نہ ہی اس کی پسند ناپسند میں کوئی فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو ایک ایسے امور میں جو فرق کیا ہے وہ اس کی مشیت سے ہے ایک کا حکم دیتا ہے اور دوسرے سے روک دیتا ہے۔ اس بنا پر یہ لوگ شرک و توحید، ایمان و کفر، طاعت و معصیت اور حلال و حرام ایسے فرق و امتیاز کا بھی انکار کر بیٹھے...... یہ لوگ اللہ کی حکمت و عدل کے انکاری تھے جبکہ وہ لوگ اس کی قدرت و مشیت یا قدرت و مشیت و علم کے انکاری تھے۔ اول الذکر شرک ربوبیت میں مجوس کے ہم پلہ ہو گئے کیونکہ غیر اللہ کو (افعال کا) خالق سمجھتے تھے جبکہ ثانی الذکر مشرکین کے ہم پلہ ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی عبادت میں ان کے ہاں کوئی فرق نہ رہا تھا بلکہ جس طرح اللہ کی عبادت کو جائز سمجھتے تھے اسی طرح غیر اللہ کی عبادت کو بھی روا رکھتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ لو شاء اللہ ما اشرکنا اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ ان لوگوں کی توحید زیادہ سے زیادہ مشرکین کی توحید ایسی تھی جو توحید ربوبیت کہلاتی ہے، رہی توحید الوہیت جس میں امر و نہی آتے ہیں اور یہ کہ اللہ کو جو پسند ہوتا ہے اس کا حکم فرماتا ہے اور جو ناپسند ہوتا ہے اسکی نہی فرماتا ہے تو اس توحید کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہ لوگ اتباع اھواء اور شرک و انار کی میں معتزلہ سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں، ان کے متکلمین اور زاہدین کی کمند یہاں جا ٹوٹتی ہے کہ بتوں تک کی عبادت کر لی جائے اور یہ کہ صاحب معرفت نیکی کے استحسان (اچھا سمجھنے) اور برائی کو برا خیال کرنے دونوں سے بلند و ماوراء اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قدریہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا (باہم) اثبات ناممکن ہے کیونکہ اگر وہ قادر ہوتا تو جو کام اس نے کیا ہے اس کی بجائے کوئی اور کام کرتا، اب جب وہ

کام نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ وہ اس پر قادر ہی نہیں۔ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے حکم ہی کی طرح حکمت بھی ثابت ہے۔

جبکہ جبریہ کہتے ہیں کہ اس کی قدرت تو ثابت ہے مگر حکمت نہیں اس کے کسی کام میں حکمت کا ہونا ممکن نہیں......ان میں سے جو لوگ آگے بڑھے انہوں نے شریعت اور نبوتوں کا بالکلیہ انکار کردیا۔ تاہم ان میں سے ایسے لوگ جو نبوت کا تو اقرار کرتے ہیں مگر باطن میں شریعت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ صاحب معرفت، پہنچے ہوئے انسان کے ہاں نیکی کی اچھائی رہتی ہے نہ بدی کی برائی، تو ایسے لوگ منافق ہوتے ہیں اور اپنے باطن میں جو چھپائے پھرتے ہیں اس کے برعکس اظہار کرتے ہیں ان کا مذہب ہے کہ شرع تو صرف بیمارستان کے لئے ہے، اسی وجہ سے ان کا نام باطنیہ رکھا گیا ہے، اسی طرح ملاحدہ کا نام بھی باطنیہ مشہور ہے کیونکہ یہ دونوں جو ظاہراً کرتے ہیں باطن اس کے برعکس رکھتے ہیں۔ باطن میں رسول اکرم ﷺ کے لائے ہوئے امر و نہی کو معطل سمجھتے ہیں۔ قصہ کوتاہ جہمیہ جبریہ یا تو ظاہر و باطن ہر دو طرح سے مشرکین ہوتے ہیں یا تو پھر منافقین ہوتے ہیں جو کہ شرک کو چھپائے پھرتے ہیں] ج ۱۳ ص ۲۱۱-۲۱۴

[کئی جگہ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ قدریہ کی تین قسمیں ہیں:

قدریہ مشرکیہ،

قدریہ مجوسیہ، اور

قدریہ ابلیسیہ

پہلا گروہ قضا و قدر کو مانتا ہے مگر ان کا زعم ہے کہ قضا و قدر امر و نہی کے ہم معنی ہی ہے اسی

بنا پر کہتے ہیں: لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا آباؤنا ولا حرمنا من دونہ من شیٔ. ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کر سکتے اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد اور نہ ہی ہم اللہ کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے کوئی حرام ٹھہراتے''۔ ان لوگوں کی نوبت شریعتوں اور امر و نہی کی تعطیل تک جا پہنچتی ہے تاہم تمام مخلوقات کے بارے میں ربوبیت عامہ کا اقرار رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ زمین پر چلنے والی کوئی بھی مخلوق ایسی نہیں جسے اللہ نے چوٹی سے پکڑ نہ رکھا ہو: وما من دابۃ الا ھو اللہ اخذ بناصیتھا. صوفیہ اور فقیر درویش لوگوں کی اکثریت، اعتقاد میں یا بزبان حال اسی مذہب کا شکار ہوتی ہے تا آنکہ تجاوز کرنے والے یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ محرمات کو حلال کر لیتے ہیں واجبات کو ساقط اور عقوبات کو معاف ٹھہرا لیتے ہیں ...... اس مذہب کے غالی لوگ بسا اوقات تمام موجودات کو عین، اللہ کی ذات کہہ دیتے ہیں، اپنے اور دوسروں کے گناہوں کو یہ کہہ کر جائز ثابت کرتے ہیں کہ یہ تقدیر اور ارادہ الٰہی کے عین مطابق ہے، پھر جب یہ نصاریٰ کے مذہب کا پرتو ہے، اور نصاریٰ نے اسے شرک سے درآمد کیا ہے، تو اس لئے یہ لوگ بھی جو شرع سے بظاہر متعارض تقدیر کو بطور بہانہ اور حجت پکڑتے ہیں تو مشرکین ہی کی پیروی کرتے ہیں......

دوسرا گروہ (قدریہ مجوسیہ) جو خلق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں جس طرح کہ پہلے لوگوں نے عبادت میں اس کے شریک ٹھہرائے تھے، چنانچہ ان کا مذہب ہے کہ خیر کا خالق اور ہے اور شر کا خالق اور۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے نہیں ہوتے بلکہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شاید اسے ان کا علم بھی نہیں ہو پاتا...... اسی بات کو بزعم خویش وہ عدل سمجھتے ہیں پھر اس کے ساتھ وہ صفات کی نفی کو بھی

شامل کردیتے ہیں، جسے توحید کا نام دیتے ہیں...... یہ مذہب بہت سے اہل کلام اور اہل فقہ میں سرایت کرگیا ہے۔اگر اعتقاداً نہیں تو بھی عملاً صورتحال یہی ہے...... یہ اعتقاد معتزلہ اورمتاخرین شیعہ میں بھی جاگزیں ہوا ہے...... پہلے اور دوسرے گروہ میں جو باہم تناقض ہے اس بناپر آپ معتزلہ کو،صوفیاء سے بعید ترین فرقہ نظر آئیں گے۔یہ یہود کی طرف مائل ہیں اور نصاریٰ سے دور ہیں۔اثبات صفات کو نیم اقانیم کے بارے میں نصاریٰ کا مذہب وعقیدہ گردانتے ہیں......

تیسرا گروہ (قدریہ ابلیسیہ) جو اس بات کو تو مانتے ہیں کہ دونوں امور اللہ کی طرف صادر ہوئے ہیں،مگر کہتے ہیں کہ یہ دونوں باہم متعارض ہیں یہ لوگ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ کے (خصماء) ''اللہ سے جھگڑا کرنے والے'' ہیں یہ لوگ شعروادب اور دیگر فنون کے علمبرداروں میں پائے جاتے ہیں اور بے شمار عقل کے اندھے شعراء اور زنادقہ ان میں شامل ہیں۔مثلاً اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے ابوالعلاء المعری کا یہ شعر

انهيت عن قتل النفوس تعمدا

وزعمت ان لها معادا اتيا

ما كان اغناها عن الحالين

تو نے عمداً نفوس انسانی کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔دوسری طرف تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ پھر زندہ ہوجائیں گے...... یہ کیا بات ہوئی!

اسی طرح بعض زنادقہ کا یہ کلام

تخلق نجوما و بينها اقمار

یقول یا قوم غضوا عنھم الابصار

تــرمی النسوان وتــزعق معشر الحضار

اطفــوا الطریق وبیدک قد رمیت النــار

(اللہ تعالیٰ ستارے تخلیق کرتا ہے،ان میں چاند صورتیں بھی ہوتی ہیں پھر کہتا ہے خبردار ان کی طرف دیکھنا منع ہے۔عورتیں نینوں کے تیر چلاتی ہیں اور حاضرین کو مدہوش کئے دیتی ہیں،ادھر تو فرماتا ہے آگ بجھادو اور خود آگ بھڑکاتا ہے۔

[اسی طرح کی اور بہت باتیں ہیں جن سے کہنے والے کا کفر اور قتل لازم آتا ہے]

ج۸ص۲۲۶-۲۶۰

[معتزلہ کا جو فرقہ ہے وہ صفات کی نفی کرتا ہے یوں جہمیہ کے مذہب کے قریب ہے ۔دوسری طرف قدر کی نفی کرتا ہے۔اس لئے اگرچہ یہ امر ونہی کی بے انتہاء تعظیم کرتے ہیں ،وعد اور وعید کو بڑھا چڑھا کر اور مبالغہ کر کے پیش کرتے ہیں مگر قدر کو جھٹلاتے ہیں اس لحاظ سے ان میں اس نوع کا شرک پایا جاتا ہے۔ایک آدمی ایک طرف اگر قدر کا انکار کرتا ہے مگر اس کے ساتھ امر ونہی اور وعد وعید کا اقرار کرتا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو ایک طرف قدر کا اقرار تو کرتا ہے مگر دوسری طرف امر ونہی اور وعد وعید کا انکار کرتا ہے......چنانچہ یہ صوفیاء جو امر ونہی کے منکر ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ تقدیر کو زور وشور سے پیش کرتے ہیں قدریہ معتزلہ وغیرہ سے کہیں بدتر ہیں کیونکہ وہ مجوس سے ملتے ہیں اور یہ مشرکین سے ہیں] ج۳ص۱۰۳-۱۰۴

[اس لفظ کی بدعت سب سے پہلے معتزلہ نے ایجاد کی جنھوں نے مسلمانوں کی جماعت

(الجماعۃ) اور سواد اعظم کو حشو کا نام دیا جیسا کہ رافضی ان کو جمہور کا نام دیتے ہیں۔ حشو الناس کا مطلب ہے عام لوگ یا جمہور لوگ جو کہ چند لوگ یا خاص بلند پایہ لوگ کے برعکس لفظ ہے یہ کہنا کہ حشو الناس میں سے ہے (جیسا کہ معتزلہ اہلسنّت کو کہتے ہیں) ایسا ہی جیسا کہ یہ کہنا کہ یہ جمہور میں سے ہے (جیسا کہ شیعہ اہلسنّت کو نام دیتے ہیں) سب سے پہلے جس نے یہ کلام شروع کیا وہ عمرو بن عبید تھا جس نے کہا تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حشوی تھے۔ چنانچہ معتزلہ مسلمانوں (الجماعۃ) کو حشو کہتے ہیں اور رافضی ان کا نام جمہور کے نام سے ذکر کرتے ہیں] ج ۳۰ ص ۱۸۵

[تاہم سادہ ''قدریہ'' لوگ تو ان سے...... یعنی رافضیوں...... بدرجہا بہتر ہیں اور ان کی نسبت کتاب وسنت سے کہیں قریب تر بھی، لیکن قدریہ کے معتزلہ یا جہمیہ یا اس طرح کا مزید کوئی مذہب رکھنے والے لوگ جو بسا اوقات اپنے مخالف کی تکفیر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اموال کو روا اور مباح قرار دے لیتے ہیں تو وہ خوارج کے قریب ہو جاتے ہیں] ج ۳ ص ۳۵۷

[صفات الٰہی کی تعطیل کا جو مذہب ہے، یہ اصل میں یہود اور مشرکین کے تلامذہ سے ماخوذ اور صائبین کی گمراہی کا پرتو ہے۔ وہ سب سے پہلا شخص جسے تاریخ اسلام نے اس مذہب کا حامل قرار دیا ہے...... کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں عرش پر نہیں...... اور استواء سے مراد استیلاء وغیرہ ہے۔ وہ جعد بن درہم تھا۔ یہ مذہب اس سے جہم بن صفوان نے لیا اور عام کرنا شروع کر دیا جنانچہ یہ مذہب جہمیہ کے نام سے منسوب ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جعد نے یہ عقیدہ ابان بن سمعان سے لیا تھا جس نے اسے طالوت ابن اخت لبید بن الاعصم سے لیا

تھا اور طالوت نے لبید بن الاعصم سے لیا تھا، یہ وہی یہودی جادوگر تھا جس نے نبی اکرم ﷺ پر جادو کیا تھا] ج ۵ ص ۲۰

[جہم بن صفوان کا مذہب تھا کہ ایمان صرف دل کی تصدیق کا نام ہے چاہے زبان سے بھی نہ بھی ادا کیا جائے۔ یہ قول امت کے کسی عالم یا امام سے منسوب نہیں بلکہ امام احمد، وکیع اوران جیسے دیگر ائمہ نے ایسا قول کہنے والے کو کافر کہا ہے] ج ۱۳ ص ۴۷

[اس مذہب کے بانی کو جعد بن درہم کہا جاتا ہے۔ اسے امیر وقت خالد بن عبداللہ القسری نے عید قربان کے روز ذبح کیا تھا...... اس سے یہ مذہب جہم بن صفوان نے لیا ، اسے سلمہ بن احوز نے خراسان میں قتل کیا۔ جہمیہ کا مذہب اسی سے منسوب ہے جو کہ صفات الٰہی کی نفی پر مشتمل ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ روز آخرت اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہو سکے گا نہ ہی وہ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے نہ اس کو علم ہے نہ زندگی ، نہ قدرت اور نہ اس قسم کی کوئی دوسری صفت، قرآن کو یہ لوگ مخلوق مانتے ہیں]

[پھر معتزلہ میں سے عمرو بن عبید کے ساتھی اور تلامذہ اس مسئلہ میں جہم بن صفوان کے ہم مذہب ہو گئے اور یوں اپنے مذہب میں مسئلہ تقدیر وغیرہ کی بابت ایک نئی بدعت کے اضافہ کا باعث بنے] ج ۱۲ ص ۵۰۲-۵۰۳

[معتزلہ کے اصول کل پانچ ہیں جنہیں وہ توحید ،عدل ،منزلہ بین المنزلتین ، انفاذ الوعید، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نام دیتے ہیں۔

لیکن ان کے ہاں توحید کا مطلب ہے نفی صفات......

عدل کے معنی میں قدر یعنی اللہ تعالیٰ کا بندوں کے افعال کا خالق ہونے، پیش آنے والی

اشیاء کا ارادہ رکھنے اور کسی چیز پر قدرت رکھنے کی تکذیب شامل ہے۔ان میں سے کچھ تو کسی چیز کے رونما ہونے سے قبل اللہ کے علم اور لکھی ہوئی تقدیر کے بھی منکر ہیں......

منزلہ بین المنزلتین کا مطلب ہے کہ فاسق انسان نہ تو (کچھ اسباب کی بنا پر) مومن کہلاسکتا ہے اور نہ ہی کافر، اس لئے وہ منزلہ بین المنزلتین (دونوں کے بیچوں میں بیچ شمار ہوگا۔

انفاذ الوعید کا مطلب ہے کہ ملت کے فاسق لوگ (مخلد فی النار) ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ تو شفاعت سے نکلیں گے نہ کسی اور طریقے سے، جیسا کہ خوارج کا عقیدہ ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ائمہ (خلفاء) کے خلاف خروج اور قتال کا جواز بھی شامل ہے] ج ۱۳ ص ۳۸۶

[ابھی نفی صفات کا فتنہ رونما نہ ہوا تھا کہ جعد بن درہم نے آنکھ کھولی، یہ اس بدعت کا بانی تھا، اسے امیر خالد بن عبداللہ القسری نے ذبح کیا...... پھر مشرق کی سمت ترمذ کے علاقے سے جہم بن صفوان رونما ہوا اور وہاں اس کا مذہب زور جڑ پکڑنے لگا......ان کا مذہب اصل میں اس وقت مشہور ہوا جب امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ سنت کو ایذاؤں کا سلسلہ شروع ہوا کیونکہ مامون کے امارت کے دور میں یہ خاصے پروان چڑھے تھے......تب تمام طوائف کے منکریں صفات، ابن ابی داؤد کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

امام عبداللہ بن مبارک، اسحاق، اور بخاری رحمہم اللہ ایسے دیگر علماء اہلسنّت ان سب لوگوں کو جہمیہ کا نام دیتے تھے۔امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب میں متاخرین حضرات اور دیگر بہت سے لوگ یہ سمجھنے لگ گئے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے مقابل صرف معتزلہ تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے

بلکہ معتزلہ ان لوگوں میں سے ایک طائفہ تھا۔

قصہ کوتاہ جہم سے دو بدعتیں مشہور ہوئیں:

ایک نفی صفات کی

اور دوسری، قدر اور ارجاء میں غلو کی، اس بناء پر ایمان سے مراد وہ صرف دل میں موجود علم لیتا تھا اور بندوں کے اپنے کسی بھی فعل یا قدرت کے ہونے کا انکار کرتا تھا۔

اور جو دونوں بدعتیں تھیں، معتزلہ ان میں جہم کے برعکس کی بدعات میں غلو کرتے تھے......جہم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی کے اثبات کو نہیں مانتا تھا، نہ ارادہ کی صفت کو اور نہ کسی اور کو......صوفیہ کے بیشتر لوگوں میں بھی یہ مذہب عام ہو گیا جس کی بنا پر وہ، افعال اور قدر کے مسائل میں جہم بن صفوان کے ہم خیال ہو گئے۔ تاہم صفات میں وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں] ج ۸ ص ۲۲۸-۲۳

خلاف سنت بدعات اوران کے حاملین کے بارے میں اہلسنّت کا موقف

اہلسنّت والجماعت کا مذہب ہے کہ مذہب سنت کی مخالفت بدعات پیچیدہ اور دقیق مسائل میں بھی واقع ہوسکتی ہے اوراصول عظیمہ میں بھی۔ بنابریں اہل بدعات مذہب سنت سے قرب وبعد میں ایک سے نہیں بلکہ تفاوت رکھتے ہیں، کسی کی مخالفت ایسی ہوتی ہے کہ بحث، الفاظ واسماء تک ہی ہوتی ہے جبکہ کسی کی، معانی ومطالب اورحقائق کی حدتک ہوتی ہے۔اس لئے اہلسنّت کی نظر میں بدعات اوراس بناپراہل بدعات کی متعدداقسام ہیں۔

① ایسی بدعات جن کے حاملین کی عدم تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں مثلاً مرجئہ تفضیل تفصیل کاعقیدہ رکھنے والے شیعہ

② ایسی بدعات جن کے حاملین کی تکفیر یاعدم تکفیر میں اختلاف ہے مثلاً خوارج اورررافضی شیعہ۔

③ ایسی بدعات جن کے حاملین کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں مثلاً جہمیہ محضہ

[عقائداورکلام میں مختلف شخصیات سے منسوب جوطوائف ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو اصول عظیمہ میں سنت کے مخالف ہیں اور ایسے بھی ہیں جن سے مخالفت، دقیق امور میں ہوئی ہے] ج ۳ص ۳۴۸

① بدعات جن کے حاملین کی عدم تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں

[جہاں تک مرجیہ کاتعلق ہے تو وہ ان کی مغلظ بدعت میں شامل نہیں بلکہ ان کے مذہب میں بعض فقہاء وزاہدین بھی داخل رہے ہیں جبکہ یہ حضرات اہلسنّت ہی میں شمار ہوتے تھے، تا آنکہ ان کے مذہب میں مزید گمراہ سے گمراہ تر اقوال کا اضافہ ہوتا رہا۔اب جب ارجاء

اور تفضیل (علی رضی اللہ عنہ) ایسے مذاہب میں سے بعض مشہور ومعروف بزرگ بھی منسوب رہے ہیں تو اس لئے مشہور ائمہ (اہل) سنت نے مرجئہ اور مفضلہ کی مذمت میں اس لئے گفتگو کی ہے تا کہ لوگ ان کے مذہب سے دور رہیں] ج ۳ص ۳۵۷

[جہاں تک مرجئہ کا تعلق ہے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اقوال ونصوص میں ایسا کوئی تعارض نہیں پایا جاتا کہ وہ ان کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ان کی بدعت فروع میں فقہاء کے اختلاف کی جنس میں شمار ہوتی ہے،ان کے کلام اور گفتگو میں سے بہت سی باتیں تو صرف لفظی بحث سے تعلق رکھتی ہیں یا ناموں میں اختلاف ہے،چنانچہ ان مسائل کی بحث کو باب الاسماء کا نام دیا جاتا ہے۔یہ مسئلہ بے شمار فقہاء کے اختلاف میں ہوتا ہے لیکن تعلق اصل دین (عقائد) سے رکھتا ہے،اس بنا پر اس میں نزاع کرنے والے کو بدعتی (مبتدع) کہا جاتا ہے] ج ۱۲ص ۴۸۵

[یہی مسئلہ (مفضلہ) شیعہ کے ان لوگوں کا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں امام احمد رحمہ اللہ بلا اختلاف اقوال ان کی تکفیر نہیں کرتے کیونکہ یہ مذہب فقہاء کی ایک تعداد کا بھی رہا ہے،اگرچہ ان کو اہل بدعت میں شمار کیا جاسکتا ہے] ج ۱۲ص ۴۸۶

[جہاں تک سلف اور ائمہ سنت کا تعلق ہے تو ان میں مرجئہ اور شیعہ مفضلہ کی عدم تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں ،اور نہ ہی اس طرح کی دیگر بدعتوں کے بارے میں ،امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں بھی بلا اختلاف اقوال یہ ملتا ہے کہ ان لوگوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی] ج ۳ص ۳۵۱

③ بدعات جن کے حاملین کی تکفیر میں اختلاف ہے

[جہاں تک قدریہ کے ان لوگوں کا تعلق ہے جو علم الٰہی کا اقرار کرتے ہیں اور وہ روافض جو غالی نہیں، اور جہمیہ وخوارج تو ان کی تکفیر کے بارے میں ان سے (امام احمد رحمہ اللہ) سے دو روایتیں ہیں①۔

ان کے مطلق قول کی حقیقت کا یہی مطلب ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ پر، علم الٰہی کے اقرار کرنے والے قدریہ کی تکفیر سے توقف کا رجحان بھی غالب رہا ہے۔ یہی موقف ان کا خوارج کے بارے میں تھا جبکہ ان کا یہ بھی قول ہے کہ میں نہیں جانتا کہ خوارج سے بدتر بھی کوئی لوگ ہوں گے...... کافر کو جو کافر نہیں کہتا اس کے بارے میں بھی امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایتیں ہیں صحیح روایت یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا جو مطلقاً کسی کافر کو کافر نہیں کہتا حالانکہ یہ صریح غلطی ہے۔ جہمیہ کے بارے میں عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ، یوسف بن اسباط رحمہ اللہ، امام احمد کے بعض شاگردوں اور دیگر ائمہ کا موقف ہے کہ وہ ان بہتر فرقوں میں شامل نہیں جن میں امت کے بٹنے کی پیشینگوئی کی گئی ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کے ہاں ان فرقوں کے اصول خوارج، شیعہ، مرجئہ اور قدریہ ہیں یہی امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ماثور ہے اور یہی عام ائمہ سنت وحدیث سے ماثور ہے، ان کا قول ہے کہ جو قرآن کو مخلوق مانتا ہے وہ کافر ہے جو کہتا ہے کہ روز آخرت اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا یا اس طرح کا دیگر عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ابوالنصر السجزی ان کے بارے میں دو اقوال ذکر کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ کفر ہے اور ملت سے خارج کر دیتا ہے اس کے بارے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

①: امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول کی تحقیق وتفصیل جہمیہ کے بارے میں آگے آئے گی کیونکہ انہوں نے بعض کی تکفیر کی ہے اور بعض کی نہیں اس لیے کچھ لوگ مغالطے کا شکار ہوئے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں حالانکہ وہ ان پر مطلق کفر کا حکم لگاتے ہیں۔

بیشتر اہل علم کا یہی قول ہے، دوسرا یہ کہ کفر تو ہے مگر ملت سے خارج نہیں کرتا۔اس بناء پر خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بات علماء نے بطور تغلیط کی ہے۔اسی طرح ہمارے مذہب کے متاخرین میں ان لوگوں کے بارے میں اختلاف رہا ہے کہ ان میں سے جس کی تکفیر کی جائے، آیا وہ مخلد فی النار ہوگا یا نہیں؟ بیشتر بزرگ اس پر تخلید فی النار کے حکم کا اطلاق فرماتے ہیں۔یہی بات بات متقدمین علماء حدیث کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے جن میں ابو حاتم اور ابوزرعہ رحمہما اللہ ایسے حضرات شامل ہیں جبکہ بعض ان کے مخلد فی النار ہونے کے بارے میں توقف کرتے ہیں] ج ۱۳ص ۴۸۶-۴۸۷

③ بدعات جن کے حاملین بلا اختلاف کافر ہیں

[امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور عام ائمہ سنت کے مذہب میں مشہور قول کی رو سے جہمیہ کافر قرار پاتے ہیں جو کہ صفات رحمٰن کی تعطیل کرتے ہیں، کیونکہ ان کا یہ مذہب انبیاء ورسل پر نازل شدہ کتب کی قطعی طور پر منافی اور صریحاً الٹ ہے، ان کے مذہب کی حقیقت کی تان یہاں ٹوٹتی ہے کہ خالق کا اصلاً انکار ہی کر دیا جائے۔اب ظاہر ہے اس میں رب کا قطعی انکار بھی شامل ہے۔اسی وجہ سے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم لوگ یہود ونصاریٰ کا کلام تو بیان کر سکتے ہیں مگر جہمیہ کی ایسی ایسی زبان درازیاں ہیں کہ انہیں نوک زبان پر نہیں لایا جاسکتا۔کئی ائمہ کا کہنا ہے کہ یہ لوگ یعنی جہمیہ یہود ونصاریٰ سے بڑھ کر اور بدتر کافر ہیں۔اسی بنا پر اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو قرآن کو مخلوق مانتا ہے اور یہ مذہب رکھتا ہے کہ آخرت میں اللہ کا دیدار نہیں ہوگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں ہے اور نہ ہی اسے علم ہے، نہ قدرت، نہ رحمت، نہ غضب اور نہ ہی اس طرح کی کوئی اور

صفت]ج ۱۲ص ۴۸۶-۴۸۷

[مرجئہ کی عدم تکفیر کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ اپنا مذہب بیان کیا ہے۔جس کسی نے ان کی تکفیر کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ کا مذہب نقل کیا ہے، یا ان کو اہل بدعت کی اس صنف میں شمار کیا ہے جن کی تکفیر کی بابت علماء وائمہ میں اختلاف ہے،اس کو یقیناً مغالطہ ہوا ہے۔امام احمد رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ سے جو قول ثابت ہے وہ یہ کہ جہمیہ مشبہہ اوراس طرح کی بدعات کے حاملین کافر ہیں]ج ۷ص ۵۰۷

اہلسنّت والجماعت کا کسی معین شخص کی بابت حکم لگانے کا موقف

اہل بدعات میں سے کسی گروہ پر معصیت،فسق یا کفر وغیرہ کا مطلق حکم لگانا اور بات ہے اور کسی ایسے شخص کو(جس کا مسلمان ہونا ثابت ہو)متعین کر کے اس پر حکم لگانا اور بات ہے ۔اہلسنّت والجماعت کے مذہب میں ان دونوں باتوں میں فرق کیا جاتا ہے۔چنانچہ کسی متعین شخص سے اگر معصیت،فسق یا کفر پر مبنی بدعت سرزد ہو جائے تو اہلسنّت کے ہاں اس پر متعلقہ حکم اس وقت تک صادر نہیں کیا جاتا جب تک اسے یہ بات واضح کر کے بیان نہ کر دی جائے کہ وہ مذہب سنت کے مخالف ہے اور یہ کام اقامت حجت اور ازالۂ شبہات کے ذریعے ہوتا ہے۔اسی طریقے سے وعید(عذاب)کی مطلق نصوص کے مابین اور کسی شخص کو متعین کر کے(احکام آخرت میں اس کے اس وعید کے مستحق قرار پانے کے مابین بھی فرق کیا جاتا ہے)

[سب سے بڑھ کر، میں اس بات کا شدید مخالف ہوں کہ کسی شخص کو متعین کر کے اس پر

کفر، فسق اور معصیت کا حکم لاگو کیا جائے، تاوقتیکہ اس بات کا علم نہ ہو جائے کہ اس وہ حجت رسالت قائم ہو چکی ہے جس کی مخالفت کرنے والا آدمی کافر یا فاسق یا عاصی قرار پاتا ہے ۔ یہاں میں اس بات کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خطا کو معاف کر دیا ہے اور اس خطا میں اخبار و اقوال ایسے (اعتقادی) مسائل بھی شامل ہیں اور عملی مسائل بھی...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ فلاں فلاں اعتقاد یا مذہب رکھنے والے پر سلف اور ائمہ نے تکفیر کا اطلاق کیا ہے تو یہ یقیناً برحق ہے، مگر اطلاق اور تعین میں فرق کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ بڑے اور اصولی مسائل میں سے پہلا مسئلہ ہے جس پر امت میں اختلاف پیدا ہوا ہے......یعنی مسئلہ وعید...... چنانچہ وعید کے بارے میں قرآنی نصوص میں اطلاق پایا جاتا ہے مثلاً: ''ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلما. وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم و زیادتی سے کھا جاتے ہیں'' اس طرح کی تمام نصوص ایسی ہیں کہ جو ایسا کرے گا اسے یہ عذاب ملے گا یا اس سزا کا مستوجب ہوگا۔ یہ نصوص عموماً مطلق ہیں، ایسا ہی حال اس قول کا ہوگا جس سلف میں سے کسی نے کہا ہو کہ جو شخص ایسا کہے اس کا یہ حکم ہے۔ مزید برآں جہاں تک متعین شخص کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں وعید کا حکم توبہ کی بنا پر بھی ٹل سکتا ہے ، نیکیوں کی بنا پر بھی جو کہ برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، مصائب کی وجہ سے بھی ایسا ہو سکتا ہے جو کہ گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں اور ایسی شفاعت کے ذریعے بھی جسے اللہ تعالیٰ قبول فرما لے ۔ تکفیر بھی وعید ہی میں شمار ہوتی ہے کیونکہ اگرچہ اس کا مطلب رسول اکرم ﷺ کے فرمان کو جھٹلانا ہے تاہم ایسی کوئی بات کسی ایسے شخص سے بھی صادر ہو سکتی ہے جو ابھی بالکل نومسلم ہو یا کہیں دور دراز کے دیہات وغیرہ میں رہتا ہو۔ ایسا آدمی اگر کسی بات کا انکار کر رہا ہے تو

اس وقت تک اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے ۔بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص نے وہ نصوص سن ہی نہ رکھی ہوں، یا سنی بھی ہوں مگر اس کے نزدیک وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچتی ہوں، یا اس کے خیال میں کچھ دوسری دلیلیں ان نصوص کے الٹ پڑتی ہوں جس کی بنا پر ان کی تاویل ضروری سمجھتا ہو۔اس قسم کے گمان رکھنے میں چاہے وہ غلطی پر ہی کیوں نہ ہو مگر اسے متعین کرکے حکم نہیں لگایا جائے گا] ج ۳ص ۲۲۹-۲۳۱

[اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ وہ قول جو کتاب وسنت اور اجماع کی رو سے کفر ہو اس کو کفر ہی کہا جائے گا مگر اس کا اطلاق اس طریقے سے ہوگا جو شرعی دلائل سے ثابت ہے ۔کیونکہ کفر وایمان بھی ان احکام میں سے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ سے لئے جاتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے گمان اور ہوائے نفس کارفرما ہیں ۔ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جو (کفر کی) فلاں بات کہے اس پر کفر کا حکم بھی لگایا جائے ۔تا آنکہ اس کے بارے میں تکفیر کی شروط پوری نہ ہو جائیں اور موانع باقی نہ رہیں ۔مثلاً اگر کوئی شخص شراب یا سود کو حلال کہے تو ہوسکتا ہے وہ بالکل نومسلم ہو یا اس نے کہیں دور دراز کے دیہات میں زندگی گزاری ہو، یا ہوسکتا ہے اس طرح کا کوئی شخص بات سنے تو اسے اوپری یا نئی لگے اور وہ سمجھ رہا ہو کہ قرآن اور حدیث میں ایسا نہیں آیا ہے ۔جس طرح کہ سلف میں بھی بعض حضرات کوئی ایسی بات سنتے جو انہیں نئی اور اوپری لگتی تو اس وقت تک انہیں اس کا یقین نہ آتا جب تک ان کے ہاں یہ ثابت نہ ہو جاتا کہ نبی اکرم ﷺ نے واقعی ایسا کہا ہے، اور جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بعض باتوں میں شک وتردد رہتا تھا تا آنکہ ان کے بارے میں وہ رسول اکرم

ﷺ سے دریافت نہ کرلیتے تھے مثلاً دیدار الٰہی اس طرح کے دیگر امور] ج ۳۵ ص ۱۶۵-۱۶۶

[کوئی قول یا اعتقاد تو کفر ہی ہوتا ہے مثلاً نماز زکوۃ، روزہ یا حج کی فرضیت سے انکار یا مثلاً زنا، شراب، جوئے یا محرمات سے نکاح کو جائز اور روا کرلینا، مگر جہاں تک اس کے کہنے والے کا تعلق ہے تو ہوسکتا ہے اس کو حکم شرعی نہ پہنچ پایا ہو اور ایسی صورت میں انکار کرنے والا کافر قرار نہیں پاتا۔ مثلاً جو شخص ابھی بالکل نیا نیا اسلام لایا ہے یا دور دراز کی دیہاتی یا جنگلی زندگی گزارتا رہا ہے اور وہاں اسے شریعت کے احکام نہ پہنچ پائے ہوں، ایسا شخص اگر کسی امر کے بارے میں نہ جانتا ہو کہ وہ رسول اکرم ﷺ پر نازل ہوا ہے اور اس بنا پر اس کا انکار کرلے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ جہمیہ کے اقوال بھی اسی زمرے میں آتے ہیں چنانچہ یہ اقوال رب تعالیٰ کی حقیقت اور اس کے رسول ﷺ پر اس کے نازل کئے ہوئے کلام کے انکار پر مبنی ہیں، پھر مندرجہ ذیل امور ان کے مذہب کی سنگینی کو دوآتشہ کردیتے ہیں:

۱۔ کتاب وسنت اور اجماع سے ان کے مذہب کے خلاف بے شمار نصوص ملتی ہیں جو کہ مشہور بھی ہیں مگر یہ لوگ تحریف کے ذریعے ان کو رد کرتے ہیں۔

۲۔ ان کے مذہب کی تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ کائنات کے صانع کا انکار کردیا جائے ۔ ہاں یہ ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ صانع کا انکار کردیا جائے۔ اب جس طرح ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا اقرار کیا جائے اس طرح کفر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا انکار ہو۔

۳۔ یہ لوگ ان باتوں کے بھی انکاری ہیں جن پر تمام ملتوں کا اتفاق ہے بلکہ اہل فطرت

سلیمہ بھی اس پر متفق ہیں] ج۳ص۳۵۴

[کسی کے لئے یہ روانہیں ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی کی تکفیر کرے چاہے وہ غلطی یا کج روی پر ہی کیوں نہ ہوتا آنکہ اس پر حجت قائم نہ کرلی جائے اور دلیل واضح نہ کردی جائے ۔کسی شخص کا مسلمان ہونا ایک بار قطعی طور پر ثابت ہوجائے تو یہ حکم شک کی بنا پر زائل نہیں ہوگا بلکہ جب تک اقامت حجت نہ ہوجائے اور شبہات دور نہ ہوجائیں اس وقت تک زائل نہ ہوگا] ج۱۲ص۴۶۶

[یہ جو اہلسنّت کے مابین جھگڑا ہے جہمیہ کے افراد کو فرداً فرداً کافر قرار دینے کا تو اس کا سبب دلائل کا باہم تعارض ہے کیونکہ یہ تو دلائل واضح ہیں کہ ان پر کفر کے اطلاق کا احکام کیا جائے مگر جہاں تک ان کو فرداً فرداً کافر کہنے کا تعلق ہے تو ان میں ایسے افراد بھی ہیں جو جہمیہ کے اقوال کے قائل تو ہیں مگر ایمان میں ان کی صورتحال یہ ہے کہ ان کے کافر ہونے میں بھی کچھ امور مانع ہوتے ہیں ۔اس بنا پر ان افراد کے حق میں دونوں دلیلیں باہم متعارض نظر آتی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان حضرات کو ائمہ کرام کے اقوال میں الفاظ عموم کو سمجھنے میں وہی مغالطہ ہوتا ہے جو پہلے لوگوں کو شرعی نصوص میں موجود الفاظ عموم کو سمجھنے میں لگا تھا۔چنانچہ یہ لوگ ائمہ وسلف کا کوئی قول سنتے ہیں کہ فلاں اور فلاں بات کا قائل کافر ہے تو سننے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس لفظ (عام) کی زد میں ہر وہ شخص (فرداً فرداً) شامل ہے جو اس بات کا قائل ہوا ہے ۔جب کہ اس بات کو فراموش کرجاتے ہیں کہ (کسی شخص کو متعین کرکے) کافر قرار دینے کی کچھ شروط ہیں اور کچھ موانع ہیں جو ہوسکتا ہے بعض اوقات کسی ایک خاص شخص کے بارے میں پورے نہ ہوتے ہوں،اور یہ بھی ان کے ذہن میں لازم

نہیں رہتا کہ تکفیر مطلق اور تکفیر معین لازم وملزوم نہیں ہیں الا یہ کہ مطلوبہ شروط پوری ہوجائیں اور موانع بھی باقی نہ رہیں۔اس امر کی نشان دہی اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کرام جنہوں نے اس طرح کے عمومات کا اطلاق فرمایا ہے، نے ان بیشتر افراد کی فرداً فرداً اور بعینہ تکفیر نہیں کی جو متعلقہ فکر یا قول کے قائل رہے تھے......امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کرام کے ان اقوال واعمال سے صاف صراحت ہوتی ہے کہ وہ جہمیہ کو فرداً فرداً کافر نہ کہتے تھے جن کا مذہب تھا کہ قرآن مخلوق ہے اور یہ کہ آخرت میں دیدار الٰہی نہ ہوگا۔امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کی فرداً فرداً بھی تکفیر کی ہے اب ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں منقول ہوئی ہوں......مگر یہ بات محل نظر ہے......اور یا یہ صورت رہ جاتی ہے کہ اس مسئلہ کو تفصیل پر محمول کیا جائے اور حقیقت کو کھولا جائے۔چنانچہ یہ کہا جائے گا جن لوگوں کی امام صاحب نے بعینہ تکفیر کی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس تکفیر کی دلیل قائم ہوچکی تھی یعنی تکفیر کی شروط پوری ہوچکی تھیں اور موانع نہ رہے تھے، اور جن لوگوں کی بعینہ تکفیر نہ کی تھی جبکہ عمومی انداز میں تکفیر کا اطلاق تو بہرحال کرتے ہی تھے، تو وہ اس لئے کہ ان خاص لوگوں کے حق میں فرداً فرداً وہ شروط پوری نہ ہوتی تھیں] ج ۱۲ص ۴۸۷-۴۸۹

[اس گفتگو سے دو نہایت اہم اصول ثابت ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ علم، ایمان اور ہدایت صرف وہی کچھ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مبعوث ہوئے ہیں اور س کے خلاف جو کچھ ہے وہ علی الاطلاق کفر ہے چنانچہ صفات الٰہی کی نفی کفر ہے اور اس بات کی تکذیب کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے دن دیدار کرائے گا، یا یہ کہ وہ عرش پر

ہے، یا کہ قرآن کلام الٰہی ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو دوست پکڑا تھا، کفر ہے اور اس طرح کے دیگر اقوال بھی کفر ہیں ، ائمہ اہلسنّت والحدیث کے کلام واقوال کا یہی مطلب ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ عام تکفیر...... جیسے مثلاً وعید عام...... تو یہ ضروری ہے کہ انسان مطلق اور عمومی طور پر اس کا قائل ہو۔ تاہم جہاں تک کسی شخص کو متعین یا اس کی نشان دہی کر کے اس پر کافر یا پکا جہنمی ہونے کا حکم لگانے کا تعلق ہے تو اس کے لئے الگ سے موجود اور متعین دلیل ہونا ضروری ہے کیونکہ موخر الذکر حکم کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا مطلوبہ شروط پوری ہوتی ہیں اور موانع زائل ہوتے ہیں یا نہیں] ج ۱۲ اص ۴۹۷

[جب اس بات (یعنی پچھلے پیروں میں تکفیر کے جو قواعد و جوابط بیان ہوئے ہیں) کا علم ہو جائے تو اگر چہ اس طرح کے مذہب کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے مگر پھر بھی ان جاہلوں (یعنی مخالفین مذہب اہلسنّت) میں سے کسی کی نشان دہی کر کے تکفیر کی جلدی نہیں کرنی چاہیے یعنی کسی کا تعین کر کے اس پر کافر ہونے کا حکم نہ لگایا جائے تا آنکہ اس پر حجت رسالت قائم نہ کر لی جائے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ وہ انبیاء کے برعکس چل رہا ہے ۔تکفیر معین کے سلسلے میں یہ اصول تمام لوگوں کے بارے میں ہے۔

یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ ان بدعات میں سے بدعات، یعنی بدعات سے کہیں بڑھ کر شدید اور گھناؤنی ہوتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض بدعتی بعض دوسرے بدعتیوں سے کہیں بڑھ کر ایمان سے کورے اور تہی دامن ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود کسی کے لئے یہ روا نہیں کہ مسلمانوں میں کسی کی تکفیر کرے اگر چہ وہ غلطی اور کج روی پر ہی کیوں نہ ہو، تا آنکہ

اس پر اقامت حجت نہ ہو جائے اور دلیل واضح نہ کر دی جائے۔ جس شخص کا ایک بار قطعی طور پر مسلمان ہونا ثابت ہو جائے اس کا یہ حکم شک کی بنا پر زائل نہیں ہوسکتا، بلکہ جب تک اقامت حجت اور ازالہ شبہ نہ ہو جائے اس وقت تک زائل نہیں ہوسکتا] ج ۱۲ ص ۵۰۰

[لعنت بھی وعید کے باب سے ہے اس لئے اس کا حکم بھی عمومی طور ہی پر لگانا چاہیے۔ اور جہاں تک ایک متعین شخص کا تعلق ہے تو ہوسکتا ہے وعید اس سے کسی صحیح توبہ کی وجہ سے مرفوع ہو جائے یا نیکیوں کی وجہ سے ایسا ہو جائے جو برائیوں کو مٹاتی ہیں، ایسے مصائب کی بنا پر بھی ایسا ہوسکتا ہے جو گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں، کسی قابل قبول شفاعت کی بدولت بھی اس کے علاوہ کسی اور ایسے سبب کی بنا پر بھی وعید ٹل سکتی ہے جس کا (دنیوی) نقصان گناہ گار سے آخرت کے عذاب کو ساقط کر دے۔ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس سے کوئی گناہ سرزد ہو چکا ہو...... بنابریں کسی بھی متعین شخص کو یقینی طور پر جنتی نہیں کہا جاسکتا سوائے یہ کہ الگ سے اس کے بارے میں دلیل خاص ہو، اسی طرح کسی متعین شخص کو یقینی طور پر دوزخی نہیں کہا جاسکتا الا یہ کہ اس کے بارے میں الگ سے دلیل خاص موجود نہ ہو۔ صرف ایک عموم میں شامل ہونے کی بنا پر اس یقینی امر میں کوئی ظنی حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں ہی عموموں میں شامل ہوتا ہو اور اس بنا پر ثواب کا بھی مستحق ہو اور عذاب کا بھی] ج ۳۵ ص ۶۶ - ۶۸ - ۲۸۲

اجتہاد یا تاویل کرنے والے مسلمان عالم کے بارے میں اہلسنّت کا مسلک

اہلسنّت والجماعت جہاں اہل بدعات کے لوگوں سے فرداً فرداً کافر یا فاسق کہنے میں جلدی کرنے سے احتیاط برتتے ہیں تا آنکہ ان پر قیام حجت اور ازالہ شبہات نہ ہو جائے

،وہاں وہ کسی مسلمان عالم کوکسی بنابر غلط اجتہاد یا دور کی تاویل کی وجہ سے کافر یا فاسق حتیٰ کہ مرتکب گناہ قرار دینے کو بھی روا نہیں سمجھتے خاص طور پر اگر تاویل ان مسائل میں کی گئی ہو جو ظنیات اور اختلافی ہوں۔

[وہ مسلمان علماء جو دنیا میں علم کلام میں اجتہاد کر لیتے ہیں ان میں سے اگر کسی کے کلام میں غلطی سرزد ہوگئی ہے تو بھی اس کی تکفیر جائز نہیں ہے...... چانچہ جاہلوں کو مسلمان علماء کی تکفیر کا کام سونپ دینا بہت ہی بڑا جرم ہے...... اصل میں اس کی بنیاد خوارج اور روافض سے جاملتی ہے جو اپنے تئیں امور دین میں کچھ غلطیوں کی بنا پر ائمہ مسلمین کی تکفیر کرتے ہیں۔

اہلسنّت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علماء امت کی محض کسی غلطی یا لغزش کی بنا پر تکفیر جائز نہیں بلکہ سوائے رسول اکرم ﷺ کے ہر کسی کی بات لی بھی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے اور وہ عالم جس کی کسی غلطی کی بنا پر اس کی کوئی بات ترک کرنے کے قابل ہو، ضروری نہیں کہ وہ کافر یا فاسق ہو بلکہ اسے مرتکب گناہ تک بھی قرار دیا جاسکے......اور یہ بات معلوم امور میں سے کہ وہ علماء امت جنہوں نے اس باب میں کلام کیا ہے......یعنی عصمت انبیاء کے باب میں ......تو ان کی تکفیر سے ممانعت، بلکہ عموماً بھی علماء کی تکفیر کی ممانعت، چاہے وہ غلطی پر ہی کیوں نہ ہوں درحقیقت مقاصد شریعت میں شامل ہے...... چنانچہ ظنی مسائل میں کیونکر علماء امت کی تکفیر کی جاسکتی ہے؟ پھر کیونکر جمہور علماء امت یا جمہور علماء سلف اور بزرگ ائمہ کرام کی تکفیر ہوسکتی ہے جس پر کہ اصلاً کوئی دلیل وحجت بھی نہیں ہے] ج ۳۵ ص ۱۰۰-۱۰۴

ایک ایسا شخص جس کا کافر ہونا معلوم ہوا اہلسنّت کا اس کی نسبت

اہل بدعت سے رویہ بہرحال مختلف ہوتا ہے

اہلسنّت والجماعت اہل قبلہ میں سے ہر بدعت کے حاملین کے درمیان، چاہے ان کی بدعت کیسی ہی کیوں نہ ہو، اور مشرکین واہل کتاب ایسے شخص کے درمیان جس کا کفر دین اسلام کی رو سے قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہو بہرحال فرق روا رکھتے ہیں۔ یہ حکم ظاہری طور پر عام ہے جبکہ یہ معلوم ہے کہ ان لوگوں (اہل بدعت) میں سے بہت سے لوگ باطنی طور پر منافقین اور زندیق ہوتے ہیں۔

[چنانچہ ایسے بعض مسائل میں ① جو شخص غلطی پر ہوتا ہے، اسے یا تو مشرکین اور اہل کتاب ایسے کفار کے ساتھ ملایا جائے جبکہ عام اصول ایمان میں وہ ان سے قطعی مختلف ہے، اور یا پھر اسے ایجاب وتحریم ایسے مسائل میں غلطی کا ارتکاب کرنے والوں میں شامل کیا جائے جبکہ یہ مسائل بھی اصول ایمان ہی میں سے ہیں کیونکہ فرائض ظاہرہ متواترہ کے وجوب وفرضیت اور محرمات ظاہرہ متواترہ کی تحریم پر ایمان سب سے بڑے اصول ایمان اور قواعد دین میں شامل ہے اور ان کا انکاری بالاتفاق کافر ہے جبکہ ان میں سے بعض مسائل میں اجتہاد کرنے والا، اگرچہ غلطی پر شمار ہوگا مگر بالاتفاق کافر نہیں ہے۔

اب جب اسے مذکورہ ہر دو اصناف میں سے کسی ایک کے ساتھ لازمی طور پر شامل کرنا پڑے گا، تو پھر یہ تو معلوم ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والے مخطئین، مشرکین واہل کتاب کی بہ نسبت دوسری صنف کے زیادہ قرین مشابہت ہیں۔ اس لئے ایسے شخص کو انہی کے ساتھ ملانا چاہیے۔ اس بنا پر ماضی وحال میں امت کا تعامل اس بات پر رہا ہے کہ

---

①: مراد ہے عقائد کے مسائل۔ مثلاً صفات۔ قدر۔ ایمان اور وعید وغیرہ جن میں قول مخالف کو بدعت شمار کیا جاتا ہے

اس کے قسم کے وہ تمام لوگ جن سے ان مسائل میں غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ان پر اسلام کے وہی احکام فٹ ہوتے ہیں جو دیگر مخطئین پر، اگرچہ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ اہل بدعات میں سے بہت سے لوگ منافقین ہوتے ہیں جن کا نفاق اکبر ہوتا ہے جبکہ ایسے لوگ باطنی طور پر کفار ہوتے ہیں، اور ان میں سے کسی کا حال ظاہری طور پر معلوم ہو جائے تو وہ ظاہراً بھی کافر ہوگا] ج ۱۲ص ۴۹۶

[ہر وہ شخص جو محمد ﷺ کے آوردہ دین پر ایمان رکھتا ہے وہ ہر اس شخص سے بہتر ہے جو اس سے کفر کرتا ہے، اگرچہ مومن میں کسی طرح کی کوئی بدعت ہی کیوں نہ ہو اور چاہے یہ بدعت خوارج، شیعہ، مرجئہ قدریہ یا اس قسم کی کوئی اور ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ تو ایسے کفار ہیں جن کا کفر دین اسلام میں قطعی طور پر معلوم و ثابت ہے اور اہل بدعت اگر ایسا سمجھ رہا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی موافقت میں ہے اور مخالفت میں نہیں ہے تو وہ آپ کے ساتھ کفر نہیں کر رہا، اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ کافر ہے تو اس کا کفر بہر حال ایسے شخص کا سا نہیں ہے جو رسول اکرم ﷺ کو جھٹلاتا اور تکذیب کرتا ہے] ج ۳۵ ص ۲۰۱

فصل دہم

اہل بدعات کے ساتھ اہلسنّت والجماعت کا رویہ وسلوک

① اہل بدعات کے ساتھ رویہ وسلوک کی بابت اہلسنّت کے ہاں میزان

اہل بدعات کی بابت ،اہلسنّت والجماعت کا فرض اولین یہ ہے کہ ان کی گمراہی کو واضح کر کے بیان کیا جائے ،امت کو ان سے خبر دار کیا جائے ، مذہب سنت کو غالب اور ظاہر کیا جائے ،اور مسلمانوں کو اس کی تعلیم و تبلیغ کی جائے ، پھر یہ ہے کہ بدعات کو مٹایا جائے اور ان کے حاملین کے بغی وعدوان سے بچا اور بچایا جائے ،مگر یہ سب کچھ عدل وانصاف کے ترازو کے پابند رہتے ہوئے اور کتاب وسنت کی نصوص کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جائے۔

[یہ حق کا بیان اپنی جگہ،مگر جو بھی میری مخالفت کرتا ہے اس کے لئے میں دل کشادہ اور فراخ رکھتا ہوں ۔اس لئے بے شک وہ میرے بارے میں تکفیر،تفسیق ،افتراء یا عصبیت جاہلیت کے ذریعے اللہ کی حدود کو پھلانگتا رہے مگر میں اس کے بارے میں اللہ کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا بلکہ میں کچھ کرنے اور کہنے سے پہلے اس کا وزن کرتا ہوں اور میزان عدل میں اسے پرکھنے کی کوشش کرتا ہوں ، یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ وہ میری بات کو اللہ کی نازل کردہ اور ہدایت دہندہ کتاب کی اقتداء میں ہو جسے کہ اللہ عزوجل نے لوگوں کے نزاعات میں حکم وفیصلہ کا سزاوار بنایا ہے] ج ۳ ص ۲۴۵

[جو چیز شاہد یا گواہ وغیرہ کی جرح کا باعث بنتی ہے اور اس کی عدالت اور دینداری کو

داغدار کرتی ہے اگر ایسی (خرابی) کی شہادت دینے والے کو بطور استفاضہ (جو خبر زبان زد عام ہو) وہ بات معلوم ہوئی ہو تو بھی شہادت دی جاسکتی ہے......یعنی ضروری نہیں کہ وہ علم بذات خود سننے اور دیکھنے کا ہی نتیجہ ہو......اور یہ بھی قدح شرعی شمار ہوگی ......اور میں نہیں جانتا کہ اس بارے میں کوئی اختلاف ہو۔کیونکہ اس دور میں سبھی مسلمان عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری رحمہ اللہ اور اس طرح کے دیگر اہل عدل اور حاملین دین کے بارے میں شہادت صرف علم مستفیض (شہرت) کی بنا پر دیتے ہیں۔اسی طرح حجاج بن یوسف، مختار بن ابی عبید، عمرو بن ابی عبید، غیلان القدری، اور عبداللہ بن سبا رافضی ایسے لوگوں کے بارے میں ظلم یا بدعت وغیرہ کی جو شہادت دیتے ہیں وہ بھی صرف علم مستفیض کی بنا پر ہی ہوتی ہے...... یہ بھی تب ہے جب مقصد کسی کی شہادت یا ولایت رد کرنے کے لئے اس کی تفسیق کرنا ہو، اور اگر مقصد یہ ہو اس سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور اس کے شر سے بچا جائے تو اس سے کم پر بھی گزارا ہو سکتا ہے...... جو شخص بدعت کی طرف دعوت دیتا ہے اس کے بارے میں سب مسلمانوں کا اختلاف ہے کہ وہ سزا کا مستوجب ہے، اور اس کی سزا قتل بھی ہو سکتی ہے اور اس سے کم بھی ......اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ سزا کا مستحق نہیں یا یہ کہ اسے سزا نہیں دی جا سکتی تو پھر بھی اس کی بدعت کو بیان اور واضح کرنا اور اس سے خبردار کرنا تو بہر حال ضروری ہے کیونکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منجملہ امور میں شامل ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق نے حکم دے رکھا ہے اور وہ بدعت جس کی بنا پر آدمی اہل اھواء میں شمار ہوتا ہے ایسی بدعت وہی ہے جس کا کتاب اور سنت کے مخالف اور برعکس ہونا علماء سنت کے ہاں مشہور و معروف ہو مثال کے طور پر خوارج، روافض، قدریہ اور

مرجئہ کی بدعت ......عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دونوں صنفیں ہیں، ان سے خبردار رہو: ایک جہمیہ اور دوسرے روافض، کہ یہ دونوں اصناف تمام اہل بدعات میں بدترین ہیں] ج ۲۵ص ۴۱۴-۴۱۵

[اسی طرح وہ شخص جو اپنی ایجاد کردہ بدعت کی بنا پر، جس کا کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں وجود نہیں، مسلمانوں تکفیر کرتا ہے اور ان کے جان و مال کو مباح اور حلال کر لیتا ہے ، اس کو بھی اس سے روکنا واجب ہے اور ایسی سزا دینا بھی ضروری ہے جس سے یہ سبق حاصل کرے چاہے وہ قتل کے ذریعے ہو یا جنگ و قتال کے ساتھ۔ چنانچہ اگر ایسا ہو جائے کہ تمام گروہوں میں عدوان و زیادتی کے مرتکب لوگوں کو سزا دی جائے اور تمام گروہوں میں سے متقی لوگوں کی شرف و عزت افزائی کی جائے تو یہ اللہ اور رسول ﷺ کی پسندیدگی اور مسلمانوں کی اصلاح کا سب سے بڑا سبب ہوگا] ج ۳ص ۴۲۳

[اگر ایک ہی شخص میں دو وصف مجتمع ہوں ، خیر بھی اور شر بھی ، فجور و معصیت بھی اور اطاعت بھی ، سنت بھی اور بدعت بھی ، تو ایسا شخص بقدر خیر محبت و دوستی اور ثواب کا مستحق ہے اور بقدر شر و دشمنی و مخاصمت اور عذاب کا مستوجب ہے۔ چنانچہ ایک ہی شخص میں بیک وقت عزت و شرف اور اہانت کے اسباب اکھٹے ہو سکتے ہیں اس لئے وہ دونوں کا مستحق ہوگا] ج ۲۸ص ۲۰۹

[اس بارے میں جان لینا ضروری ہے کہ بسا اوقات شریعت کی طرف سے ہم دنیا میں تو کسی شخص پر قتل یا کوڑوں وغیرہ کی حد قائم کرنے کے پابند ہو سکتے ہیں جبکہ آخرت میں اس کی عذاب سے معافی ہو جائے مثال کے طور پر باغیوں اور تاویل کرنے والے لوگوں سے

قتال جبکہ ان کی عدالت قائم اور باقی رہتی ہے، یا مثلاً ایسے شخص پر حد کا قیام جس نے قابو میں آنے کے بعد توبہ صحیحہ کر لی ہو......بخلاف اس شخص کے جو کسی بھی قسم کی تاویل نہ کرتا ہو......

اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مخلوق کی ایک بڑی تعداد دنیا میں سزا سے بچی رہتی ہے جبکہ آخرت کے لحاظ سے وہ کفار ہوتے ہیں، مثلاً وہ اہل ذمہ جو اپنے کفر پر رہتے ہوئے جزیہ دینا قبول کر لیتے ہیں یا مثلاً منافقین جو بظاہر مسلمان بنے رہتے ہیں اور اس بنا پر دنیوی لحاظ سے ان پر مسلمانوں ہی کے احکام لاگو ہوتے ہیں جبکہ اخروی لحاظ سے وہ کافر ہیں ......اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ بدلہ وجزا حقیقت میں صرف روز آخرت ہی ہوگا جو کہ دار ثواب وار دعذاب ہے، جہاں تک دنیا میں سزا وعقاب کا تعلق ہے تو وہ شریعت میں اس قدر ہے جو ظلم وعدوان کو روک سکے......جب ایسا ہے تو دنیا کی سزا آخرت کی سزا کے لئے مستلزم نہیں نہیں ہے اور نہ ہی اس کے برعکس صورت حال ہے یہی وجہ ہے کہ سلف کے بیشتر بزرگ اس بنا پر اس داعی بدعت کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے کیونکہ وہ دین میں فساد برپا کرتا ہے چاہے وہ اس کے کافر ہونے کے قائل ہوں یا نہ ہوں] ج ۱۲ص ۵۰۰

خلاف کتاب وسنت عقائد یا عبادات کے حاملین ایسے ائمہ بدعات کے متعلق بھی یہی ہے کہ ان کے بارے میں لوگوں کو آگاہ وخبردار کرنا باتفاق مسلمین، واجب ہے۔حتیٰ کہ جب امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نماز روزہ اور اعتکاف بکثرت کرتا ہے دوسرا اہل بدعات کا رد کرتا ہے، آپ کے نزدیک کون سا بہتر ہے؟ تو کہنے لگے: ''اگر کوئی شخص نماز، روزہ اور اعتکاف کرتا ہے تو وہ اس کے اپنے لئے ہے اور اگر اہل بدعات کا رد کرتا ہے تو

یہ مسلمانوں کے لئے ہے اور یہی افضل ہے‘‘۔امام صاحب نے یہاں یہ بات واضح کی ہے کہ موخرالذکر کا نفع وفائدہ تمام مسلمانوں کے لئے ان کے دین کی خاطر ہے جو کہ جہاد کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے دین اور منہج وشریعت کو پاک کرنا اوراس پر یہ لوگ جس بغی وعدوان کے مرتکب ہوتے ہیں اس کا رد کرنا فرض کفایہ ہے۔اور اگر ایسے لوگ نہ ہوا کرتے جنہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے پھیلائے ہوئے ضرر اور شر کو رد کرنے کے لئے کھڑا کرتا ہے تو آج دین برباد ہو چکا ہوتا،اور دین کا فساد اہل حرب ایسے دشمن کے غلبے کے فساد سے کہیں بڑا ہوتا ہے کیونکہ یہ (موخرالذکر) لوگ اگر غلبہ حاصل کرلیں تو دلوں میں فساد پیدا نہیں کریں گے،الا یہ کہ شکست کے نتیجے میں بعد میں ایسا ہو ،لیکن ان کے فساد کی بنیاد اور ابتداء دلوں سے ہوتی ہے] ج ۲۸ص ۲۳۱-۲۳۲

[دشمنان دین دو طرح کے ہوتے ہیں،ایک کفار،دوسرے منافقین،دونوں ہی گروہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جہاد کا حکم فرمایا ہے...... چنانچہ اگر منافقین دین میں خلاف قرآن بدعات ایجاد کرتے رہیں،لوگوں کو ان میں پھانستے اور اشتباہ پیدا کرتے رہیں اور لوگوں کو ان کی حقیقت معلوم نہ ہو پائے تو اس کتاب میں فساد برپا ہو جائے اور دین تبدیل ہو جائے جیسا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کا دین اس بنا پر فساد کا شکار ہوا کہ اس میں ہونے والی تحریف کے کارپردازوں کا رد نہیں ہوسکا۔اور اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو منافقین تو نہیں مگر ان کی باتوں میں آئے رہتے ہیں،ان کے چکر میں آجاتے ہیں اور ان کی حقیقت ان پر واضح نہیں ہو پاتی تا آنکہ وہ ان کی بات کو حق سمجھ لیتے ہیں جبکہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہوتی ہے،اوراس بنا پر منافقین کی بدعات کی طرف دعوت دینے لگ جاتے ہیں تو بھی ان کی

حقیقت بیان کرنے اور واضح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ ایسے لوگوں کے سلسلے میں فتنہ دو چند ہو جاتا ہے کیونکہ ان میں ایمان بھی ہوتا ہے جو اپنے بقدر ان سے تعلق اور موالات کا متقاضی ہوتا ہے، جبکہ دوسری طرف وہ ایسی بدعات کا شکار ہوتے ہیں جو منافقین نے برپا کی ہوتی ہیں اور دین میں فساد کا باعث بنتی ہیں۔ چنانچہ ان بدعات سے تحذیر اور خبردار کرنا بھی لازمی اور ضروری ہے چاہے اس مقصد کے لئے ان لوگوں کا ذکر کرنے یا نشان دہی کرنے کی ضرورت بھی کیوں نہ پڑے، بلکہ اگر انہوں نے وہ بدعت کسی منافق سے نہ بھی لی ہو بلکہ اس بنیاد پر وہ اس کے قائل ہوں کہ وہ ہدایت ہے، یا اس میں خیر ہے یا یہ کہ وہ دین ہے ،جبکہ درحقیقت ایسا نہ ہو،تب بھی ان کی حقیقت اشکار کرنا ضروری ہے] ج ۲۸ص ۲۳۲-۲۳۳

[اسی بنا پر ایسے شخص کا حال اور حقیقت بیان کرنا بھی واجب ہے جو حدیث اور روایت میں غلطی کھا گیا ہو یا روایت اور فتویٰ میں غلطی کا مرتکب ہوا، یا زہد وعبادت میں ایسا کرتا ہو۔ اگرچہ اس بارے میں وہ اجتہاد کی غلطی پر ہی کیوں نہ ہو جس کی نہ صرف مغفرت ہو جاتی ہے بلکہ اپنے اجتہاد پر اسے اجر بھی ملتا ہے۔ اس لئے ایسے قول وعمل کو بیان کرنا واجب ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو چاہے ایسا کرنے میں اس شخص کے قول وعمل کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم جس شخص کے بارے میں یہ علم ہو کہ اس نے جہاں تک اجتہاد ہوسکتا ہے وہاں اجتہاد کیا ہے تو اس کا بطور مذمت یا آثم ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی غلطی کو معاف فرمایا ہوتا ہے۔ بلکہ اس شخص کے ایمان وتقویٰ کے بقدر اس سے دوستی وموالات اور محبت بھی واجب ہے اور اس کے ان حقوق کا لحاظ وادائیگی بھی جو اللہ نے

فرض کر رکھے ہیں مثلاً دعا وثناء اور دیگر حقوق اور اگر اس کے منافق ہونے کا پتہ چلے، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں بھی ایک گروہ کے نفاق کا علم ہو گیا تھا......اور جس طرح کہ مسلمانوں کو تمام رافضیوں کے نفاق (منافق) ہونے کا علم ہے......تو ایسے شخص کا نفاق کے ساتھ ذکر ہوگا، اور اگر اس سے بدعت ظاہر ہو اور یہ علم نہ ہو سکے کہ وہ منافق تھا یا مومن مخطی، تو اس کے بارے میں صرف اتنی بات کی جائے گی جو ہمارے علم میں آئی ہو۔ کیونکہ یہ تو جائز اور حلال نہیں کہ آدمی اس چیز کے پیچھے پڑے جس کا اسے علم نہیں۔ اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ایسی بات کرتے وقت اس مقصد کے علاوہ کوئی اور نیت نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی مطلوب ہی مقصود ہونی چاہیے کہ اللہ ہی کا حکم سربلند ہو اور دین سارے کا سارا اللہ کے لئے خالص ہو جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں جو شخص علم کے بغیر بات کرے یا اپنی معلومات کے برعکس غلط بیانی کرے وہ گناہ گار ٹھہرتا ہے] ج ۲۸ ص ۲۳۳-۲۳۴

[امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے اصحاب وتلامذہ میں ایک جماعت، خلاف کتاب وسنت بدعت کے داعی ومبلغ کے قتل کے جواز کی قائل ہے یہی مسلک امام مالک رحمہ اللہ کے بیشتر تلامذہ کا ہے جن کا کہنا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے قدریہ کے قتل کی اجازت فساد فی الارض کی بنیاد پر دی ہے نہ کہ ارتداد کی بنا پر...... یہ بھی دلیل دی جا سکتی ہے کہ فساد پھیلانے والے کا شر اگر قتل کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے ختم نہ ہو سکتا ہو تو اسے قتل کرنا بھی جائز ہے] ج ۲۸ ص ۳۴۶

[جہاں تک خوارج اور رافضیوں کے کسی ایک شخص کا تعلق ہے جس پر قابو پا لیا گیا ہو تو اس کے بارے میں شیخین عمر وعلی رضی اللہ عنہما سے اس کا قتل کرنا بھی مروی ہے ان لوگوں میں سے

کسی قابو آنے والے آدمی کے قتل کے بارے میں اگرچہ فقہاء کا اختلاف ہے مگر اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بصورت امتناع ان سے قتال واجب ہے کیونکہ قتال قتل سے وسیع تر ہے۔ جیسا کہ حملہ آور دشمنوں اور اعتداء پر کمر بستہ باغیوں سے بھی قتال کیا جاتا ہے اگرچہ ان میں سے کوئی قابو آجائے تو اسے صرف وہی سزا دی جائے گی جس کا اللہ اور رسول ﷺ نے حکم دے رکھا ہے۔

اور خوارج کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے یہ جو نصوص متواترہ ہیں، ان میں علماء نے لفظی یا معنوی لحاظ سے ان ایسے تمام اہل اھواء کو شامل کیا ہے جو شریعت رسول اکرم ﷺ اور جماعت المسلمین سے خروج کرتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ تو حروریہ (خوارج) سے کہیں بدتر ہیں۔ اس سلسلے میں خرمیہ، قرامطہ، نصیریہ یا ہر وہ شخص جو کسی بشر کے بارے میں اللہ ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے یا انبیاء کے علاوہ کسی کو نبی مانتا ہے اور اس بنیاد پر مسلمانوں سے آمادہ جنگ ہے، ایسے تمام لوگ بطور مثال بیان کئے جاسکتے ہیں اور یہ سب لوگ حروریہ خوارج سے بدرجہا بدتر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی صرف اس وجہ سے حروریہ خوارج کا ذکر فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد ظہور پذیر ہونے والی اہل بدعات کی وہ سب سے پہلی صنف تھی بلکہ ان میں سے پہلا شخص تو آپ ﷺ کے زمانہ حیات ہی میں نکل چکا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کے ان کا ذکر اپنے زمانے سے قرب کی بنا پر کیا تھا...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اقدس نے اس زمانے میں وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے کئی امور کا بھی بطور خاص ذکر کیا تھا...... کیونکہ یہ امور ان لوگوں میں پورے ہوتے تھے۔ اب جن لوگوں میں وہ صفات پوری ہوتی ہوں ان کو بھی انہی لوگوں کے ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان کی نشاندہی کی

ضرورت پیش آئی تھی، یہ بحث اس لئے تھا کہ اس وقت سننے والوں کے لئے نشاندہی کی ضرورت پیش آئی تھی، یہ بحث اس صورت میں ہے جب آپ کے الفاظ میں (لفظی طور پر) یہ شامل نہ ہوتے ہوں] ج ۲۸ ص ۴۷۵-۴۷۷

[جہاں تک حروریہ ایسے خوارج یا رافضیوں وغیرہ میں سے کسی ایسے شخص کے قتل کا تعلق ہے جس پر قابو پایا جائے تو اس سلسلے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں جو کہ دو روایات ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہیں، ان میں سے صحیح یہی ہے کہ اس صنف کے ایسے شخص کا قتل جائز ہے جو مثلاً اپنے مذہب کی پرزور دعوت دیتا ہے یا اس طرح کا اور شخص جس میں فساد ہو۔ جہاں تک ان کو کافر یا مخلد فی النار کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کے دو قول مشہور ہیں، یہ بھی روایات ہیں جو کہ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہیں یہ دونوں اقوال خوارج اور حروریہ ورافضہ میں سے پاپی قسم کے لوگوں کے بارے میں ہیں۔صحیح یہ ہے کہ یہ اقوال جن کے یہ قائل ہیں اور جن کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آوردہ دین کے برعکس ہیں، کفر ہیں۔اس طرح ان کے وہ افعال بھی جو کفار کے ان افعال کی جنس سے ہیں جنہیں وہ مسلمانوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں، کفر ہیں......لیکن جہاں تک ان کے کسی فرد کی متعین اور نشاندہی کر کے تکفیر یا تخلید فی النار کا تعلق ہے تو اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا تکفیر کی شروط پوری ہوتی ہیں اور موانع دور ہوتے ہیں یا نہیں، کیونکہ ہم وعد اور وعید اور تکفیر و تفسیق کی نصوص پر مبنی قول کا مطلق حکم تو لگاتے ہیں مگر کسی فرد کی نشان دہی کر کے اس وقت تک اس عموم میں اسے شامل نہیں ٹھہراتے جب تک اس نص کا مقتضی اس میں قائم نہ ہو جائے اور اس سے الٹ کوئی معارض نہ رہے...... کیونکہ جب تک رسالت کا ابلاغ نہ ہو جائے اس

وقت تک کفر کا حکم عائد نہیں کیا جاتا اور ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جنہیں اپنے عقیدہ کی مخالف نصوص نہ پہنچ پائی ہوں یا انہیں یہ علم نہ ہو پایا ہو کہ رسول اکرم ان نصوص کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اس لئے مطلقاً تو یہ کہا جائے گا کہ یہ قول کفر ہے، تاہم تکفیر اسی کی ہوگی جس پر وہ حجت قائم ہو جائے جس کا تارک کافر ہوتا ہے نہ کہ سب کی ، واللہ اعلم بالصواب] ج ۲۸ ص ۴۹۹ - ۵۰۱

[اسی طرح وہ بدعتی بھی جو رسول اکرم ﷺ کی شریعت اور سنت کے کسی حصے سے خروج کرتا ہے، اور ان مسلمانوں کی جان و مال حلال کر لیتا ہے جو آپ ﷺ کی شریعت وسنت سے تمسک رکھتے ہیں، یہ شخص فاسق کی بہ نسبت قتال کا زیادہ مستوجب ہے، اگر چہ وہ اس کو دین سمجھ کر تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کرتا ہو......یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ بدعات مغلضہ ان گناہوں سے کہیں بدتر ہیں جن کے کرنے والے انہیں گناہ سمجھ کر کرتے ہیں ۔ اسی امر پر رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی رہی ہے ، جیسا کہ آپ ﷺ نے مذہب سنت سے خروج کرنے والے سے تو قتال کا حکم فرمایا ہے جبکہ ائمہ (امراء) کے ظلم وجور پر صبر کرنے اور گناہوں کے باوجود ان کے پیچھے نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک صحابی کے بارے میں، جس سے کسی گناہ پر اصرار سرزد ہوا تھا یہ شہادت دی تھی کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اس پر لعنت سے منع فرمایا تھا (جس نے نبی اکرم ﷺ سے انصاف کرنے کو کہا تھا) مگر ذوی الخویصرہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں ان کی تمام تر عبادت وریاضت اور ورع وتقویٰ کے باوجود فرمایا تھا کہ یہ اسلام سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے]

ج۲۸ص ۴۷۰-۴۷۱

چنانچہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف کی یہی سنت ہے، انہوں نے ہی شیعہ کو بسمیت تینوں اصناف سزا دینے کا حکم دیا تھا، ان میں سب سے ہلکی صنف مفضلہ کی ہے (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو دیگر خلفاء راشدین پر فوقیت دیتے ہیں) چنانچہ ان کو بھی حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نے کوڑے مارنے کا حکم فرمایا تھا، جبکہ ان میں غالی تو باتفاق مسلمین قتل کے قابل ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے بارے میں الوہیت اور نبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں، مثلاً نصیری اور اسماعیلی ...... چنانچہ یہ سبھی کفار، یہود و نصاریٰ سے کہیں بدتر کافر ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص یہ اعتقاد ظاہر نہ کرے تو بھی ان منافقین میں شمار ہوگا جن کا ٹھکانہ جہنم میں درک اسفل ہے۔ اور جو شخص ظاہر و برسر عام کرے وہ تو سب کافروں سے بڑھ کر مہا کافر ہے۔ چنانچہ یہ جائز نہیں کہ انہیں مسلمانوں کے مابین رہنے دیا جائے اور ان سے جزیہ یا ذمہ قبول کیا جائے، نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، نہ ان کے ذبیحے کھانا جائز ہے کیونکہ یہ مرتد ہیں اور مرتد بھی بدترین قسم کے۔ یہ لوگ اگر جمعیت فراہم کر کے رکاوٹ پیدا کریں تو ان سے قتال واجب ہے جیسے مرتدین سے قتال کیا جاتا ہے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسیلمہ کذاب کے حواریوں سے جنگ کی تھی۔ اگر یہ مسلمانوں کی بستیوں میں ہوں تو ان سے توبہ کرانے کے بعد بکھیر کر رکھا جائے گا اور صرف اس صورت میں مسلمانوں کے مابین بسایا جائے گا، اسلام کے وہ تمام قوانین جو مسلمانوں پر لاگو ہوتے ہیں ان کا بھی انہیں پابند کیا جائے گا۔ اور یہ حکم صرف رافضہ ہی کے غالیوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی مشائخ میں سے کسی کے بارے میں غلو کرتا

ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ مجھے رزق دیتا ہے، یا یہ کہ وہ مجھ سے نماز کو ساقط کرتا ہے، یا مثلاً یہ کہتا ہے کہ اس کا شیخ یا پیر نبی اکرم ﷺ سے افضل ہے، یا یہ کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی شریعت سے مستغنی و بے نیاز ہے اور اس کے پاس شریعت نبوی ﷺ کے علاوہ اللہ تک رسائی کا کوئی اور طریقہ ہے، یا کسی شیخ یا بزرگ کے بارے میں کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس کی وہی حیثیت ہے جو خضر کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی...... تو یہ سب کے سب کفار ہیں ان سے قتال ، مسلمانوں کا اجماع ہے کہ واجب ہے۔ اگر ان کا کوئی فرد بھی قابو آجائے تو وہ بھی واجب القتل ہے] ج ۲۸ ص ۴۷۴ - ۴۷۵

④ اہلسنّت کا رویہ اہل بدعت کو چھپا کے رکھنے والے سے بدعت کے علمبردار کی بہ نسبت مختلف ہوتا ہے

ایسے شخص کے ساتھ جو اپنی بدعت کو چھپائے رکھتا ہے، اہلسنّت والجماعت کا وہ رویہ وسلوک نہیں ہوتا جو بدعت کے داعی اور ظاہر و برسر عام کرنے والے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ موخر الذکر کا ضرر متعدی ہوتا ہے اور دوسروں تک سرایت کرتا ہے اس لئے اس کو روکنا ، برا کہنا اور ہجر و مفاصلت وغیرہ ایسی سبق آموز سزا دینا فرض ہے۔ جبکہ وہ شخص جو بدعت کو سرعام نہیں کرتا اس کا رد و انکار بھی چھپا کے کیا جائے گا اور اس کی پردہ پوشی بھی کی جائے گی کیونکہ ایسا شخص زیادہ سے زیادہ منافقین کے درجے تک میں ہوسکتا ہے جن سے نبی اکرم ﷺ بھی ظاہر کی بنا پر سلوک کرتے تھے اور ان کے پوشیدہ امور کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتے تھے۔

[جو شخص کتاب مستبین اور سنت مستفیضہ یا سلف امت کے اجماع کی اس طرح مخالفت

کرتا ہے جس میں اسے کوئی عذر نہ رہے، تو اس کے ساتھ بھی وہی رویہ وسلوک کیا جائے گا جو اہل بدعت سے روا رکھا جاتا ہے...... مسلمانوں کے سواد اعظم کا مسلک یہ ہے کہ مظہرین بدعات، اور مظہرین کبائر ایسے وہ لوگ جن میں ٹیڑھ پن کی علامات ظاہر ہوں ان سے ہجر (کنارہ کشی اور دوری) اختیار کی جائے۔

تاہم وہ شخص جو ایک معصیت خفیہ کرتا ہے یا کسی بدعت غیر مکفرہ (جس سے آدمی کافر نہیں ہوتا) کو چھپائے رکھتا ہے تو ایسے شخص سے ہجر (کنارہ کشی اور دوری) اختیار نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا مستوجب صرف داعی بدعت ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ ہجر ایک قسم کی سزا ہے اور سزا صرف اس شخص کو دی جاتی ہے جو قولی یا فعلی لحاظ سے معصیت ظاہر کرتا ہے۔ رہا وہ شخص جو ہمارے سامنے خیر بھی ظاہر کرتا ہے تو ہم ظاہر پر ہی اس سے معاملہ کریں گے اور اس کے پوشیدہ امور اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے کہ وہ منافقین کے درجے میں ہوں جن کے ظاہر کو رسول اکرم ﷺ قبول کیا کرتے تھے اور اندر کی باتیں اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کرتے تھے......

یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے بیشتر پیشرو اور بعد کے ائمہ، جن میں امام مالک رحمہ اللہ ایسے برزجمہر شامل ہیں، داعی بدعت کی نہ روایت قبول کیا کرتے تھے اور نہ ہی ہم نشینی پسند کیا کرتے تھے، بخلاف ایسے شخص کے جو خاموش رہتا ہے۔ حدیث کی کتب صحیحہ کے مصنفین نے بہت سے ایسے لوگوں سے روایت کی ہے جن پر بدعت کا الزام لگا ہے مگر وہ خاموش انداز سے اس کے قائل ہوتے تھے جبکہ داعیان بدعت سے روایت قبول نہیں کی

[ج ۲۴ ص ۱۷۲-۱۷۵

[ہجر شرعی (کنارہ کشی اور دوری) دو طرح کی ہوتی ہے:

ایک وہ جو ترک منکرات کی صورت میں ہوتی ہو۔

اور دوسری وہ جو اس بنا پر سزا یا عقاب کی صورت میں ہو۔

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ بلاضرورت مسلمان برائی یا منکرات کی جگہ نہ جائے ......بخلاف اس شخص کے جو ان کے پاس ان کا رد کرنے کے لئے جاتا ہے جو اس بارے میں بے بس ہے ......ہجر کنارہ کشی کی جنس سے ہے ......دارالکفر یا فسق کے گڑھ سے دارالاسلام اور ایمان کے ماحول کی جانب ہجرت بھی اسی باب سے ہے کیونکہ یہ ان کفار اور منافقین کے مابین قیام و رہائش سے کنارہ کشی ہوتی ہے جو ایک مسلمان کو اللہ کے احکامات پر عمل نہیں کرنے دیتے......

ہجر و کنارہ کشی کی دوسری قسم بطور سزا ہوتی ہے۔ اس کے تحت انسان ایک ایسے شخص سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے جس سے منکرات اور برائیاں ظاہر ہوتی ہوں اور یہ اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ توبہ نہ کر لے۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں نے بھی ان تین صحابیوں سے ہجر اختیار کیا تھا جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی آیات نازل فرمائیں۔ آپ نے ان سے یہ رویہ اس وقت اختیار کیا جب ان سے فرض عین جہاد سے کوتاہی سرزد ہوئی تھی، جبکہ جو آدمی خیر ظاہر کرتا تھا وہ چاہے منافق ہی ہوتا آپ اس سے ہجر و کنارہ کشی کا رویہ اختیار نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ یہ ہجر بطور تعزیر ہوتا ہے اور تعزیر کا مستوجب وہی شخص ہوتا ہے جس سے ترک واجبات یا ارتکاب محرمات ظاہر ہوں مثلاً ایسی بدعات کی دعوت دے جو کتاب و سنت اور اجماع سلف کے خلاف ہوں اور یہ بھی واضح اور

ظاہر ہو کہ وہ بدعات ہیں۔

بزرگان سلف اور ائمہ کے اس قول کی بھی یہی حقیقت و مطلب ہے کہ داعیان بدعت کی شہادت قابل قبول نہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے نہ ان سے علم لینا چاہیے اور نہ بیاہ شادی کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کی سزا ہے تا آنکہ وہ اس سے باز آ جائیں۔ اسی بنا پر یہ بزرگ حضرات بدعت کے داعی و مبلغ اور غیر داعی میں فرق کرتے ہیں کیونکہ داعی و مبلغ، منکرات کا ظاہر و برسر عام ارتکاب کرتا ہے اس لئے سزا کا مستوجب ہے۔ بخلاف ایسے شخص کے جو چھپ کے کرتا ہے، اب یہ شخص بہرحال ان منافقین سے بدتر نہیں ہے جن کے ظاہر کو رسول اکرم ﷺ قبول کرلیا کرتے تھے اور ان کے پوشیدہ امور کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ آپ کو ان کے بیشتر لوگوں کے حال کی خبر بھی تھی...... چنانچہ منکرات باطنہ (چھپی ہوئی) کے برعکس منکرات ظاہرہ کا رد و انکار فرض ہے کیونکہ چھپی بدعت کی سزا اس کے حاملین تک محدود رہتی ہے] ج ۲۸ ص ۲۰۳-۲۰۶ ج ۲۸ ص ۲۱۶-۲۱۷

[جو شخص فواحش، شراب نوشی یا ظلم یا عدوان ایسے منکرات کا ارتکاب کرتا ہے اس کا رد و انکار کرنا حسب استطاعت فرض ہے...... اگر آدمی علانیہ ایسا نہ کرتا ہو بلکہ چھپا کے رکھتا ہو تو اس کا بھی رد و انکار بھی چھپا کر ہی کرنا چاہیے اور پردہ پوشی بھی کرنی چاہیے...... ہاں اگر اس کا ضرر متعدی ہو جائے اور دوسروں تک سرایت کرنے لگے، تو پھر تو ظاہر ہے کہ اس کی اعتداء کو روکنا ضروری ہے اور ایسی صورت میں اگر آدمی اس کو پوشیدہ انداز سے روکے مگر وہ پھر بھی نہ رکے تو پھر اسے جس طریقے سے بھی روکا جا سکتا ہو روکنا چاہیے وہ چاہے ہجر و کنارہ کشی ہو چاہے کچھ اور، بشرطیکہ یہ امر دین کے لئے مفید تر ہو۔

تاہم جب آدمی ظاہر طور پر منکرات کا مرتکب ہو تو پھر اس کا رد وانکار بھی برسر عام ہوگا اور اس کی کوئی برائی غیبت شمار نہ ہوگی، اس کو سبق آموز سزا دینا بھی برسر عام ہی ضروری ہوگا چاہے وہ ہجر و کنارہ کشی ہو چاہے کوئی اور سزا مثلاً اسے سلام نہ کیا جائے، اس کے سلام کا جواب نہ جائے گا، بشرطیکہ آدمی ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور اس بنیاد پر کوئی زیادہ بڑا نقصان نہ ہوتا ہو۔ اور اگر اس کی طرح کے مجرموں اور پاپیوں کو روکنے میں یہ بات مفید وساز گار ہو تو اہل خیر کے لئے یہ تک ضروری ہے کہ یہ ہجر و گردانی اس سے زندگی ہی میں نہیں مرنے کے بعد بھی روا رکھیں اور اس کے جنازے تک کے ساتھ نہ چلیں] ج ۲۸ ص ۲۱۷-۲۱۸

[علماء کا اس بارے میں اختلاف نہیں کہ مندرجہ ذیل دو صورتوں میں غیبت جائز ہے ۔ایک یہ کہ آدمی فسق و فجور کے کام غیر خفیہ انداز میں کرتا ہو مثال کے طور پر ظلم ،فواحش اور خلاف کتاب وسنت بدعات وغیرہ، چنانچہ اگر آدمی ظاہراً ایسے منکرات کا ارتکاب کرے تو حسب قدرت اس کا رد وانکار واجب ہے......اس سے کنارہ کشی وروگردانی بھی کرنی چاہیے اور مذمت بھی ......جبکہ گناہ کو چھپانے اور خفیہ انداز سے کرنے والے کی صورتحال اس سے برعکس ہوگی ۔ایسے شخص کی پردہ پوشی فرض ہے، تاہم نصیحت اسے بھی کی جائے گی بلکہ جب اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس سے ہجر و بعد بھی اختیار کیا جاسکتا ہے تا کہ توبہ کر لے اور بر سبیل نصیحت اس کا ذکر بھی جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر آدمی سے کسی کے بارے میں شادی بیاہ ،معاملہ کرنے یا گواہی قبول کرنے کے سلسلے میں مشورہ لیا جائے ،اور آدمی یہ جانتا ہوں کہ وہ اس قابل نہیں تو

اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشورہ لینے والے کی خیر خواہی کی خاطر حقیقت حال واضح طور پر بیان کر دے] ج ۲۸ ص ۲۱۹ - ۲۲۰

[اگر کوئی شخص نمازیں چھوڑ لیتا ہوں یا منکرات کا ارتکاب کرتا ہو اور آدمی دیکھے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص اٹھتا بیٹھتا اور صحبت رکھتا ہے جس کی اپنی دینداری میں بھی اس کی وجہ سے فساد در آنے کا اندیشہ ہو تو اس کے سامنے اس (اول الذکر) کی صورت حال کو بیان کرنا چاہیے تا کہ وہ اس کی صحبت چھوڑ دے اور اگر وہ شخص بدعتی ہو اور خلاف کتاب وسنت عقائد کا پرچار بھی کرتا ہو یا خلاف کتاب وسنت راستے یا طریقے پر گامزن ہو، اور آدمی کو اندیشہ ہو کہ وہ شخص اس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرے گا، تو لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت بیان کرنی چاہیے تا کہ وہ اس کی گمراہی سے بچے رہیں اور حقیقت حال سے آگاہ رہیں۔ یہ سب کچھ نصح وخیر خواہی اور رضائے الٰہی کی خاطر ہونا چاہیے۔ انسان کی کسی شخص کے ساتھ ذاتی پرخاش نہیں ہونی چاہیے مثلاً دونوں کے درمیان کوئی دنیوی عداوت ہو، باہمی حسد وبغض ہو یا قیادت کا جھگڑا ہو اور انسان اس بنا پر اس کی برائیاں بظاہر نصح وخیر خواہی کے لئے بیان کرتا پھرے جبکہ دل میں مقصد انتقام یا بدلہ چکانا ہو۔ یہ شیطانی حرکت ہے: انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی. اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی ہوئی ہوتی ہے" اس بات کے بجائے نصیحت کرنے والے کا اولین مقصد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی اصلاح کر دے اور مسلمانوں کو دین و دنیا میں اس کے ضرر سے بچائے اور کفایت کرے۔ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اس نیک مقصد کی سرانجام دہی کے لئے آسان طریقہ ممکنہ طریق اختیار کرے] جلد ۲۸ ص ۲۲۰ - ۲۲۱

[اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کے اس حد تک قتل کی اجازت فرمائی ہے جو مخلوق کی خیر وبہتری کے لئے ضروری ہے جیسا کہ ارشاد ہے (والفتنة اکبر من القتل) کہ فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے، یعنی اگرچہ قتل میں شر وفساد کفار کے فتنے میں جو شر اور فساد ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چنانچہ جو شخص مسلمانوں کو اللہ کے دین کی اقامت سے نہیں روکتا اس کے کفر کی زد بھی دوسروں پر نہیں پڑتی بلکہ اپنی حد تک ہی رہتی ہے۔ فقہاء اسلام نے اس لئے کہا ہے کہ خلاف کتاب وسنت بدعات کا داعی ومبلغ ایسی سزا کا حق دار ہے جس کا مستوجب ایک خاموش رہنے والا نہیں ہوتا] ج ۲۸ ص ۳۵۵

③ شرعی ضوابط جو اہل بدعت سے رویہ وسلوک کے بارے میں اہلسنّت کے ہاں محفوظ رہتے ہیں

اہلسنّت والجماعت جہاں لوگوں کے سامنے اہل بدعت کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں، ان کی حقیقت حال بیان کرتے ہیں، اور بدست وزبان ان کا ردوانکار کرتے ہیں وہاں وہ یہ کام دو بنیادی اور اساسی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے سرانجام دیتے ہیں: ایک یہ کہ یہ سب کچھ اللہ عزوجل کی خاطر اخلاص اور اطاعت، اس کے حکم کی موافقت اور متابعت کرتے ہوئے اور اصلاح کی خواہش وامید رکھتے ہوئے سرانجام دیا جائے، اس میں کسی قسم کی ہوائے نفس، ذاتی انتقام یا دنیوی پرخاش کا کوئی دخل نہ ہو، دوسرا یہ کہ یہ سب کچھ ایسے شرعی انداز میں بجالایا جائے جس کا حکم دیا گیا ہو اور وہ اس طرح کہ مختلف حالات اور صورت احوال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے مصلحت برآتی ہو اور مفسدت دور ہوتی، وگرنہ وہ شرعی انداز قرار نہ پائے گا جس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور مطلوب بھی وہی ہے۔

[جب یہ معلوم ہو جائے تو پھر ہجر شرعی (ترک تعلقات وروگردانی) ان اعمال میں شمار ہوتا ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دے رکھا ہے اس لئے اطاعت اللہ کے لئے خالص ہونی چاہیے اور اس کے حکم کی موافقت کے دائرہ میں رہنی چاہیے، بنابریں درست انداز اور طریقہ کار سے اللہ کے لئے خالص ہونی چاہیے۔ چنانچہ جو شخص ہوائے نفس کی بنا پر ترک تعلقات کرتا ہے یا یہ کام اس انداز سے کرتا ہے جو غیر مامور وغیر ثابت ہو تو وہ اطاعت کے ان اعمال میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ ہوتا یہ کہ کتنے ہی لوگ یہ کام ہوائے نفس کی بنا پر کر بیٹھتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی خاطر وہ ایسا کر رہے ہیں، جبکہ ذاتی پرخاش کی بنا پر ترک تعلقات تین دن سے زیادہ جائز نہیں......اس لئے کہ یہ ہجر وترک تعلقات ذاتی امور کی خاطر تو حرام ہے تاہم ان میں سے صرف بعض امور میں اس کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ شوہر کو عورت کی سرکشی کی صورت میں ہجر ومفارقت کی اجازت دی گئی ہے یا جیسا کہ ترک تعلقات میں تین دن تک کی اجازت آئی ہے۔ چنانچہ اللہ کے حق کی خاطر ہجر وکنارہ کشی اور ترک تعلقات اور انسان کے ذاتی حق کے لئے ترک تعلقات، دونوں میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا اول الذکر کا حکم دیا گیا ہے جبکہ دوسرے سے روکا گیا ہے کیونکہ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں] ج ۲۸ ص ۲۰۷-۲۰۸

[اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہجر، عقوبات شرعیہ کے باب میں سے ہے اور اس لئے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی جنس سے ہے۔ یہ اس لئے روا رکھا جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو اور دین سارے کا سارا اللہ رب العزت کے لئے ہو جائے، بنابریں مومن کا فرض ہے کہ اللہ کے لئے دشمنی بھی کرے اور اللہ ہی کے لئے دوستی بھی۔ اس لئے اگر کہیں ایک بھی مومن ہو تو

اس کا فرض بنتا ہے کہ اس کے ساتھ دوستی اور وفاداری کا رشتہ قائم رکھے چاہے وہ اس پر ظلم ہی کیوں نہ کرتا ہو کیونکہ ظلم یا زیادتی سے ایمانی دوستی، ہمدردی اور موالات کے رشتے نہیں کٹ جاتے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ . کہ اگر مسلمانوں میں سے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلاح واصلاح کرادیا کرو...... (آخر میں فرمایا) کہ مومن لوگ تو آپس میں بھائی بھائی ہیں (الحجرات:۹) ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی باہم سرکشی کے باوجود اور ان کی باہم صلح واصلاح کے حکم کے باوجود مسلمانوں کو بھائی بھائی ہی رکھا ہے۔ بنابریں مومن کو سوچ سمجھ لینا چاہیے کہ (ہجر کی) ان دو اقسام میں کس قدر فرق ہے کیونکہ بسا اوقات اور اکثر و بیشتر انسان کے ذہن میں یہ فرق باقی نہیں رہتا، یہ بھی اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ مومن سے محبت، دوستی اور وفاداری کا رشتہ استوار رہنا چاہیے، چاہے اس سے اس پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب ہی کیوں نہ ہوا ہو، اور کافر سے دشمنی رکھنا فرض ہے چاہے وہ اس پر کتنا بھی احسان کیوں نہ کرتا ہو اور انعام و اکرام ہی سے کیوں نہ نوازتا ہو، کیونکہ اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور کتابوں کا نزول فرمایا ہی اس لئے ہے کہ دین سارے کا سارا اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہو جائے اور اس بنا پر محبت و مودت اس کے (اللہ کے) دوستوں اور بغض و نفرت اس کے دشمنوں کے لئے ہو جائے، بڑائی اور عزت افزائی اس کے دوستوں اور ذلت واہانت اس کے دشمنوں کے لئے ہو جائے اور اجر و ثواب اس کے دوستوں اور سزا و عقاب اس کے

دشمنوں کے لئے رہ جائے] ج۲۸ ص۲۰۸-۲۰۹

[یہ جو ہجر ہے اس کی نوعیت اس کے اختیار کرنے والوں کی ضعف وقوت اور قلت وکثرت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد ایک طرف شخص کو سرزنش اور تادیب ہے اور دوسری طرف عام لوگوں کو ایسی صورت حال میں پڑنے سے باز رکھنا ہے۔ چنانچہ اس کام میں اگر مصلحت کا پلڑا بھاری ہو یعنی اس ہجر و کنارہ کشی اور ترک تعلقات کر لینے سے شر کمزور پڑتا ہو اور اس کی شدت کو کم کیا جا سکتا ہو تو پھر تو یہ کام مشروع اور درست ہوگا لیکن اگر اس طریقے سے نہ تو متعلقہ شخص اور نہ ہی کسی دوسرے آدمی کی سرزنش اور باز آوری ہوتی ہو بلکہ شر مزید بڑھتا ہو اور ہجر اختیار کرنے والا کمزور ہو اور یوں اس کام کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں ہجر مشروع نہیں ہوگا بلکہ بعض لوگوں کے لئے ہجر و ترک کی بہ نسبتاً لیف قلب کا طریق کار زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگا، جیسا کہ بعض لوگوں کے لئے تالیف کی بہ نسبت ہجر و کنارہ کشی زیادہ سودمند ثابت ہوتی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کچھ لوگوں کے ساتھ تالیف کا طریق کار اختیار کرتے تھے اور کچھ کے ساتھ ہجر و بعد کا۔ بلکہ وہ تین صحابہ جو غزوہ میں پیچھے رہ گئے تھے ان بیشتر لوگوں سے کہیں بہتر اور افضل تھے جن کی تالیف قلب کی گئی تھی کیونکہ وہ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے سردار تھے جن کی اطاعت وفرمانبرداری کی جاتی تھی لہٰذا دینی مصلحت یہ تھی کہ ان کی تالیف قلب کی جائے ،جبکہ یہ لوگ (تینوں) مومن تھے اور مومن ان کے علاوہ بھی بے شمار تھے اس لئے ان سے ہجر روکجی کرنے سے دین کی عزت اور ہیبت قائم ہوتی تھی دوسری طرف ان کے اپنے گناہوں کی دھلائی اور صفائی بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ ویسے ہی ہے جیسے شریعت میں دشمن

سے کبھی قتال کا رستہ اپنایا جاتا ہے کبھی جنگ بندی کی جاتی ہے اور کبھی جزیہ قبول کیا جاتا ہے ، یہ سب کچھ حالات وواقعات کی روشنی میں اور مصالح کے مطابق طے کیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ ایسے ائمہ نے جو جواب دیا ہے وہ اسی قاعدے پر مبنی ہے، چنانچہ وہ ان علاقوں میں جہاں بدعات کی کثرت ہوتی ہے، جیسا کہ بصرہ قدریہ کا گڑھ تھا، خراسان جہمیت کا اور کوفہ تشیع کا، اور ان علاقوں میں جہاں ان کی کثرت نہ تھی، دونوں میں فرق وتمیز کرتے تھے اس طرح بااثر ائمہ وامراء اور عام لوگوں میں بھی فرق کرتے تھے ۔جب شریعت کا مقصد سمجھ میں آجائے تو اس کے حصول کے لئے قریب ترین طریقہ اپنانا چاہیے] ج ۲۸ ص ۲۰۶ - ۲۰۷

[اسحاق رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے خلق قرآن کے قائل کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ ہر برائی کا مستحق ہے۔میں نے انسان ان سے عداوت ظاہر کرے یا گول مول رویہ اختیار کرے؟ کہنے لگے اہل خراسان تو ان سے ٹکر لینے کے نہیں ، جبکہ قدریہ کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم قدریہ سے روایت لینا چھوڑ دیں تو بیشتر اہل بصرہ کی روایت چھوڑنی پڑے۔اور آزمائش کے دور میں وہ جس طرح ان لوگوں کے ساتھ ادفع بالتی ھی احسن باحسن طریق رد کرنا اور صرف دلیل وحجت سے بات کرنے کا انداز اپنائے رہے ، اہل خراسان کے بارے میں ان کا مذکورہ جواب اصل میں اپنے ان اقوال وافعال کی وضاحت کرتا ہے جو ایسے لوگوں سے ہجر ومفارقت اختیار کرنے اور ہم نشینی اور بول چال تک چھوڑ دینے پر مبنی ہیں ۔حتی کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بعض اعیان اکابر تک سے بھی یہ رویہ اپنایا تھا کیونکہ ان میں سے ایک گونہ

جہمیت درآئی تھی بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ان سے یہ انداز روا رکھنے کو کہا تھا۔ یہ اس لئے کہ ترک تعلقات ایک طرح کی تعزیر ہوتی ہے اور سزا ایک طرح کی ہجر ومفاصلت ہوتی ہے جو کہ برائیوں کو چھوڑنے کی صورت ہے۔ چنانچہ یہ کنارہ کشی اور روکجی بعض اوقات تو ایک قسم کا تقوی شمار ہوتی ہے ۔اور یہ اس وقت جب برائیوں سے ہجر وکنارہ کشی مطلوب ہو)......اور بعض اوقات جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اقامت حدود کے باب سے ہوتی ہے، دوسری طرف یہ ظلم وسرکشی کرنے والے کے لئے سزا بھی ہوتی ہے......

اب جہاں تک ظالم کی سزا یا تعزیر کا تعلق ہے تو یہ قدرت واستطاعت سے مشروط ہے ۔اس لئے ہجر ومفاصلت کی دونوں انواع کے بارے میں بلحاظ قادر وعاجز بھی شرعی حکم مختلف ہوسکتا ہے اور ظالمین اہل بدعت کی قلت وکثرت اور ضعف وقوت کے لحاظ سے بھی ، بلکہ کفر، فسق اور عصیان ایسی ظلم کی تمام انواع کی یہی صورتحال ہے اور اس سلسلے میں مختلف حالات میں شریعت کا حکم مختلف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ہر وہ امر جسے اللہ رب العزت نے حرام کیا ہے وہ ظلم ہے چاہے وہ صرف حقوق اللہ میں سے ہو، چاہے حقوق العباد میں سے اور چاہے دونوں میں اس کا شمار ہو۔ چنانچہ یہ جو گناہوں اور منکرات کو چھوڑنے پر مبنی ہجر کا حکم دیا گیا ہے یا برے لوگوں سے بطور سزا و تعزیر ہجر ومفاصلت اختیار کر لینے کا حکم ہے یہ بھی اس وقت ہوگا جب اس سلسلے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو جو اس کو اختیار کرنے کی بجائے نہ کرنے کا تقاضا کرتی ہو۔ وگرنہ کسی برائی میں اگر ایسی خوبی ہو جو اس برائی پر بھاری پڑ جاتی ہو تو وہ برائی نہیں رہے گی اور اگر سزا میں کوئی ایسا نقصان ہوتا ہو جو جرم سے بڑھ کر ہو تو وہ نیکی نہیں رہے گی بلکہ برائی بن جائے گی ،اور اگر دونوں پہلوؤں کا پانسہ برابر ہو تو نہ اس کو نیکی کہا

جائے گا اور نہ برائی] ج ۲۸ ص ۲۱۱-۲۱۲

[قصہ کوتاہ ہجر ومفاصلت کا بسا اوقات ایسی بدعت کی برائی کو ترک کرانا ہوتا ہے جو ظلم ،گناہ ، برائی اور فساد کا درجہ رکھتی ہے اور بسا اوقات یہ کام جہاد اور نہی عن المنکر کی نیکی سرانجام دینے کے لئے کیا جاتا ہے اور ظالمین کے ساتھ بطور سزا روا رکھا جاتا ہے تا کہ وہ سبق سیکھیں اور اس برائی سے باز رہیں، یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ اس طریقے سے اہل ایمان اور اہل عمل صالح کے دلوں میں ایمان اور عمل صالح مضبوط وتوانا رہیں کیونکہ ظالم کو سزا دینے سے دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی اس ظلم کے خلاف ہیبت قائم ہوتی ہے اور اس کے برعکس کام کی رغبت جنم لیتی ہے جو کہ ظاہر ہے ایمان اور سنت کی علامت ہے۔ چنانچہ جب اس ہجر وکنارہ کشی سے نہ تو کسی کو سبق حاصل ہوتا ہے اور نہ کوئی باز آتا ہو بلکہ الٹا بہت سی ایسی نیکیوں کی فوتیدگی کا سبب بنتا ہو جن کا شریعت نے حکم دے رکھا ہے، تو اس وقت ایسے شخص سے ہجر قطع تعلقی کا حکم باقی نہیں رہتا ،جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اہل خراسان کے بارے میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ وہ جہمیہ سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ۔ چنانچہ جب آدمی اتنا ضعیف وناتواں ہو کہ ان سے عداوت کا اظہار واعلان نہ کر سکے تو نیکی اور بھلائی کی ادائیگی اس سے ساقط ہو جاتی ہے اور ان سے لحاظ ملاحظے سے پیش آنے میں مومن کمزور سے دفع ضرر کیا جاسکتا ہے اور بعض اوقات اس طریقے سے ایک طاقتور گناہ گار کی تالیف قلب بھی ہوسکتی ہے۔

اسی طریقے سے جب اہل بصرہ میں قدریہ کی بہتات ہوئی تو اگر ان سے حدیث کی روایت کرنا چھوڑ دی جاتی تو ان کے پاس جو علم ،سنن اور آثار محفوظ تھے وہ مٹ کر رہ جاتے

چنانچہ جب علم اور جہاد وغیرہ ایسے فرائض وواجبات کا قیام ایسے آدمی کے بغیر ممکن نہ رہے جس میں ایسی بدعت ہو جس کا ضرر ان فرائض کو چھوڑ دینے کے ضرر سے بہرحال کم ہو تو ان فرائض کی انجام دہی میں جو مصلحت ہوگی انے مقابل مفسدت پر بھاری پڑنے کی بنا پر چھوڑ دینے کی بہ نسبت زیادہ قرین قبول ہوگی۔ اسی لئے ان مسائل میں یہ تفصیل وتفریع پائی جاتی ہے اور امام احمد ودیگر ائمہ کے بہت سے جوابات ایسے سائلین کے سوالات پر صادر ہوئے ہیں جن کے حال کا ان کو علم تھا یا ایسے لوگوں کے نام یہ جوابات بھیجے گئے ہیں جن کا حال ان کو معلوم تھا۔ چنانچہ ان جوابات کی نوعیت وہی ہوگی جو نبی اکرم ﷺ کے متعین شدہ لوگوں کے بارے میں صادر ہونے والے فیصلوں کی ہے جن سے کہ اس طرح کے دیگر واقعات میں وہی حکم ثابت ہوتا ہے......

بہت سے لوگوں نے اس بات کو عام سمجھ رکھا ہے اور اس بنا پر ہجر اور نہی عن المنکر کے نام پر وہ کام کر بیٹھتے ہیں جن کا نہ حکم دیا گیا ہوتا ہے، نہ وہ واجب ہوتے ہیں اور نہ مستحب، بلکہ اس میں آگے چلتے ہوئے وہ کئی واجبات اور مستحبات کا ترک اور کئی ناجائز امور کا ارتکاب تک کر بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اس طرف چل پڑتے ہیں تو کچھ دوسرے ہیں جو اس امر کو بالکلیہ ترک ہی کر دیتے ہیں بنا بریں ایسے بدعتی منکرات تک سے ہجر ومفاصلت اختیار نہیں کرتے جن سے ہجر وروکجی کا حکم دیا گیا ہے، یہ لوگ ان منکرات کو چھوڑتے ہیں مگر بے توجہی سے اور اہمیت نہ دینے کے انداز سے نہ کہ بطور نفرت وکنارہ کشی یا پھر بعض اوقات خود بھی ان میں قدم رکھ لیتے ہیں، بعض اوقات بطور نفرت وکنارہ کشی بھی ان منکرات کو چھوڑتے ہیں لیکن دوسروں کو ان سے نہیں روکتے اور نہ ایسے ہی جرائم کی بنا پر کسی مستحق سزا کو ہجر ومفاصلت

وغیرہ کے ذریعے سزا دیتے ہیں اوراس طرح نہی عن المنکر کے بہت سے واجبات اور مستحبات ضائع کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ (نہی عن المنکر یا ہجر واجبات کے نام پر) خود منکر کا ارتکاب کرتا ہے اور دوسرا نہی عن المنکر کو ہی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ یوں دونوں ہی ممنوع کام کا ارتکاب کرتے ہیں اور مطلوبہ کام کو چھوڑ دیتے ہیں، ان دونوں کی سنگینی ایک سی ہے ،جبکہ اللہ کا دین غلو اور جفا کے مابین وسط میں ہے، واللہ اعلم بالصواب] ج ۲۸ ص ۲۱۲-۲۱۳

④: اہلسنّت کے ہاں اہل بدعت کے لئے ہدایت اور رحمت کی دعا روا رکھی جاتی ہے تا آنکہ ان کا کفر معلوم ہو جائے

ان تمام تر امور کے باوجود اہل سنت والجماعت کے ہاں اہل بدعت کے لئے ہدایت ،رحمت، بخشش اور استغفار کی دعا ترک نہیں کی جاتی تا آنکہ ان کے نفاق اور باطنی طور پر کفر کا علم نہ ہو جائے ،اور جب اہل بدعت اور غیر اہل بدعت کا خلط ہو جائے تو اہلسنّت کے ہاں ہر شخص سے وہی سلوک روا رکھا جاتا ہے جس کا وہ مستحق اور سزاوار ہوتا ہے ،ایک بدعت کا جواب دوسری بدعت سے نہیں دیتے بلکہ ان کے ہاں اصل یہ ہے کہ دین میں مسلمان کے جان و مال اور آبرو کی حرمت اور عصمت ہے۔

[جس شخص کا نفاق معلوم ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ نص قرآنی کی رو سے جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بنیاد یہ ہے کہ ہم ظاہری ایمان پر حکم لگائیں گے اور پوشیدہ امور کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔ نبی اکرم ﷺ ان کا جنازہ بھی پڑھتے تھے اور ان کے لئے استغفار بھی کیا کرتے تھے تا آنکہ آپ کو اس سے منع کر دیا گیا اور اس کی علت کفر بیان کی گئی۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ ہر وہ شخص جس کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ باطن میں کافر

ہے (مطلب یہ ہے کہ کفر کو چھپا کر رکھے اور سوائے اپنے خاص لوگوں کے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرتا ہو۔ وگرنہ دلوں کے بھید اور باطن کا حال تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے) تو اس کی نماز جنازہ اور اس کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت جائز ہے اگرچہ اس میں کوئی بدعت ہی کیوں نہ پائی جاتی ہو یا کچھ گناہ بھی کیوں نہ کرتا ہو۔ اور اگر امام (مسلمان حاکم) یا اہل علم اور دیندار لوگ کسی مظہر بدعت یا مظہر فسق و فجور کا جنازہ اس مقصد کی خاطر چھوڑ دیں کہ لوگ اس سے سبق سیکھیں اور برائیوں سے باز رہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا جنازہ اور اس کے لئے دعائے مغفرت حرام ہے۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے مال غنیمت ہتھیایا تھا، یا جس نے خودکشی کی تھی یا جو مقروض فوت ہو گیا تھا فرمایا: 'صلوا علی صاحبکم' کہ تم اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے آپ خود بھی باطن میں اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے کہ بظاہر سبق آموزی کے لئے اس کو ترک کئے ہوئے تھے] ج ۷ ص ۲۱۶-۲۱۷

[بطور مثال امام احمد رحمہ اللہ ہی کو لے لیں جن کا واسطہ ان جہمیوں سے پڑا تھا جو انہیں خلق قرآن کے مذہب پر آمادہ کرتے تھے، صفات الٰہی کے منکر تھے اور اس بنا پر ان کو اور دیگر علماء وقت کو سزا و ابتلاء سے دوچار کرتے تھے ان مومنین اور مومنات کو تازیانہ و زنداں کی اذیت دیتے جو جہمیت کو قبول کرنے میں ان کی آواز ملانے سے گریز کرتے تھے بلکہ پھانسیاں بھی دیتے، معزولیاں بھی کرتے، دانا پانی بھی بند کرتے، گواہی بھی رد کرتے اور ان کو دشمن کے ہاتھ سے چھڑانے کی بھی ضرورت محسوس نہ کرتے، جیسا کہ اس دور میں جہمیہ سے تعلق رکھنے والے بہت سے والی اور قاضی کے درجے اولی الامر ہر اس شخص کو کافر کہتے تھے جو جہمی مذہب

اختیار نہیں کرتا اور خلق قرآن کا قائل ہو کے نفی صفات میں ان کا ہم مذہب نہیں ہوتا تھا، جو حکم کافروں پر لگاتے وہی ان پر لگاتے تھے......جبکہ یہ تو معلوم ہے کہ یہ جہمیت کی غلیظ ترین شکل ہے کیونکہ اس مذہب کی طرف دعوت دینا اس کا اپنی حد تک قائل ہونے سے کہیں سنگین ہے اور اس مذہب کا قائل ہونے والوں کو انعام واکرام سے نوازنا اور انکار کرنے والے کا سزا دینا، صرف اس کی دعوت سے کہیں زیادہ سنگین ہے اور پھر اس کے مخالف کو سزائے قتل دینا خالی زدوکوب کرنے سے کہیں سنگین اور شدید تر ہے۔

تاہم امام احمد رحمہ اللہ خلیفہ اور دیگر ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے ان پر کوڑے برسائے تھے اور قید کئے رکھا تھا دعا بھی کرتے تھے اور استغفار بھی۔ان پر جو ظلم روا رکھا تھا اور کفریہ مذہب ٹھونسنے کے لئے جو تشدد کرتے رہے اس سے بھی ان کو بری کر دیا۔اگر وہ اسلام سے مرتد ہو چکے تھے تو ان کے لئے استغفار جائز نہ ہوتا کیونکہ قرآن وسنت اور اجماع کی رو سے کفار کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے] ج ۱۲ص ۴۸۸-۴۸۹

[مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں چاہے ماروین میں چاہے کہیں اور ان کے جان ومال حرام ہیں اور شریعت اسلامی کے قوانین سے خروج کرنے والوں کی اعانت حرام ہے چاہے چاہے وہ ماروین میں ہو یا کہیں اور، ایسی جگہ رہنے والا اگر اپنے دین کی اقامت سے قاصر ہو تو اس پر ہجرت واجب ہے بصورت دیگر مستحب ہوگی واجب نہیں ہوگی۔مسلمانوں کے دشمن کا جان ومال کے ذریعے ساتھ دینا ان لوگوں پر حرام ہے اور جس طرح بھی ممکن ہو ان پر اس بات سے بچ رہنا فرض ہے......وہاں سے غائب ہو جائیں، لاتعلق ہو جائیں یا کوئی بہانہ بنالیں لیکن اگر کوئی بھی طریقہ کام نہ دے الا یہ کہ آدمی بالکلیہ ہجرت ہی کر جائے تو

ہجرت فرض عین ہو جائے گی۔ان علاقوں میں رہنے والوں کی دشنام طرازیوں یا ان پر منافقت کا فتویٰ لگانا جائز نہیں بلکہ دشنام اور منافقت کا حکم صرف انہی صفات پر لگ سکتا ہے جو اس بارے میں کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں،اور ان صفات میں جہاں اہل ماردین کے بعض لوگ شامل ہوں گے وہاں بعض دوسرے بھی شامل ہو سکتے ہیں ۔رہا ماردین دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مسئلہ تو یہ ملا جلا ہے اور اس میں دونوں وصف پائے جاتے ہیں نہ تو یہ دارالاسلام کے درجے میں ہے جس پر اسلام کے احکام لاگو ہوتے ہیں کیونکہ اس کی فوج تو مسلمان ہے،اور نہ ہی یہ دارالحرب کے درجے میں آتا ہے جس کے باشندے کافر ہوتے ہیں، بلکہ یہ تیسری نوعیت کا حامل ہے چنانچہ اس میں مسلمان جس لائق ہو اس سے وہ سلوک کرنا چاہیے اور شریعت اسلام سے خروج کرنے والا جس لائق ہو اس سے وہ سلوک روا رکھنا چاہیے] ج ۲۸ ص ۲۴۰-۲۴۱

⑤ اہل بدعت کے پیچھے نماز کے بارے میں اہلسنّت کا موقف

اہلسنّت کا شعار ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے کسی بھی شہر یا علاقے میں ہوں وہاں جمعہ اور عید کی نمازوں میں شرکت کی جائے اور اہل ایمان سے تعلق اور موالات رکھی جائے۔

[اہلسنّت والجماعت کے اصول میں ہے کہ وہ جمعہ،عید اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کرتے ہیں اور جمعہ و جماعت کو چھوڑ نہیں دیتے،جیسا کہ روافض یا دیگر اہل بدعت کرتے ہیں۔چنانچہ اگر امام مستور الحال ہو اور انسان اس کے ہاں کوئی بدعت یا فسق و فجور نہ پائے تو ائمہ اربعہ اور دیگر مسلمانوں کے دیگر ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کے پیچھے جمعہ و جماعت کی نماز ادا کرنی چاہیے۔ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب

تک آدمی اس کی اصل حقیقت حال نہ جان لے اس وقت تک ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ، بلکہ نبی اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر اب تک مسلمان مستور الحال مسلمان کے پیچھے نماز ادا کرتے آئے ہیں ......تاہم جب ایک بدعتی یا فاجر شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کے علاوہ اور کہیں ممکن نہ ہو مثلاً امام جمعہ بدعتی یا فاجر ہو اور وہاں کہیں دوسرا جمعہ نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں عام اہلسنّت والجماعت کے ہاں اسی بدعتی یا فاجر شخص کے پیچھے نماز ادا کی جائے گی۔

تاہم جب اھواء وشہوات کی بھرمار ہوئی تو بعض حضرات بطور استحباب کسی شخص کے بارے میں جان کے ہی اس کے پیچھے نماز ادا کرنا پسند کرتے تھے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کے بارے منقول ہے کہ انہوں نے ایک سائل کو یہ بات کہی تاہم انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جب تک کسی کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

جب امام ابوعمرو عثمان بن مرزوق رحمہ اللہ مصر میں تشریف لے گئے اس وقت مصر کے بادشاہ شیعیت کے علمبردار تھے، اور باطنی ملحد بھی تھے، اسی وجہ سے مصر میں بدعات اور اس طرح کی منکرات کی بھرمار ہو گئی تھی اور خوب پھل پھول گئی تھیں، تو انہوں نے اس وجہ سے اپنے تلامذہ اور عقیدت مندوں کو کہا تھا کہ جب تک کسی کے بارے میں جان نہ لیں اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ پھر امام صاحب کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ ایسے سنی بادشاہوں نے مصر فتح کیا تو وہاں رافضیت ختم اور اہلسنّت کی دعوت دوبارہ غالب وظاہر ہوئی، علم دین اور مذہب سنت کی ترویج اور بہتات ہوئی اور اسی کو غلبہ نصیب ہوا، چنانچہ ایک مستور الحال① کی اقتدا میں نماز کے جواز پر جملہ مسلمان ائمہ کا اتفاق ہے اور جو شخص یہ

①: مستور الحال وہ شخص ہوتا ہے جس کے عقیدہ وعمل کے بارے میں انسان واقفیت نہ رکھتا ہو۔ مترجم

کہتا ہے کہ جس آدمی کے بارے میں علم نہ ہو اس کے پیچھے نماز حرام یا باطل ہے تو وہ اہلسنّت والجماعت کے اجماع کا مخالف ہے......

چنانچہ مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے کسی بھی شہر یا علاقہ میں ہو تو وہ ان کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شرکت کرے اور مسلمانوں سے تعلق، دوستی اور وفاداری رکھے اور ان سے دشمنی یا بیر نہ رکھے۔ اگر ان میں سے کسی کو گمراہ یا غلط راستے پر پڑا ہوئے دیکھے اور اسے ہدایت اور رشد و نصیحت کا راستہ دکھا سکتا ہو تو ضرور یہ کام کرے، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا۔ لوگوں کو امامت کے منصب پر کسی کے افضل آدمی کو فائز کرانے میں اگر اس کی چلتی ہو تو ضرور ایسا کرے، بدعت اور فسق و فجور عام کرنے والوں کو روکنے اور باز کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو یہ بھی کام ضرور کرے۔ تاہم اگر مذکورہ استطاعت نہ ہو تو اس ایسے شخص کے پیچھے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا علم زیادہ رکھتا ہو اور دوسروں سے بڑھ کر اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہو نماز ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے صحیح حدیث میں مروی ہے: یوم القوم اقرء اهم لکتاب الله ، فان کانو فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة ، فان کانو فی السنة سواء فاقدمهم بجرة ، فان کانوا فی الهجرة سواء فاقدمهم سنا...... کہ امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھتا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس نے ہجرت پہلے کی ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جو عمر میں سب سے بزرگ ہو۔......مظہر بدعت و فجور سے ہجر و کنارہ کشی اور روکھی اختیار کرنے میں کوئی راجح مصلحت ہو تو اس سے یہی رویہ روا رکھے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان تین صحابیوں سے یہ رویہ رکھا تھا جو جنگ

سے پیچھے رہ گئے تھے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تاہم جب اس کی رضامندی کے بغیر ایسے شخص کو امام بنایا جائے اور اس کی امامت میں نماز ترک کرنے میں کوئی شرعی مصلحت نہ تو جمعہ اور جماعت کو فوت کرنا جہالت اور گمراہی ہے اور ایسا آدمی بدعت کا جواب بدعت سے دیتا ہے]ج ۳ ص ۳۸۰-۳۸۶

⑥ اہل بدعات کی تکفیر یا تفسیق کے بارے میں اہلسنّت کا موقف

اہلسنّت عام طور پر اہل بدعت کو کافر کہتے وقت بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور خاص طور پر اس وقت جب وہ تاویل مسوغ (جس کی گنجائش نکل سکتی ہو) کرتا ہو۔

[کسی گناہ یا غلطی کی بنا پر مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں ہے مثلاً ایسے مسائل میں کوئی غلطی کرے جن میں اہل قبلہ کے مابین نزاع موجود ہو چنانچہ خوارج ایسے اہل بدعت، جن کے ساتھ کے نبی اکرم ﷺ نے قتال کا حکم فرمایا تھا اور خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتال بھی کیا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ایسے ائمہ دین اور بعد کے حضرات سب نے ان کے قتال پر اتفاق کیا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کافر قرار نہیں دیا بلکہ ان سے قتال کرنے کے باوجود مسلمان ہی سمجھا۔ قتال بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک ان سے شروع نہیں کیا جب تک خود انہوں نے ہی ناجائز طریقے سے قتل وغارت گری اور لوٹ مار شروع نہ کر دی چنانچہ ان کے ظلم وبغی کو روکنے کے لئے ان سے قتال کیا نہ کہ ان کو کافر سمجھنے کی بنیاد پر، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی عورتوں کو کنیزیں اور مال ودولت کو غنیمت نہیں بناتے تھے ۔اب جب یہ لوگ کہ جن کی گمراہی نص اور اجماع سے ثابت ہے کافر قرار نہیں دیئے گئے

،حالانکہ اللہ ورسول ﷺ نے ان سے قتال کا حکم بھی دے رکھا ہے،تو ان گروہوں کے بارے میں کیونکر ایسا سوچا جاسکتا ہے جن پر ان کے مسائل میں حق مشتبہ ہوا ہے جن میں ان سے زیادہ علم والے بھی غلطی کر گئے ہیں۔اس لئے ان جماعتوں یا گروہوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کو کافر قرار دے اور اس کے جان ومال کو مباح قرار دے اگرچہ اس میں واقعی کوئی بدعت کیوں نہ ہو۔اور پھر جب کافر قرار دینے والے خود بھی بدعت کے حامل ہوں تو پھر تو معاملہ کہیں سنگین ہوتا ہے اور بعض اوقات تو ان کی بدعت کہیں غلیظ تر ہوتی ہے۔عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ سبھی لوگ اپنے مابین اختلاف کردہ امور کی حقیقت سے لاعلم اور جاہل ہوتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے جان ومال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے بغیر حلال نہیں ہوتیں......اور جب مسلمان قتال یا تکفیر کے امور میں تاویل کرتا ہو تو اس بنا پر کافر نہیں ہوتا جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حاطب ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑاؤں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''یہ بدر میں شرکت کر چکا ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے دلوں کو جان چکا ہے اور اس نے فرما رکھا ہے: تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف فرما دیا ہے'' اور یہ روایت صحیحین میں ہے] ج ۳ ص ۲۸۲-۲۸۴

تیسرا باب

آئندہ صفحات میں اس تحقیق کے نتائج کا عمومی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔خاص طور پر ہم ان مراحل کی نشان دہی کرنے کی کوشش کریں گےجن سے اہلسنّت والجماعت کومختلف حالات سے گزرنا پڑسکتا ہے۔اس کے علاوہ اہل اسلام کی موجودہ صورت حال کا واقعاتی تجزیہ بھی پیش کرنے کی کوشش کریں گے جو کہ انہی نتائج کی روشنی میں ہوگا۔

اس میں تین فصلیں ہوں گی:

فصل اول: نتائج کی تحقیق (جوکہ دوسرے باب کی نہایت مختصر تلخیص ہوگی)

فصل دوم: فرقہ ناجیہ کوپیش آنے والے مراحل اورحالات

فصل سوم: موجودہ صورت حال......ایک جائزہ

فصل اول

نتائج تحقیق

(دوسرے باب کی مختصر تحقیق)

① اہلسنّت والجماعت صحابہ رسول، تابعین باحسان اور ان لوگوں پر مشتمل ہیں جو ان کے طریقے پر چلتے ہیں ان کے اصول اور علمی وعملی منہج کی پابندی کرتے ہیں۔اس لئے یہ لوگ اپنا دین، علم وعمل میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فقہ وفہم کی روشنی میں لیتے ہیں، اس پر نہ تو کسی کو ترجیح دیتے ہیں اور نہ ہی عقل ،رائے قیاس، ذوق، وجد یا مکاشفے ایسی کسی اور بنیاد پر اس کو رد کرتے ہیں۔

چنانچہ ہر وہ شخص جو قرآن، سنت اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی و پابندی کرتا ہے وہ اہلسنّت والجماعت میں شامل ہے کیونکہ ان کے ہاں یہی اصول معصوم ہیں، اس کے علاوہ کسی اور چیز کو معصوم نہیں سمجھتے، بلکہ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ ہر کسی کی بات لی بھی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے۔ان کے ائمہ کے اقوال و آراء نبی اکرم ﷺ کی سنت کے تابع تو ہوتے ہیں اس پر مقدم نہیں ہوتے۔ان کے ہاں ہر اجتہاد سب سے پہلے قرآن، سنت اور صحابہ، تابعین اور ائمہ علم ودین ایسے سلف کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور پھر ہی وہ قبول یا رد ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اہلسنّت والجماعت اہل اجتماع واتفاق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس دین کا فطری تسلسل اور صحیح روش کے حامل ہیں اور قرآن، سنت اور اجماع کے پابند و پیروکار ہیں۔ جہاں

شبہات کا اندیشہ وامکان ہو یہ لوگ اس سے بہت دور رہتے ہیں کیونکہ یہیں سے جماعت میں افتراق آتا ہے اور شیرازہ بکھر جاتا ہے جبکہ ان کے ہاں جماعت دنیا وآخرت میں نجات کی بنیاد ہے۔

② اسی بناء پر اہلسنّت کا صرف ایک نام ہے جس سے انہیں پکارا جاتا ہے اور وہ اہلسنّت والجماعت ہے۔ جبکہ اہل بدعت اپنے لئے بے شمار ایسے نام تلاش کرتے ہیں جو ان کو دوسروں سے ممیّز کردیں یا دوسرا ان کو کوئی نام دیدے تو وہ ان پر چلتے رہتے ہیں۔ لیکن اہلسنّت کا صرف یہی نام ہے اگرچہ دوسرے لوگ ان کو کتنے ہی باطل نام دیتے رہیں، بلکہ کوئی بھی منحرف فرقہ ایسا نہ ہوگا جس نے اہلسنّت کا ایسا نام نہ رکھا ہوگا جو اس کے اہلسنّت سے اختلاف کی عکاسی اور غمازی کرتا ہو، مگر ان سب باتوں کے باوجود ان تمام باطل اسماء میں سے کوئی نام بھی اہلسنّت سے منتھی نہ ہوسکا۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: کہ ایک آدمی امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ابوعبداللہ میں آپ سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں جس میں آپ کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین حجت سمجھتا ہوں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا اور کہا فرمایئے:

اس نے کہا اہلسنّت کون ہوتے ہیں؟

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہلسنّت وہ ہوتے ہیں جن کے امتیاز کے لئے کوئی خاص لقب نہ ہو، نہ جہمی، نہ قدری اور نہ رافضی (انتقاء: ص ۳۵)۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ اہلسنّت کا تعارف اس طریقے سے کراتے ہیں اور یہ نشان دہی کرتے ہیں کہ اہلسنّت کا کوئی ایسا خاص

لقب نہیں ہوتا جس کے ساتھ وہ پہچانے جاتے ہوں سوائے ایک لقب کے جس کا نام لے کر سائل نے سوال کیا تھا۔

③ اسی بنا پر اہلسنّت والجماعت ہی محمد ﷺ کی امت میں جمہور اکبر اور سواد اعظم ہیں جو کسی ایک ملک یا کسی خاص برادری یا قبیلے میں محصور نہیں ہوتے، نہ ہی کسی خاص جماعت، تنظیم، گروہ بندی یا کسی محدود اکٹھ میں محصور ہوتے ہیں، بلکہ تقریباً تمام ملکوں میں ہی یہ لوگ پھیلے ہوتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی،، کوئی ایک فن یا تخصیص ان کی اجتماعی شناخت نہیں ہوتا بلکہ ان میں محدثین بھی ہوتے ہیں اور فقہاء بھی، زہاد عبادت گزار بھی ہوتے ہیں اور جہاد وقتال کرنے والے مجاہدین بھی، عزم وصبر کے حامل داعی بھی ہوتے ہیں اور علماء کی اتباع کرنے والے عوام بھی، امراء بھی ہوتے ہیں اور ماہرین سیاست بھی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ طائفہ، اہل ایمان کی مختلف اشکال میں بکھرا ہوسکتا ہے۔ ان میں جری مجاہد بھی ہوتے ہیں اور فقہاء بھی، محدثین بھی اور عبادت گزار بھی، امر بالمعروف کا کام کرنے والے بھی اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے والے بھی، ان کے علاوہ خیر اور بھلائی کے حامل دوسری اصناف کے لوگ بھی، یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ سبھی ایک جگہ پائے جائیں بلکہ زمین کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے بھی ہوسکتے ہیں (شرح نووی: ج ١٣ ص ٦٧)۔

④ مجموعی طور پر اسی عمومی دائرے میں رہتے ہوئے جو کہ اہل سنت والجماعت کو محیط ہے اور ان کو کتاب، سنت اور فقہ سلف کی صورت میں موجود ایک مستقل مرکز ثقل کے گرد محصور کر کے رکھتا ہے، لوگ چاہے افراد ہوں یا جماعتیں اس دائرہ کے (اندر رہتے ہوئے

)دائرے کے مرکزی نقطے سے ایک سی قربت نہیں رکھتے (تا آنکہ وہ اس دائرہ ہی سے خارج ہو جائیں)ان میں سے کچھ لوگ راہ سنت کا زیادہ علم رکھتے ہیں اوراس میں زیادہ صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں اور کچھ لوگ کم ۔اسی طرح کچھ لوگ کسی خاص میدان میں زیادہ علم رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کسی دوسرے میدان میں زیادہ صبر واستقلال سے کام لیتے ہیں اور سنت سے زیادہ التزام رکھتے ہیں،وقس علی ذلک۔

اسی مجموعی دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہی علم وعمل کے میدان میں دین مجتمع ہوتا ہے اوراس طریقے سے اہلسنّت مل جل کرایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔چنانچہ علم وعمل کے میدان میں اگرایک چیزایک کے پاس نہیں توکسی دوسرے کے پاس مل جائے گی اورخیر کی جو بات اس کے پاس ہے وہ ہوسکتا ہےاس کے پاس نہ ہو،لیکن دین وشرع جسے نبی اکرم ﷺ اپنے رب کے ہاں سے لے کرآئے ہیں مجموعی طور پراہلسنّت والجماعت سے خارج نہیں رہتے چاہے عقائد کا مسئلہ ہو یا عبادات کا ،فقہ واستدلال کے مناہج ہوں یا مقاصدشریعت،شرعی سیاست کا معاملہ ہو یاخیر کی کسی دوسری قسم سے متعلق امور۔

اسی دائرے کے اندر رہتے ہوئے علماءمجتہدین کے مابین علمی وعملی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے تاہم حق ان کی ''جماعت'' سے بہرحال خارج نہیں ہوتا کیونکہ ان کے علماء اور ائمہ اپنے اپنے میدانوں میں،دین کی حفاظت کے سلسلے میں مجموعی طور پر نبی اکرم ﷺ ہی کے وارث ہوتے ہیں اسی جامع دائرے کے اندر رہتے ہوئے لوگ خیر وشر،عدل وظلم،صبر وبغی اور رواداری وسرکسی میں متفاوت ہوسکتے ہیں۔چنانچہ اہلسنّت دوسرے لوگوں کی طرح بہرحال انسان ہوتے ہیں ان میں خطا کاری بھی ہوسکتی ہےاورفسق ومعصیت بھی،اوراس

بنا پر ان میں خیر اور شر ہر دو مجتمع تو ہو سکتے ہیں مگر ہر وہ خیر جو دوسروں میں پائی جاسکتی ہو وہ ان میں کہیں بڑھ کر پائی جاتی ہے، اور ہر وہ شر جو ان میں پایا جاسکتا ہو وہ دوسروں میں ان سے کہیں بڑھ کے اور بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

اور چونکہ اہلسنّت ہی اہل ہدایت اور دین حق کے حاملین ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس دین کی نصرت اور اسے تمام باطل ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے، اس لئے یہی اہل طائفہ منصورہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ تا قیامت حق پر قائم رکھ کے غالب کرے گا، چنانچہ انہی میں سے وہ لوگ ہیں جو زبان وقلم کے ذریعے غالب ہوتے ہیں اور انہی میں سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو بدست وشمشیر غالب وسرفراز ہوتے ہیں①۔

اس مجموعی اور ہمہ گیر دائرے کے اندر رہتے ہوئے جو کہ اہلسنّت والجماعت کا انفرادی واجتماعی طور پر احاطہ کرتا ہے، اہلسنّت میں جتنا بھی اختلاف ہو جائے مگر وہ اس سب کچھ کے باوجود ''جماعت'' سے التزام بہرحال رکھتے ہیں۔ اس کی حفاظت و پاسبانی بھی کرتے ہیں اور اس کی شیرازہ بندی، یگانت اور اس ''جماعت'' کے مابین مجموعی ولاء و وفاداری کو برقرار رکھنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ آپس کی جان و مال اور عزت کی عصمت وحفاظت اور اس ''جماعت'' کے ہر فرد کے ساتھ دینی اخوت کی حرمت کو پامال ہونے نہیں دیتے۔

⑤ اہلسنّت والجماعت ایک تابناک ورثہ کے عکاس اخلاق وسلوک کے ان خصائص کی بدولت بھی اپنا امتیاز قائم رکھتے ہیں جو حق کے میزان میں اس علمی ورثے سے کسی طور پر کم نہیں جو اپنی جگہ اس ''جماعت'' کا امتیاز ہے۔ چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے

---

①: شیخ ابو بطین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ غلبہ وظہور سے مراد تلوار ہی کے ساتھ نہیں بلکہ دلیل اور حجت کے ساتھ تو ہمیشہ ہی اور بسا اوقات بزور شمشیر بھی۔ الرسائل النجدیہ: ۸/ ۲۸۸

نبی کو علم وہدایت اور عقل ونقل کے دلائل وبراہین دے کر بھیجا ہے وہیں ان لوگوں سے احسان، بے لوثی و بے غرضی رحمت وشفقت اوران کی ایذا رسانی پر صبر وتحمل، بردباری اور اعلیٰ ظرفی سے نواز کر بھی مبعوث فرمایا ہے۔

چنانچہ اہل سنت حق کا علم رکھتے ہیں، اس کی پابندی کرتے ہیں، دوسروں کو اس کی دعوت بھی دیتے ہیں اور اس کی خاطر جہاد بھی کرتے ہیں، اپنے مال اور جانیں مخلوق کی اصلاح وفلاح کے لئے بے دریغ دیتے ہیں۔ ان کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں، بروں کی برائی اور زیادتی خطا کاروں کی غلطی سے درگزر کرتے ہیں، سب کو معاف بھی کرتے ہیں اوران کے لئے ہدایت اور بھلائی کی دعائے خیر بھی کرتے ہیں، سبھی کے لئے خیراور اچھائی کی طلب رکھتے ہیں، اوراس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ مومنین میں سے کامل ترین ایمان کا حامل وہ ہے جو بہترین اخلاق کا مالک ہے، اوراس بنا پر ان بلند پایہ اخلاق کی پابندی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہوتے ہیں اور ایسے گھٹیا اور گرے ہوئے اخلاق سے پورا اجتناب کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے۔

(٦) بنابریں اہلسنّت ہی اہل امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہیں، کیونکہ یہ وہ بہترین امت ہیں جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے لیکن اہلسنّت یہ فریضہ، اس انداز اور طریقے سے ہی سرانجام دیتے ہیں جو شریعت نے فرض کیا ہے۔ چنانچہ اس اصل اول اور بنیادی قاعدے میں خلل اندازی کے مرتکب بھی نہیں ہوتے جو کہ ''جماعت'' کی حفاظت وپاسبانی، تالیف قلوب، اجتماع کلمہ اور تفرقہ واختلاف کی سرکوبی سے عبارت ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ آخر الذکر امر بھی اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شامل ہے، جسے کہ اللہ اور

رسول ﷺ نے فرض ٹھہرایا ہے۔

چنانچہ اس لحاظ سے اہلسنّت بیک وقت دو امانتوں کے حامل ہیں: ایک علم، دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ اور دوسری ''جماعت'' کی حفاظت اور رکھوالی اپنے شرعی اور جامع مفہوم کے ساتھ ......اہلسنّت ان دنوں میں بہت نازک اور دقیق انداز سے توازن قائم و برقرار رکھنے کے لئے صرف اور صرف شرع ذی حکمت کی مدد لیتے ہیں، اور اس سلسلے میں ہوائے نفس، رسوم پرستی، مذہبی، گروہی تنظیمی، جماعتی، طریقتی، یا اس طرح کی دوسری جکڑ بندیوں سے کوسوں دور اور آزاد رہتے ہیں۔ بنابریں مختلف جماعتوں، گروہوں، تحریکوں یا شخصی اجتہادات سے نسبت و تعلق ہونے باجود اہلسنّت آپس میں ایک دوسرے سے مجموعی طور پر محبت، دوستی، وفاداری اور ولاء کے رشتے سے پیوستہ رہتے ہیں۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ سب ایک ہاتھ ہوں اور نیکی اور تقویٰ کی خاطر باہم متعاون ہوں۔ کیونکہ اصل پیمان تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی ہے اور یہ پیمان کسی انسان کے ساتھ کسی بھی خاص پیمان سے کہیں بڑھ کر اور عظیم تر ہے، جو کہ کسی بھی دوسرے پیمان کی قید سے محدود نہیں کیا جاسکتا بلکہ ہر ایسا پیمان خاص اللہ کے ساتھ پیمان کے تابع اور ماتحت ہی رہے گا اور مخلوق کی اطاعت یا پابندی صرف وہیں ہوسکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہو رہی ہو، جہاں اللہ کی معصیت ہو رہی ہو تو کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔ چنانچہ اہلسنّت کی اولین وفاداری، ولاء اور وابستگی صرف حق کے لئے ہوتی ہے اور اپنے شرعی ہمہ گیر مفہوم کے تحت عظیم تر ''جماعت'' کے لئے ہوتی ہے۔ اور وہ......اسی نقطہ نظر سے اور صرف اسی بنیاد پر...... ہر فرد ہر جماعت اور گروہ کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں نہ کہ قبیلہ، شہر،

ملک، مذہب، طریقہ، جماعت یا لیڈر شپ ایسی کسی وقتی اور جاہلی تعصب کی بنا پر۔ چنانچہ وہ صرف دین اور تقویٰ کے پیمانے کو لیتے ہوئے اسی کو مقدم رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کی نظر میں مقدم ہو، اور اسی کو ہیچ سمجھتے ہیں جسے اللہ اور رسول ﷺ ہیچ گردانتے ہوں ۔ایسے امور اور شعارات کی کسوٹی پر لوگوں کو نہیں پرکھتے جن کی اللہ عزوجل نے کوئی دلیل نازل نہ فرمارکھی ہو، ایسی بنیادوں پر ان کی درجہ بندی کرتے ہیں نہ دوستی ودشمنی کے رشتے قائم کرتے ہیں، اور نہ ہی ایسے امور کی بنا پر امت کو منقسم کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے لئے مخلوق میں سب سے باعزت وہی شخص ہے جو ان میں سب سے بڑھ کر متقی ہو۔ چاہے وہ کسی بھی گروہ سے ہو۔

اہلسنّت والجماعت کچھ اصولوں پر متفق ہیں جو کہ ان کا شعار بن چکے ہیں، ان کا مخالف فرقہ ان اصولوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ پر ان سے اختلاف رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ بلا تکیف مانا جائے اور بلا تعطیل منزہ سمجھا جائے۔

۞ قرآن کی بابت عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔

۞ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دنیوی زندگی میں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

۞ اہلسنّت مومنوں کے لئے جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار پر اتفاق رکھتے ہیں۔

موت کے بعد ہونے والے تمام امور پر، جن کی رسول اکرم ﷺ نے خبر دی ہے ، ایمان رکھتے ہیں جن میں فتنہ قبر، عذاب قبر، عذاب وثواب قبر، ارواح واجساد کا پھر دوبارہ لوٹایا جانا، روز قیامت ترازو کا نصب ہونا، اعمال ناموں کا کھلنا، حوض، پل صراط اور شفاعت

سب شامل ہیں۔

۞ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں جو کہ اللہ کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں اور اس کی مشیت نافذہ اور وسیع تر قدرت سے ہوتی ہے، چنانچہ وہ بندوں کا بھی خالق ہے اور ان کے افعال کا بھی، اس کے باوجود انہیں اپنی اور اپنے رسولوں کی اطاعت کا حکم بھی دے رکھا ہے، اپنی اطاعت کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور ان سے راضی رہتا ہے، کافروں کو پسند نہیں کرتا، فاسقوں اور گناہ گاروں سے خوش نہیں ہوتا۔ بے حیائی کا کبھی حکم نہیں دیتا ، اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے نہ فساد کو۔

۞ اہلسنّت کا عقیدہ ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے، بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی، یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کی اصل بھی ہوتی ہیں اور شاخیں (فروع) بھی، چنانچہ ایمان اس وقت تک زائل نہیں ہوتا جب تک اس کی اصل زائل نہ ہو جائے۔ اس بات کے قائل ہیں کہ ایک ہی آدمی عذاب اور ثواب ہر دو کا مستحق ہو سکتا ہے۔ تاہم جب تک دلیل خاص نہ ہو کسی فرد کو متعین کر کے عذاب یا ثواب کا مستحق نہیں ٹھہراتے۔

۞ اہلسنّت صحابہ رسول ﷺ، اہل بیت رضی اللہ عنہم، اور ازواج مطہرات علی جمیعہا الصلوٰۃ والسلام سب سے محبت و موالات رکھتے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کی عصمت پر اعتقاد نہیں رکھتے۔

۞ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی کرامات، اور ان کے ہاتھ پر اللہ کی قدرت سے ظاہر ہو جانے والے خرق عادت امور کی تصدیق کرتے ہیں۔

۞ شریعت اسلام سے خروج کرنے والے شخص کے ساتھ قتال پر اہلسنّت کا اجماع ہے

اگر چہ کلمہ گو کیوں نہ ہو۔

۞ اہلسنّت احکام وقوانین شریعت کے قیام کی خاطر اپنے امراء کے ساتھ مل کر جہاد کرتے ہیں چاہے وہ نیک ہوں یا بد۔

۞ جن امور میں سلف نے اختلاف کرنے کی گنجائش رکھی تھی ان میں اجتہادات و آراء کا ایک سے زیادہ ہوجانا قابل قبول ہے اوران مسائل میں مخالف کو گمراہ قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔مثلاً صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اختلاف کہ آیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں ،اسی طرح اس بارے میں اختلاف مشہور ہے کہ ارکان اربعہ کا تارک کافر ہے یا نہیں؟اسی طرح یہ اختلاف کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ؟

(اہل) سنت کے مخالفین جو کہ اہل بدعات وگمراہی اور اہل تفرقہ ہیں ،ایسا جہالت ،ظلم اور غلو کی وجہ سے کرتے ہیں ۔کیونکہ بدعات کی ابتداء ظن اور ہوائے نفس پر مبنی بات سے ہوتی ہے جس کے ساتھ غلو اور اشخاص اور ایسے اقوال کے لئے تعصب شامل ہوجاتا ہے جن میں اجتہاد اور اختلاف ہوسکتا ہے نتیجتاً اھواء کا غلبہ اور آراء کی بھرمار ہونے لگتی ہے، اختلاف شدید سے شدید تر ہوجاتے ہیں اور افتراق وعداوت کا چلن عام ہوجاتا ہے۔

۞ مخالفین (اہل) سنت کئی ایک زینے چڑھتے ہیں ،سب سے پہلے تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دوسروں کو بڑھاتے ہیں ......وجہ چاہے تفریط ہو جہل یا پھر ہوائے نفس ہو یا نافرمانی......چنانچہ حق سے نکل جاتے ہیں اور طریقہ سنت سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں ،بنابریں جو گناہ نہیں ہوتا اسے گناہ بنادیتے ہیں اور جو نیکی نہیں ہوتی اسے نیکی باور کراتے ہیں ،پھر اس کے بعد غلطی لگ جانے (خطا) اور گناہ کا مرتکب ہونے (اثم) کو خلط کردیتے

ہیں چنانچہ اپنے ساتھ اختلاف کرنے والوں کو گناہ گار قرار دیتے ہیں، اپنے لئے کوئی شخص ،رائے یا شعار وضع کر لیتے ہیں جس کی بنیاد پر تعلق اور دشمنی رکھتے ہیں، اور یوں امت کو پھاڑتے اور جماعت سے مفاصلت اور خروج کر جاتے ہیں۔ پھر اپنے ساتھ اختلاف رکھنے والے اہلسنّت والجماعت کے لوگوں کے بارے میں تکفیر، تفسیق اور تخلید (فی النار) ایسے باطل اعتقادات رکھنے شروع کر دیتے دیتے ہیں۔

نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ اس بنیاد پر ایسے احکام فٹ کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے مخالف کے بارے میں گھڑ رکھے ہیں مثلاً جان، مال اور عزت تک کو مباح قرار دیتے ہیں اور یوں اہلسنّت کی جماعت کے خلاف ظلم وزیادتی اور سرکشی کی راہ پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

⑨ مخالفین اہلسنّت کی مختلف اصناف ہوتی ہیں:

ا۔ایسا شخص جو ایک قابل اعتبار شرعی اجتہاد کی بنیاد پر (مذہب) سنت سے الٹ راہ اختیار کر گیا ہے، جبکہ وہ اجتہاد قطعی غلط ہو، یا پھر دور کی تاویل ہو۔خاص طور پر خلاف حق شبہات کی بنا پر ایسی راہ چل گیا ہو، تاہم اس کا مقصد اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت نہ ہو، بلکہ ظاہر و باطن میں اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہو۔

۲۔دوسری قسم متاخرین میں زیادہ پائی جاتی ہے جو کہ قرآن اور سنت سے زیادہ استفادہ نہیں کر پائے اور اس کی بجائے ایسے اقوال کا سہارا لیتے رہے جو کہ ان کے شیوخ اور بزرگوں نے گھڑ رکھے ہیں اور ان کو پوری طرح ان کی حقیقت اور نتائج سے آگہی نہ ہو سکی، تاہم اگر ان کو ان اقوال کے خلاف (مذہب) سنت ہونے کا علم ہو جاتا تو رجوع

کر لیتے اور قطعاً اس کے قائل نہ رہتے۔

۳۔تیسری صنف میں وہ لوگ آتے ہیں جو (اہل) سنت کی مخالفت ایک طرح کے جہل ظلم اور ہوائے نفس کی بناپر کرتے ہیں جس کے ساتھ سرکشی زیادتی اور فسق و معصیت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

ان مذکورہ اصناف کے لوگ نہ تو کافر ہوتے ہیں اور نہ منافقین ، بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ بظاہر و باطن ایمان رکھتے ہیں ،حتیٰ کہ ایسے بعض لوگ بعض اوقات مذہب اہلسنّت کی مخالفت بھی دشمنوں کے سامنے (اہل) سنت کا دفاع کرتے ہوئے کر جاتے ہیں ،چنانچہ اجتہاد کرتے ہوئے ایک چھوٹی بدعت کے ذریعے ایک بڑی بدعت کا سدباب کرتے ہیں۔عمداً اللہ اور رسول ﷺ کے آگے کسی کو بڑھنا ان کے پیش نظر نہیں ہوتا

ان لوگوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یا تو یہ مجتہد مخطی ہے جن کی غلطی قابل بخشش ہے کیونکہ ان کا مقصد حتی الامکان رسول اکرم ﷺ کی متابعت ہوتا ہے ،ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے امور میں سنت کی مخالفت کر جاتے ہیں اور کچھ لوگ پیچیدہ اور دقیق امور میں سنت کی مخالفت کرتے ہیں ،جبکہ اپنی اختراع کردہ راہ کو جماعۃ المسلمین سے مفارقت کی مخالفت کا سبب نہیں بتاتے نہ ہی ولاء وعداوت کی بنیاد بناتے ہیں ۔یا پھر اتباع قرآن وسنت کے فریضے کی ادائیگی میں تفریط کا شکار ہوتے ہیں ،یا ممنوعہ راستے اپنا کر اللہ کی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں ،اور یا پھر خدائی ہدایت کے بغیر ہوائے نفس کے پیچھے لگ جاتے ہیں ،چنانچہ یہ لوگ ظالم لنفسہ شمار ہوتے ہیں ،جن کی بابت وعید آتی ہے ،ایسے لوگوں کے دامن میں نیکیاں بھی ہوتی ہیں اور برائیاں

بھی۔

۴۔چوتھی صنف،منافق اور زندیق لوگوں کی ہے جو باطن میں کفر اور مسلمانوں کے خلاف کینہ وبغض رکھتے ہیں،اس طرح کے لوگ رافضہ (شیعہ)اور جہمیہ میں کثرت سے ہوتے ہیں جن کی زندیقیت کے ڈانڈے صائبین اور مشرکین سے جا ملتے ہیں،اور یہ انہی کے ساتھ موالات رکھتے ہیں ان سے محبت بھی کرتے ہیں تعظیم بھی اور موافقت بھی۔

۵۔گمراہ مشرکین جن میں درگاہوں،آستانوں اور پیروں کے پجاری اور مردوں،بتوں وغیرہ کی عبادت کرنے والے بھی شامل ہیں اور حلول،اتحاد اور وحدۃ الوجود ایسے عقائد رکھنے والے بھی،ان لوگوں سے جب شرک ظاہر ہو جائے تو ان سے توبہ کرانی چاہیے،وگرنہ ان کی گردنیں اڑائی جائیں اور کفار و مرتد ہونے کی بنا پر قتل کر دیئے جائیں۔

۶۔اہلسنّت والجماعت کے بڑے مخالف فرقے مرجئہ،خوارج،قدریہ رافضہ اور جہمیہ ہیں۔

مرجئہ کا پہلے پہل تو مذہب یہ تھا کہ اعمال ایمان میں شامل نہیں،اور عموماً ان کا اختلاف الفاظ کی حد تک تھا اور نوبت احکام تک نہ جاتی تھی،مگر بعد ازاں اس سے بھی بڑھ گئے اور اعمال کی حیثیت میں توقف کرنے لگے،جبکہ ان کے بعض لوگ تو فرائض کی عدم فرضیت اور محرمات سے اجتناب تک کا فتویٰ دینے لگے،ان کے ہاں صرف ایمان کافی تھا۔

خوارج کے مذہب کی بنیاد قرآن کی تعظیم اور اس کی اتباع کا مطالبہ تھا،لیکن یہ اس کے معانی کے برعکس مطالب نکالنے لگ گئے اور اہلسنّت والجماعت سے نکل گئے نبی ﷺ کے ظالم ہونے کے امکان کے بھی قائل ہوئے،چنانچہ نہ تو آپ ﷺ کے حکم کے تابع ہوئے

اور نہ آپ ﷺ کے بعد ائمہ کے حکم کے، ایسی سنت کے اتباع سے بھی گریز کرنے لگے جو ان کے زعم میں قرآن کے خلاف جاتی ہو مثلاً رجم، چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے مقرر نصاب وغیرہ، خوارج اپنے مخالف کی تکفیر کرتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص ان کی نظر میں قرآن کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے چاہے اسے غلطی لگی ہو یا چاہے وجوب، اور تحریم اعتقادی کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہوا ہو۔ پھر بزعم خویش اس کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس کے بارے میں ایسے امور کو بھی روا سمجھتے ہیں جو کافر اصلی کے بارے میں بھی روا نہیں جانتے، گناہوں اور غلطی لگنے کی بنا پر مسلمانوں کی تکفیر کی جو بدعت انہوں نے رائج کی ہے وہ اسلام میں ظہور پذیر سب سے پہلی بدعت ہے۔

رافضہ اور شیعہ: ان کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں قطعی نص ارشاد فرما رکھی تھی جس کے خلاف کوئی عذر باقی نہیں رہتا، ان میں سے مفضلہ کا گروہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر افضیلت کا قائل ہے جبکہ سبائیہ (دشنام طراز) گروہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینے کا قائل ہے، جبکہ ان کا غالی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اللہ ہونے کا قائل ہے۔

رافضہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت (معصوم ہونے) اور ان سے اختلاف کرنے والے کے کافر ہونے کے قائل ہیں، ان کا مذہب ہے کہ مہاجرین وانصار ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نص کو چھپایا تھا، امام معصوم کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوئے، اپنی اہوائے نفس کی پیروی کی تھی، دین کو تبدیل کیا تھا، شریعت کو بدلتے تھے اور ظالم اور معتدی تھے بلکہ ماسوا چند کے سب کے سب کافر تھے۔

ان کے ہاں ائمہ معصوم ہیں، ہر چیز کا علم رکھتے ہیں اور حق اور علم کا مصدر وہی ہیں نہ کہ قرآن اور سنت۔ رافضہ تمام فرقوں سے زیادہ جھوٹا اور اہلسنّت کے خلاف کینہ وبغض کا حامل ہے۔ یہ اہلسنّت کو جمہور کا نام دیتے ہیں اور انہیں یہود ونصاری سے بڑا کافر سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں یہ مرتد ہیں، اسی وجہ سے یہ اہلسنّت کے مقابلے میں کفار ومشرکین اور اہل کتاب سے دوستی ووفاداری رکھتے ہیں، کتاب وسنت سے سب فرقوں میں بڑھ کر یہی فرقہ دور ہے اور دین واہل دین کے لئے ان سب سے بڑھ کر ضرر رساں وخطرناک ہے انہی میں سے مہا زندیق ومنافق فرقے ظاہر ہوئے ہیں جن میں قرامطہ باطنیہ ایسے عظیم ترین فتنے شامل ہیں۔ ان کے اکثر ائمہ وقائدین ہوتے زندیق ہیں مگر رافضیت ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اسلام کو مسمار کرنے کا یہ آسان راستہ ہے۔

قدریہ یا معتزلہ

ان کی عقل میں یہ بات نہیں سما سکی تھی کہ ایک طرف قدر کے ساتھ ایمان کا حکم بھی ہو اور دوسری طرف امر ونہی اور وعد اور وعید بھی ہو، ان دونوں کا ہونا ان کے خیال میں ناممکن تھا چنانچہ ان کا مذہب یہاں ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے وہی اس کا ارادہ ومشیت بھی ہوتا ہے، اور افعال العباد ایسی کسی چیز کا خالق نہیں ہے، چنانچہ یہ اللہ کی قدرت اور مشیت، یا قدرت، مشیت اور علم کے انکاری ہو گئے کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی کا خالق ہونا ان کے مذہب میں شامل ہو گیا تھا، یہ عام جماعت اہلسنّت کو حشویہ یعنی عوام کا نام دیتے ہیں۔

ان کے اصول پانچ ہیں پہلا توحید، جس کا مطلب ان کے ہاں صفات کی نفی اور تعطیل ہے، دوسرا عدل، جس کا مطلب ان کے ہاں قدر کی تکذیب ہے، ان کے غالی لوگ اللہ

تعالیٰ کے علم قدیم کا بھی انکار کرتے ہیں، تیسرا منزلہ بین المنزلتین، جس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ فاسق کو کسی صورت مومن نہیں کہا جاسکتا ہے نہ کافر چنانچہ اسے دونوں مرتبوں کے درمیان ایک مرتبہ قرار دیتے ہیں، چوتھا نفاذ الوعید، جس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ملت کے فاسق لوگ مخلد فی النار ہیں اور دوزخ سے کسی صورت آزاد نہیں ہوں گے نہ شفاعت سے اور نہ کسی اور طریقے سے، جیسا کہ خوارج کا مذہب ہے پانچواں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، جس کا مطلب ہے کہ ائمہ وامراء کے خلاف خروج اور قتال بالسیف جائز ہے۔

جہمیہ

ان کا خیال تھا کہ قدر شرع کی مناقض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عمل کے منکر ہوگئے۔ ان کا مذہب تھا کہ بندہ نہ تو خود کوئی فعل کرسکتا ہے اور اس کا کوئی اختیار وقدرت ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور وہی قدر ہے، بنابریں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور اسماء کا انکار کر گئے سواء ایک ''قادر'' کے کیونکہ بندہ قادر نہیں ہوسکتا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ نفس امر میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی میں کوئی فرق نہیں، سبھی کچھ ایک جیسا ہے، پھر نہ اس کے اولیاء اور اعداء میں فرق ہے۔ اور نہ ہی اس کی پسند وناپسند میں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے دو ایک جیسی چیزوں میں صرف اپنی مشیت (کی دھونس) سے فرق کر دیا ہے ایک کا حکم دیتا ہے اور اس طرح کی دوسری چیز سے روک دیتا ہے۔ نوبت بانیجا رسید کہ توحید وشرک، ایمان وکفر، اطاعت ومعصیت اور حلال وحرام کے فرق کو ملیا میٹ کر کے اس کے منکر ہو گئے۔ ایمان کو صرف معرفت (اللہ تعالیٰ کے بارے میں جان لینا) قرار دے دیا اب ان کے ہاں اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی عبادت میں کوئی فرق نہ تھا بلکہ غیر اللہ کی عبادت کو بھی اللہ کی عبادت کی

طرح جائز کہتے تھے۔ان کی توحید کی انتہاء مشرکین کی توحید تھی، عارف اس کو سمجھتے تھے جو نیکی کو نیکی جانے نہ بدی کو بدی سمجھے، شریعت کا بھی انکار کرے اور انبیاء کی نبوت کا بھی۔ یہ لوگ یا تو باطنی منافقین ہیں اور یا پھر ظاہر و باطن مشرکین۔

۷۔اہلسنّت ایک طرف پیچیدہ و دقیق بدعات اور لفظی اختلافات کے مابین اور دوسری طرف مغلظ بدعات اور حقائق ومعانی واصول کبری پر اختلاف کے مابین فرق کرتے ہیں ، بنابریں ان بدعات کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

الف: ایسی بدعات جن کے حاملین کی عدم تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں، مثلاً مرجئہ اور شیعہ مفضلہ

ب: ایسی بدعات جن کے حاملین کی تکفیر اور عدم تکفیر کے بارے میں اختلاف ہے۔ مثلاً خوارج اور روافض ہے۔

ج: ایسی بدعات کو جن کے حاملین کے کافر ہونے میں مطلق طور پر نہ کہ تعین کر کے (کوئی اختلاف نہیں مثلاً جہمیہ محضہ۔

اس کے ساتھ اہل سنت کے ہاں اہل بدعات پر معصیت، فسق یا کفر کا حکم لگاتے وقت حکم مطلق اور کسی ایسے شخص کو متعین کر کے جس کا مسلمان ہونا بالیقین ثابت ہو، حکم (معین) لگانے میں فرق کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی متعین شخص پر جس سے کوئی مذکور بالا بدعت سرزد ہو، عاصی فاسق یا کافر ہونے کا فتویٰ اس وقت تک نہیں لگایا جاسکتا جب تک اقامت حجت اور ازالہ شبہ کے ذریعے اس کے لئے اس کے مذہب کا خلاف (اہل) سنت ہونا واضح نہ کر دیا جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے آخرت کے احکام میں وعید کے مطابق نصوص اور کسی

خاص شخص کے اس وعید کا مستحق و مستوجب ہو جانے میں فرق کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے متعین شخص کے حق میں وعید مختلف اسباب کی بنا پر ٹل سکتی ہے مثلاً توبہ، نیکیاں جو برائیاں محو کر دیں۔ ایسے مصائب جو گناہوں کا کفارہ بنیں یا اللہ کے ہاں اس کے لئے کسی کی شفاعت قبول ہو جائے۔ چنانچہ کسی شخص کو متعین کر کے اس وقت تک جنت یا جہنم واصل نہیں کیا جاسکتا جب تک خاص اس کے بارے میں دلیل نہ ہو۔

اب تکفیر بھی وعید میں سے ہے کیونکہ اگرچہ بنا بر بدعت قول رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہی ہوتا ہے مگر یہ سب امکانات بھی اپنی جگہ ہوتے ہیں کہ اس کا قائل اسلام میں نوارد ہو، کہیں دور دراز کے علاقے میں آنکھ کھولی ہو، اسے نصوص کا ثبوت نہ ملا ہو یا اس کے خیال میں اُن نصوص سے تعارض واقع ہوتا ہو جس کی بنا پر اسے تاویل کرنی پڑی ہو، اس وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی متابعت کے مقصد سے تاویل کرنے والے مجتہد اور نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کی حرص رکھنے والے عامی مقلد کی غلطی قابل بخشش ہوتی ہے۔

بنابریں اہلسنّت مسلمانوں میں سے کسی کی اس وقت تک تکفیر نہیں کرتے، اگرچہ وہ غلطی پر ہی کیوں نہ ہو یا خطاء کا مرتکب ہو، جب تک اس پر حجت رسالت قائم نہ کر لی جائے جس کی بدولت یہ واضح ہو جائے کہ وہ رسولوں کی ہدایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکم، اپنی شروط کے ثابت اور موانع کے دور ہونے پر موقوف ہوتا ہے، اب جس شخص کا اسلام بالیقین ثابت ہو شک کی بناء پر اس سے زائل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اہلسنّت علماء مجتہدین کی بنا پر، خاص طور پر اگر وہ اختلافی و ظنی مسائل کی بنا پر ہو تکفیر تفسیق حتیٰ کہ تاثیم کو بھی جائز نہیں سمجھتے......

جو بدعتی اہل قبلہ میں شامل ہوں، اگرچہ ان کی بدعت کتنی ہی بڑی ہو، اہلسنّت کے ہاں

ان کے اور ایسے لوگوں کے مابین فرق کیا جاتا ہے جن کا کافر ہونا دین میں قطعی طور پر (بالضرورۃ) معلوم ہو۔ مثلاً مشرکین واہل کتاب۔ چنانچہ اگر چہ اہلسنّت یہ جانتے ہیں کہ اہل بدعت میں بہت لوگ نفاق اکبر کے حامل منافقین ہوتے ہیں اور جہنم کے درک اسفل کے حق دار ہوتے ہیں مگر ان پر اسلام کے ظاہری حکم کا ہی اطلاق کرتے ہیں۔ نفاق اکبر کے حامل باطن میں تو کافر ہی ہوتے ہیں تاہم ان میں سے جس کے بارے میں ایسا ایسا معلوم ہو جائے وہ ظاہر میں بھی کافر ٹھہرتا ہے۔

۸۔ وہ بدعات جن کی بنا پر آدمی اہل اھواء میں شمار ہوتا ہے، ایسی بدعات ہوتی ہیں جن کا خلاف کتاب وسنت ہونا معروف ہو۔ مثلاً خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ اور جہمیہ ایسی بدعات ان کے علاوہ جو بھی قرآن مجید کے مبین امور، سنت مستفیضہ اور سلف امت کے اجماع کی مخالفت کرے گا، جبکہ اس کے پاس کوئی عذر بھی نہ ہو اسے بھی اہل بدعت کے زمرے میں ہی شمار کیا جائے گا۔

اہل بدعت کی بابت اہلسنّت والجماعت کا سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ ان کی حقیقت واضح کی جائے، امت کو ان کے فاسد اقوال وآراء سے خبر دار کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ سنت کی توضیح وتشہیر کی جائے اور پھر بدعات کو مٹانے اور اہل بدعت کی زیادتی وسرکشی کو رد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔

ائمہ سنت کا اتفاق ہے کہ یہ بدعات، جو کہ مغلظہ بدعات کہلاتی ہیں، ایسے گناہوں سے کہیں بدتر ہیں جن کے کرنے والے ان کو گناہ سمجھ کے کرتے ہیں، اس لیے ان کے حاملین کی گوشمالی اور شر انگیزی کو روکنا ضروری ہے اور اگر اس مقصد کے لئے لڑنا اور قتل کرنا ناگزیر

ہوتو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔سلف کسی ایسے داعی بدعت کو واجب قتل تک سمجھتے ہیں جو مخلوق کو گمراہ کر رہا ہو، کیونکہ انسان دین پر تیشے چلاتا ہے، سلف چاہے اس کے کافر ہونے کے قائل ہوں یا نہ ہوں اصل اعتبار دنیوی سزاؤں کی علت کا ہے کیونکہ اس سزا کا مقصد دفع ظلم وعدوان اور رفع ضرر وفساد ہے جبکہ سزائے اخروی کا ہونا یا نہ ہونا دنیوی سزا کے ہونے یا نہ ہونے پر موقوف نہیں ہے۔

بسا اوقات کسی غلط اجتہاد اور تاویل بعید کی وجہ سے بھی انسان سے بدعت سرزد ہو سکتی ہے، چنانچہ ایسے شخص میں سنت وبدعت اور خیر وشر ملے جلے ہوتے ہیں۔اس لئے اس کے ہاں جو سنت اور خیر موجود ہے اس کے بقدر اس سے ولاء رکھنی چاہیے اور اس پر وہ مستحق ثواب بھی ہوتا ہے اور جو اس کے ہاں بدعت اور شر ہوتا ہے اسی کے بقدر و مستوجب عداوت وسزا ہوتا ہے۔بسا اوقات ایسے آدمی کا جنازہ امام اور علماء واصحاب دین اس غرض سے ترک بھی کر دیتے ہیں کہ ظاہری احکام میں اس کی بدعت کی زجر کی جائے۔تاہم دوسروں کو کہا جاتا ہے کہ وہ اس کا جنازہ ادا کریں جبکہ یہ باطن میں اس کے لئے استغفار کرتے ہیں، البتہ ایسے لوگ جن کا نفاق ظاہر و معلوم ہو جائے جیسے رافضہ کے نصیریہ اور اسماعیلیہ ایسے غالی گروہ یا مثلاً زندہ و مردہ انسانوں اور درگاہوں آستانوں اور قبوں کے پجاری، بزرگوں کے بارے میں غلو کرنے والے، یا پھر ارباب وحدۃ الوجود، حلول واتحاد......تو یہ لوگ مرتد ہیں، ان کا ارتداد بھی بدترین درجہ کا ہے یہ اصلی کافروں اور اہل کتاب سے بڑے کافر ہیں، ان کی عورتوں سے نہ نکاح جائز ہے نہ ان کا ذبیحہ ان کو مسلمانوں کے معاشرے میں رہنے بھی نہیں دیا جا سکتا نہ جزیہ کے ساتھ اور نہ اہل ذمہ کے سمجھ کے اور اگر یہ قوت رکھتے ہوں اور سر

اٹھانے کی کوشش کریں تو ان سے قتال واجب ہے جیسا کہ مرتد واجب القتال ہوتے ہیں۔

اہلسنّت، اہل بدعات میں سے داعی اور غیر داعی کے مابین فرق کرتے ہیں کیونکہ داعی دنیا بھر کے سامنے اپنی بدعت کا اعلان کرتا ہے اس لئے وہ ہجر اور ایسی سزاؤں کا مستحق ہے کہ اس کی شہادت قبول نہ کی جائے، اس کے پیچھے نماز ادا نہ کی جائے، اس سے علم نہ لیا جائے، اور اس سے شادی بیاہ نہ کیا جائے، چنانچہ داعی بدعت کی یہ سزا ہوتی ہے تا آنکہ لوٹ نہ آئے، تاہم بدعت کو خفیہ اور چھپا کے رکھنے والا، جس کی بدعت بھی مستوجب تکفیر نہ ہو، زیادہ سے زیادہ منافقین کے درجے میں ہی ہو سکتا ہے جن کے ظاہر کا اللہ کے رسول ﷺ اعتبار کرتے تھے اور ان کے باطن کو اللہ پر چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ ایسے آدمی کو خاموشی سے ہی روکنا اور منع کرنا چاہیے اور ستر پوشی بھی کرنی چاہیے، الا یہ کہ اس کا ضرر دوسروں تک پہنچنے لگے اور اس سے لوگوں کی بربادی و گمراہی کا خدشہ لاحق ہو جائے، ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے اس کی نقاب کشائی ہونی چاہیے تا کہ اس سے میل جول سے بچیں، اس کی گمراہی سے محفوظ رہیں اور اس کی حقیقت سے آگاہ رہیں۔

اہلسنّت جہاں لوگوں کو اہل بدعت کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں، ان کے مذہب سے پردہ اٹھاتے ہیں اور پوری مخلوق کو ان سے خبر دار کرتے ہیں پھر ان کا ہر طرح سے انکار کرتے ہیں، زبان سے بھی، ہجر و مفاصلیت اختیار کر کے بھی اور بزور دست بھی، وہاں یہ سب کچھ وہ شرعی ضابطوں کے اندر رہتے ہوئے سر انجام دیتے ہیں۔

اول: یہ کہ اس سلسلے میں بنیاد اخلاص ہوتا ہے، اللہ رسول ﷺ کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی، ان کے پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اصلاح و درستی کی امید

وآرزو، انسداد ضرر اور انتہائی درجے کی شفقت ورحمت اور دعائے خیر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ذاتی خواہش نفس، دنیوی عداوت، باہمی حسد وبغض اور قیادت کے تنازعہ ورسہ کشی ایسے کسی ادنیٰ سے شبہ کو بھی کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ بظاہر تو آدمی خیر خواہی ظاہر کرے اور دل میں کوئی ذاتی رنجش یا انتقام چھپا ہو اور یوں وہ اللہ کے دیئے کسی اختیار اور نیک مقصد کے بغیر اس کی عزت، مال یا جان پر ہاتھ ڈال لے اور یہ کام بحق شریعت نہ ہو بلکہ اپنے نفس کی تسکین کے لئے ہو۔

دوم: ہجر ومفاصلت یا بدست وزبان انکار علی المنکر کا کام ایسے شرعی طریقہ عمل سے ہونا چاہیے جس کا حکم دین میں دیا گیا ہے اور جس کی بنا پر مختلف احوال کی رعایت کرتے ہوئے شریعت کے اعتبار کردہ مصالح حاصل ہوتے ہوں اور مفاسد دور ہوتے ہوں وگرنہ یہ عمل مشروع نہ ہوگا۔ چنانچہ ہجر ومفاصلت مثال کے طور پر اگر بدعتی کو سیدھا نہ کرسکے، بلکہ الٹا کسی ضعیف وناتواں آدمی پر جو کہ ہجر کا راستہ اختیار کرتا ہے بدعتی کا شر مزید بڑھ جائے گا اور یوں اس عمل کا نقصان اس کے فائدہ ومصلحت پر حاوی ہو جائے گا تو ایسی صورت میں ہجر مشروع نہیں ہوگا۔ بلکہ بسا اوقات بعض بدعتی لوگوں کے ساتھ تالیف قلب کا رویہ ہجر وروکھی سے زیادہ بارآور ہوتا ہے۔ اصل تو ہی ہے کہ مسلمانوں کا جان ومال اور عزت حرام اور معصوم ہوتی ہے اب اگر کہیں بدعتی اور غیر بدعتی ملے جلے ہوں تو ہر ایک سے الگ الگ وہی رویہ برتنا ہوگا جس کا وہ شرعاً مستحق ہے اور اس سے سرزد ہونے والے عمل کے لئے مناسب ہے۔ کسی ایک کی غلطی کسی دوسرے کے سر نہیں ڈالی جاسکتی اور نہ ہی ایک بدعت کا جواب دوسری بدعت سے دینا چاہیے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے اصل تو یہی ہے کہ وہ مسلمانوں

کے شہروں اور بستیوں میں کسی بھی ایسی جگہ جہاں سنت کا شعار بلند ہو مسلمانوں کے ساتھ جمعہ و جماعت ادا کرے اور اہل ایمان سے ولاء و وفاداری کا مظاہرہ کرے نہ کہ عداوت کا رویہ اپنائے اگر کوئی گمراہ یا راہ گم گشتہ شخص دیکھے تو اسے راہ رشد و ہدایت پر لانے کی کوشش کرے۔اور اگر ایسا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا، تاہم کسی مسلمان کے گناہ یا خطاء و غلطی کا شکار ہو جانے کی بنا پر تکفیر جائز نہیں ہے۔مثال کے طور پر وہ مسائل جن میں اہل قبلہ کے ہاں اختلاف چلتا ہے۔حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان کسی شخص کی تکفیر یا اس سے قتال کے بارے میں تاویل کرتا ہو تو بھی وہ اس وجہ سے کافر نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ایک مسلمان کی حرمت و عصمت اور ولاء کا حق باقی رہتا ہے تا آنکہ اس کا ضرر دوسرے مسلمانوں کی عصمت و حرمت پر اثر انداز ہوتا ہو۔جب اھواء بڑھ جائیں اور ایک مسلمان بطور استحباب اپنے دین کی حفاظت و استبراء کے لئے صرف ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کا خواہشمند ہو جس کے بارے میں وہ جانتا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے اگر ایسا نہ کرنے والے کو غلط قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی (آدمی جہاں با جماعت نماز کی فرضیت کا قائل ہو) جمعہ و جماعت ایسے فرائض چھوڑ بیٹھے کیونکہ مستور الحال کے پیچھے نماز ادا کی جائے تو اس کو نہ لوٹانا بھی جائز ہے۔اس طرح کسی مبتدع کے پیچھے نماز ادا کرلی جائے تو اس کو نہ لوٹانا بھی جائز ہے۔جو شخص کسی مستور الحال کی اقتدا میں نماز کو ناجائز یا باطل قرار دیتا ہے وہ سنت و جماعت کے خلاف ہے۔اس کے علاوہ جس آدمی کا نفاق معلوم ہو جائے اسکا جنازہ اور دعائے خیر جائز نہیں، اور ہر وہ شخص جس کا کفر یا نفاق معلوم نہ ہو اس کی نماز جنازہ اور اس کے لئے استغفار جائز ہے اگرچہ اس میں کوئی بدعت ہی

ہو یا وہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔

مراحل اور حالات

جو فرقۂ ناجیہ کو پیش آسکتے ہیں

دین میں ''جماعت'' کا حکم اور اس سے التزام رکھنے کی بہت سی نصوص وارد ہوتی ہیں ،گزشتہ صفحات میں ہم نے جو احادیث نقل کی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ:

(الف): ان میں کچھ تو ایسی نصوص ہیں جن میں ''جماعت'' کا حکم ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے مذہب سے التزام کیا جائے ،مثلاً افتراق (کی پیشین گوئی)والی احادیث اور''لاتزال طائفة من امتی علی الحق ''والی احادیث اور اس طرح وہ احادیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت اور اپنے بعد خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

(ب): کچھ نصوص ایسی ہیں جن میں اس ''جماعت'' کی اتباع کا حکم ہے جس کا امیر ہو،انہی میں یہ حدیث شمار ہوتی ہے(من رای من امیره شیئا فلیصبر فاه من فارق الجماعة شبرا فمات الا مات میتة جاهلية) کہ جس شخص کو اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ امر نظر آئے ،اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ جو'' جماعت'' سے بالشت بھر بھی مفارقت کرے اور اسی حالت میں اسے موت آلے ،وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔اسی طرح حدیث(من اراد بحبوحة الجنة فلیلزم الجماعة) کہ جو جنت کا لطف ومزہ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے۔وغیرہ وغیرہ

(ج): اس کے علاوہ کچھ ایسی نصوص ہیں جن سے مزید بات کھلتی ہے ان میں جماعت مسلمین اور ان کے امام سے (اگر وہ ہوں تو) لزوم کا حکم دیا گیا ہے، وگرنہ تمام فرقوں سے اعتزال کا حکم ہے، اس بات پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث دلالت کرتی ہے جو بہت سے طریقوں اور روایات سے وارد ہوئی ہے۔ اب ان نصوص یہ واضح ہوتا ہے کہ فرقۂ ناجیہ (یا اہل سنت) کو مختلف حالات درپیش ہو سکتے ہیں۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ امام ''شرعی'' موجود ہو اور یہ امام اہلسنّت کا امام ہو، انہی کے مذہب کا متبع وملتزم بھی ہو اور داعی بھی، اس مذہب کے ہر مخالف کو ڈرا کے رکھنے والا اور اھواء وبدعات کے حاملین سے برسرپیکار رہتا ہو۔ ایسے امام کی مثال خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے دی جا سکتی ہے چنانچہ ان کے عہد میں جماعت کے مذکورہ بالا دونوں معانی یکجا ومجتمع تھے جماعت کے یہ وہ معانی ہیں جنہیں ہم نے راجح قرار دیا ہے یعنی ایک وہ جماعت جو ایک امام پر مجتمع ہو اور دوسری وہ جماعت جو اہل سنت والجماعت ہے۔

ظاہر ہے یہ اعلیٰ ترین صورت ہے اور اس زمانے کا ہر مسلمان اس حالت کے ظہور کی تمنا وآرزو رکھے ہوئے ہے۔ اس حالت میں مسلمان پر فرض ہوتا ہے کہ وہ جماعت کی اتباع کرے، بشمول امیر اس کا التزام کرے اور اس کی دعوت سے چمٹا رہے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ امام موجود تو ہو مگر یہ امام بدعتی ہو اور اہلسنّت والجماعت کے مذہب کا التزام نہ کرتا ہو، بلکہ اس کے دل میں ایک گونہ اہل بدعات کا مذہب جاگزیں

ہو، تاہم امت میں کچھ لوگ یا جماعت چاہے وہ متفرق افراد کی صورت میں ہوں یا مختلف جگہوں پر اکٹھ کی صورت میں موجود ہوں، جن کی مذہب اہلسنّت کی دعوت واظہار میں آواز سنی جاتی ہو اور وہ خود اس مذہب سے تمسک بھی رکھتے ہوں اس کی دعوت بھی دیتے ہوں اور اس راستے میں آنے والی تکلیفوں اور آزمائشوں کو برداشت بھی کرتے ہوں۔ اس کی مثال مامون کا عہد ہے جو معتزلہ کے مذہب کا قائل ہو کے لوگوں کو بھی اس کا پابند کرنے لگ گیا تھا اور اس کی خاطر ان پر مصائب بھی ڈھاتا تھا۔ چنانچہ مامون ''امام مبتدع'' تھا مگر اس کے زمانے میں حاملین سنت کی ایک جماعت بھی تھی جو بدعت سے انکاری تھی اور اہلسنّت کے مذہب کی پابند تھی اور مذہب اعتزال کی دعوت کے سلسلے میں خلیفہ کی اطاعت نہیں کرتی تھی۔

چنانچہ ایسی مسلمان پر دو امر واجب ہوتے ہیں

ا۔ ایک یہ کہ وہ امام سے التزام بہر حال رکھے اور اس خلاف خروج نہ کرے اگر چہ وہ فاسق بھی کیوں نہ ہو...... جیسا کہ اہلسنّت والجماعت کا مذہب ہے...... لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا یہ بھی فرض ہے کہ جہاں وہ اللہ کی معصیت ونافرمانی کی دعوت دے وہاں اس کی اطاعت نہ کرے، کیونکہ امیر جہاں تک معصیت کا حکم نہ دے اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور جب وہ کسی معصیت کا حکم دے تو کوئی اطاعت نہیں۔

۲۔ دوسرا امر یہ ہے کہ وہ اہلسنّت والجماعت کے مذہب سے چمٹا رہے اور اس جماعت اور گروہ سے وابستہ رہے جو اس مذہب کی دعوت دے، چنانچہ اس جماعت کے ساتھ رہے، جیسے وہ بدعات کے خلاف جہاد کرتے ہوں یہ بھی ان کے شامل مل کر جہاد کرے، اور جس طرح وہ حق کی دعوت دیتے ہوں یہ بھی ان کے ساتھ یہ کام کرے، ایسی صورت میں حضرت

حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تلزم ''جماعت المسلمین واماھم'' والی حدیث کا یہی مطلب ہے۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شرعی امام سرے سے ہی نہ ہو، عادل نہ جائر، جیسا کہ امت مسلمہ کو درپیش ضیاع وکسمپرسی کے موجودہ بعض مراحل میں ہو رہا ہے، تاہم افراد کی صورت میں یا جماعتوں کی شکل میں اہل سنت والجماعت وجود رکھتی ہو

اس صورت حال میں مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس جماعت سے التزام وتعلق رکھے اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف دعوت دے اور یہ سب مل کے اقامت دین اور مذہب اہلسنّت کی دعوت کے فریضے کی انجام دہی کے لئے کوشش کریں ۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہی مطلب نکلتا ہے: ''تلزم جماعة المسلمين وامهم'' چنانچہ جہاں صحابی دریافت کرتے ہیں: ''فان لم يكن لهم جماعة ولا امام '' اگر مسلمانوں کی نہ جماعت ہو اور نہ امام ۔تو اس سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ مگر امام شرعی موجود نہ ہو تو پھر اس جماعت ہی کا التزام واجب ہے۔

چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ درپیش ہوسکتی ہے کہ مسلمانوں کا نہ تو کوئی امام ہو اور نہ ہی مذہب اہلسنّت کی داعی جماعت ، یہ صورتحال بڑے فتنوں کے ظہور کے دوران اور بعض مقامات پر پیش آسکتی ہے جہاں مذہب اہلسنّت سے التزام رکھنے والا مسلمان غربت واجنبیت کا شکار ہو، نہ تو اسے کوئی مددگار میسر ہو اور نہ اہل بدعات کے علاوہ کوئی جائے پناہ ملتی ہو۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں مسلمان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو تلاش کرے جو مذہب

اہلسنّت کے پابند ہوں، اگر تلاش کرنے پر کوئی ایسا اکٹھ دریافت نہ ہو تو اسے حق کی دعوت دینی چاہیے اور ایسا اکٹھ پیدا کرنے کا کام کرنا چاہیے، بزرگان سلف دور دراز کے شہروں اور ملکوں میں لوگوں کو مذہب اہل سنت اور جماعت کے قیام کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ ابن وضاح رحمہ اللہ نے کئی ایک راویوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسد بن موسیٰ ① رحمہ اللہ نے جو اسد السنہ یعنی ''شیر سنت'' کے نام سے مشہور ہیں اسد بن فرات ② کو خط لکھا تھا کہ:

''میرے بھائی میں آپ کے علم میں یہ بات لانا چاہتا ہوں کہ ان سطور کے لکھنے کی وجہ آپ کے بارے میں میری اچھی شنید ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں سے انصاف، مذہب سنت کے اظہار و نصرت اور اہل بدعت کی مخالفت و نقاب کشائی اور سرکوبی ایسے کاموں کی توفیق سے نواز رکھا ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے فضل سے آپ کے ہاتھوں اہل بدعت کی گوشمالی ہوئی اہلسنّت کو سرفرازی نصیب ہوئی ہے اور آپ کو اہل بدعات کے فساد کے مدمقابل قوت حاصل ہوئی ہے، چنانچہ اللہ نے آپ کو ان کی ذلت کا سبب بنا دیا

---

①: مراد ہے اسد بن موسیٰ ابن ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان الاسدی جو کہ حدیث میں صاحب مسند ہیں ان کو اسد السنہ کا لقب دیا گیا تھا، نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں، تصنیف نہ کرتے تو اچھا تھا (۲۱۲ھ میں وفات پائی) کتاب الزھد ظاہریہ دمشق رقم ۱۰۱ من کتاب الجامع (حاشیہ البدع)۔ ②: مراد ہے ابوعبداللہ اسد بن فرات بن سنان مولی سلیم بن قیس پیدائش ۱۴۵ھ مقام حران دیار بکر وفات ۲۱۳ دوسری روایت میں وفات ۲۱۴ھ ان کی وفات سرقوسہ کے محاصرے کے دوران ہوئی جہاں وہ لشکر کے قاضی و امیر تھے سسلی میں دفن ہوئے علی ابن زیاد سے علم پڑھا اور امام مالک رحمہ اللہ سے موطا کا سماع کیا ثقہ راوی تھے۔ (حاشیہ البدع۔ البدع والنہی عنہا ابن وضاح ص ۵-۷ تحقیق احمد دھمان۔

جس کی وجہ سے اب وہ چھپتے پھرتے ہیں۔میرے بھائی اس کوشش وکاوش پر میں آپ کو ثواب واجر کی خوشخبری دیتا ہوں ،اس نیکی کو آپ نماز وروزہ اور حج وجہاد ایسی نیکیوں میں افضل ترین سمجھئے، یہ اعمال کتاب اللہ کی اقامت اور سنت رسول ﷺ کے احیاء کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں (اس کے بعد دعوت اور احیاءسنت کے بارے میں احادیث بیان کرتے ہیں،آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں ......)اس موقع کو غنیمت جانئے اور سنت کی دعوت کا کام جاری رکھیے تا آنکہ آپ کو الفت ومقبولیت حاصل ہوجائے ،اور ایسی جماعت وجود میں آجائے ،جو اگر آپ کو کوئی حادثہ بھی پیش آجائے تو آپ کے فرض کو وہ انجام دے سکے اور آپ کے بعد امامت کا فریضہ سرانجام دیں (امارت کا کام کرسکیں)اور آپ کو اس کا ثواب قیامت تک ملتا رہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے،اس لیے آپ بصیرت اور نیک نیتی کے ساتھ کام کرتے رہیں اور اجر کی امید رکھیں...''

چنانچہ اگر کہیں مسلمانوں کو جماعت نہ ملے ،اور کوئی اسکی دعوت پر بھی کان نہ دھرے ،تو بھی اسے کسی اہل بدعت کی طرف جھکاؤ نہیں رکھنا چاہیے بلکہ ان سب اہل بدعت سے الگ تھلگ رہنا چاہیے تا آنکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حالات بدل نہ جائیں ،یا پھر اسی حالت میں موت آلے۔رسول اکرم ﷺ نے حضرت حذیفہ کو فرمایا تھا(ان تموت یا حذیفة وانت عاض علی جذل خیر لك من ان تبع احداً منھم)حذیفہ اگر تمہیں درختوں کی جڑیں چباتے چباتے موت آجائے تو بھی اس سے بہتر ہے کہ تم ان میں سے کسی کے پیچھے چل پڑو۔

موجودہ صورتحال......ایک جائزہ

اسلام اور اہلسنّت جس صورت حال سے دوچار ہیں اس پر ہم نے جن امور کی وضاحت کی ہے ان کی روشنی میں گرد وپیش کا جائزہ لیا جائے تو کچھ اہم بنیادی نقاط کھڑے ہوتے ہیں جو اجمالاً کچھ یوں ہیں:

مخالفین (اہلسنّت) فرقے، چاہے وہ روایتی فرقے ہوں جیسے خوارج، رافضی، قدریہ (معتزلہ)، جہمیہ، ومرجئہ وغیرہ یا پھر ان سے جنم لینے والے نوزائندہ فرقے جو انہی پرانے فرقوں کی شاخیں ہیں، بدستور اپنے باطل عقائد اور فکار کے ساتھ امت مسلمہ کے جسم میں زہر اتار رہے ہیں، جہاں بھی کوئی رخنہ نظر آجائے وہیں سے گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر موقع کی تاک میں رہتے ہیں تا کہ اس امت کے فکری وجغرافیائی نقشے میں نئے سے نئے محاذ اور مورچے قائم کرتے رہیں یہ فرقے جہاں اہلسنّت کے ایسے لوگوں کی کمزوری اور صفوں کی بے ترتیبی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں جو اس معرکے کی حقیقت سے آگاہی رکھتے ہیں، وہاں امت کے بہت سے افراد کی جہالت ونا سمجھی سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں،

② جو منحرف افکار یہ فرقے لیے پھرتے ہیں، بہت عام ہو چکے ہیں اور ایسے بہت سے مسلمانوں کے فکر وسلوک کو، کم یا زیادہ متاثر کر چکے ہیں جنہوں نے اکثر وبیشتر ان افکار کی حقیقت اور خلاف سنت ہونے کے بارے میں لاعلمی وبے سمجھی کی وجہ سے انہیں اپنا لیا ہے، بلکہ اب تو بعض ایسے لوگ ان ماخوذہ افکار کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں اور اپنے مخالفین کو غلط بھی قرار دیتے ہیں کیونکہ اب ان کے خیال میں یہی اہل سنت والجماعت

کی فکر ہے۔

③ بے شمار منافقین اور زنادقہ ان گمراہ فرقوں کے افکار کو اپنا کر عام مسلمانوں کے اذہان میں شبہات پیدا کررہے ہیں اور اس سلسلے میں ذرائع ابلاغ اور تعلیمی، تحقیقی اور ثقافتی اداروں پر اثر و اقتدار کا ہتھیار استعمال کرتے ہیں، یہ لوگ بڑے طریقے سے خباثت زدہ افکار کا چلن عام کررہے ہیں، امت کے جسم میں زہر کے نشتر بھر رہے ہیں اور نہایت گہری سوچ اور شتر کینگی کے ساتھ ان افکار کے خلاف مورچہ زن ہوتے ہیں جو حقیقت میں امت کی نجات کی راہ کے ضامن ہیں۔

④ رافضہ (شیعہ) کا بلاک اس وقت ہمیشہ کی طرح ان بنیادی خطرات میں سے ایک ہے جو اہلسنّت والجماعت کے وجود، فکر اور ورثے کے لیے بہت بڑا چیلنج ہیں۔ بلکہ اس وقت یہ سب سے بڑی خطرناک لہر کی صورت اختیار کرچکا ہے جس کے ذریعے عالم اسلام میں اہلسنّت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا کام لیا جارہا ہے کیونکہ رافضی بھی اہلسنّت کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں اور ان کو کفار و مرتد اور کافر اصلی سے بڑھ کر گناہ گار و خطرناک سمجھتے ہیں، جبکہ وہ عالمی طاقتیں ان کے علاوہ ہیں جو پیچھے سے ان کی پشت پناہی کررہی ہیں اور اہلسنّت کے ساتھ اس تاریخی اور بقاء کی جنگ میں ان کی مدد کررہی ہیں۔

⑤ انتہائی افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تمام بلاکوں میں اہلسنّت بلاک میں ہی سب سے کم تنظیم و منصوبہ بندی اور اس کے اندر کی جماعتوں گروہوں اور افکار میں سب سے کم تعاون ہے جبکہ سامنے اس قدر بڑی اور درندہ صفت یورش سے واسطہ ہے جو اہلسنّت

کے وجود اور مناہج و افکار سب کو داؤں پر لگائے ہوئے ہے بلکہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ ایسے بہت سے گروہ جو اہلسنّت کے مجموعی اور وسیع تر دائرے میں بنیادی حیثیت کے مالک ہیں اولین اور حقیقی دشمن اور بیرونی خطرے کو تو چھوڑ دیتے ہیں مگر آپس میں معرکہ آرائی جاری رکھتے ہیں اپنے درمیان ایسے امور کو علیحدگی و مفاصلت کی بنیاد بناتے ہیں جن پر ہمارے خیال میں کوئی شرعی حجت یا علمی بنیاد نہیں ہوتی ہاں کچھ خاص ناموں، نعروں، شعارات شخصیات اور جماعتوں کا تعصب ضرور ہوتا ہے جس کے ساتھ شرعی علم کی کمی اور اپنے گرو پیش کے بارے میں عمیق اور مکمل و مفصل حالات سے بیگانگی اور اہلسنّت والجماعت کو درپیش چیلنجوں کی حقیقت سے بہت دور کی کہیں زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں اور جو اس وقت مورچہ بندیاں اور معرکہ آرائیاں ہو رہی ہیں ان کے شرعی مفاسد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔ اس وقت اسلام کے نقشے پر جو سیاسی حادثات و واقعات رو پذیر ہو رہے ہیں ان کو بغور دیکھنے والا آدمی اس بھیانک خطرے کی ہیبت ناکی کا با آسانی اندازہ کر سکتا ہے جو رافضہ کی شکل میں رونما ہو رہا ہے خاص طور پر جب سے ایران میں ان کی حکومت قائم ہوگئی ہے اور یہ ملک اس فتنے کو دنیا بھر میں برآمد کرنے کے لئے مرکز اور منبع کی شکل اختیار کر گیا ہے، جس فتنے کو وہ اسلامی انقلاب کا نام دیتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت ہی پرفریب نعرے اچھال رہے ہیں جن کی تہ میں وہ مذہب سنت کے خلاف اپنے دلوں میں بیٹھا ہوا کینہ و بغض چھپائے بیٹھے ہیں اور انہی نعروں کے ذریعے وہ سنی علاقوں میں اپنے انقلاب کے فریب زدہ اور ان نعروں کی حقیقت سے غافل و جاہل لوگوں کو استعمال کر کے ایک کشمکش برپا کرنا چاہتے ہیں تاکہ اہلسنّت کو اندر سے کھوکھلا کر کے یہاں رافضیت کے جھکڑ چلانے

کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔

باطنیت کا محور جو کہ درحقیقت مشرق میں ایران سے شروع ہو کر شام سے گزرتے ہوئے مغرب میں شمالی افریقہ کے ملک لیبیا تک پھیلا ہوا ہے اکثر حالات کا بغور جائزہ لینے والے کو اس خطرے کی حقیقت اور حجم کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ اس علاقے میں اہلسنّت کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس محور کے ارکان یہود و نصاریٰ سے بھی تعاون اور مدد لے رہے ہیں تاکہ اس دشمنی کی تاریں اور گہری ہو جائیں اور یہ سب ایک چین بن کر عالم اسلامی کو ہر طرف سے کاری ضرب لگائیں۔

نہایت افسوس ناک اور تشویشناک بات یہ ہے کہ بیشتر اہلسنّت اپنے واقع اور گرد و پیش کو بالکل نہیں سمجھ رہے نہ علاقائی سطح پر اور نہ بین الاقوامی سطح پر، یہ اس اپنی طویل تاریخ اور ان مصائب سے بھی کوئی سبق نہیں لیتے جو ان باطنیوں کے ہاتھوں ان کے اسلاف کو اٹھانے پڑے ہیں، بلکہ یہ دین کے دروس ونصوص اور اپنے ائمہ کے اقوال سے بھی کوئی عقل نہیں لیتے جو ان اہل بدعات کے خطرے سے خبردار کرنے کے لئے کافی ہیں جو یہود اور نصاریٰ سے کم خطرناک نہیں، بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ بعض تحریکیں اور جماعتیں رافضی انقلاب کی تعریف و چرچا کرتی نہیں تھکتیں، ان سے قربت اور تعاون کی دعوت دے رہی ہیں اور اپنے رسالوں اور مجلوں کے صفحات ان کی خبروں اور دعوت کے لئے پیش کرتی ہیں، جبکہ یہ جماعتیں آپس میں مخالفت بھی رکھتی ہیں، ایک دوسرے پر چڑھائی بھی کرتی ہیں اور ایسے امور کی بنا پر مفاصلت و اتہام بازی کرتی ہیں جن کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری رکھی، یہاں وہ ان ظاہری و شکلی اختلافات کو نہیں چھوڑتے نہ ہی بے کار و بے مقصد کشمکش

سے دست کش ہوتے ہیں اور نہ ہی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سلف کے گرد باہم آمادہ تعاون اور اپنے اصل دشمنوں کے سامنے ایک صف کی صورت میں کھڑے ہونے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

⑥ یہاں اب اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی بعض اسلامی دینی جماعتوں کے موقف کا ذکر ناگزیر ہو جاتا ہے جو کہ اہلسنّت سے منسوب ہیں اور ان کے بیشتر افراد مجموعی اور اجمالی طور پر اہلسنّت ہی کے عقائد رکھتے ہیں ①۔ یہ جماعتیں ماسوائے ایران پورے عالم اسلام میں وجود رکھتی ہیں۔ ان اسلامی و دینی جماعتوں کی صورتحال بہت ہی عجیب ہے چاہے وہ روایتی انداز کی دینی جماعتیں ہوں یا مجموعوں اور تنظیموں کی صورت میں موجود ایسے اکٹھ جو دینی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ ایسی بعض جماعتوں کے شعارات کو دیکھا جائے تو جس پہلی حقیقت سے ذہن ٹکراتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے مابین کوئی بھی ایسے حقیقی امتیازات نظر نہیں آتے جو ان کے ایک دورے پر طعن و تشنیع کا وجہ جواز بنتے ہوں۔

اگر ہم پورے غور سے ایسی جماعتوں کے افکار، مناہج اور شعارات کا جائزہ لیں اور گہرائی سے مطالعہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دین کا کام کرنے والی یہ سب جماعتیں اصولی طور پر تقریباً انہی عام اصول پر اتفاق رکھتی ہیں جن پر زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود اہلسنّت اکھٹے ہوتے ہیں اور جن پر اہل بدعات و اھوا سے مفارقت اختیار کرتے ہیں ۔یعنی کہ ''قرآن وسنت اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم وائمہ سلف صالحین رحمہم اللہ کے اجماع کا التزام

---

①: سوائے ایسی جماعتوں کے جن کے اصول اور مناہج میں شذوذ ملتا ہے مثلاً منحرف قسم کے صوفی فرقے اور سلسلے، خوارج کے فرقے اور اسی طرح کی دیگر جماعتیں جو اہل سنت و جماعت کے اصول اور منہج پر کاربند نہیں ہوتیں۔

واتباع، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ ایسے دیگر سنت کے مشہور ومعروف اور معتبر ائمہ کے فہم وفقہ سے مدد لیتے ہوئے'' اسی طرح یہ جماعتیں اور دھڑے رافضی، قدری، جہمی، یا مرجئہ ایسی کسی دعوت کا شعار بھی بلند نہیں کرتیں اور نہ ہی بنیادی طور پر کسی ایسے عقیدے کے قائل ہیں۔ ہاں اگر زیادہ سے زیادہ کچھ ہے بھی تو اتنا کہ باطل وگمراہ فرقوں کے بہت سے افکار امت مسلمہ کے وجود میں سرایت کر چکے ہیں اور بہت سے مسلمانوں کے ذہنوں کو متاثر کر چکے ہیں لیکن ان جماعتوں نے ایسے افکار کو باقاعدہ طور پر اپنے عقائد میں شامل کر کے نہیں اپنایا ہوتا، بلکہ زیادہ تر افکار کی حیثیت کے بارے میں پوری ہوشمندی اور ان کے خلاف سنت ہونے کے بارے میں پوری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے اور یہ افکار بزرگوں یا قائدین وغیرہ کی تقلید کی وجہ سے غیر محسوس انداز میں عام ہوتے ہیں جبکہ پوری طرح علمی انداز سے نہ ان افکار کو دیکھا ہوتا ہے اور نہ ان کے قائل ہوتے ہیں بلکہ اپنے بزرگوں یا قائدین کے تعصب کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ تعجب انگیز بات یہ بھی ہے کہ اگر آپ ان جماعتوں یا گروہوں میں سے کسی ایک کے (قائدین کو چھوڑ کے) کچھ افراد کو لیں تو ایک اور بہت زبردست حقیقت سے سامنا ہوگا اور وہ کچھ یہ کہ افراد کسی دوسری جماعت کے افراد سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتے، نہ فکر میں اور نہ عملی زندگی میں، بلکہ واضح قسم کے فکری خطوط اور کردار وعمل کے ٹھوس امتیاز کے ناپید ہونے کی وجہ سے ان افراد کے لئے ان سوالوں کی وضاحت انتہائی دشوار ہو جاتی ہے کہ آخر اس جماعت کے راستے سے دین کا کام کیوں ہو؟ دوسروں کو کسی اور جماعت یا گروہ کے ذریعے سے کام کرنے سے کیوں روکا جائے؟ دوسری جماعتوں یا گروہوں سے کس بنیاد پر مفاصلت اور مفارقت اختیار کی جا رہی ہے؟ اس قسم کے

طرز عمل کی سلف کے ہاں کونسی شرعی دلیل یا عملی مثال ملتی ہے؟ اور اس بات میں کون سی چیز مانع ہے کہ سبھی لوگ اپنی اپنی جماعت کے ذریعے اور اپنی موجودہ صورتحال کے لحاظ سے ایک مشترک منزل مقصود کی طرف گامزن ہوں جہاں ایک دوسرے کے قدم گامزن ہوں جہاں ایک دوسرے کے قدم مضبوط کئے جائیں نہ کہ ایسی راہوں کا انتخاب کیا جائے جو آپس میں الجھتی رہیں اور دوسرے کے لئے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں اور نتیجتاً کوئی بھی آگے نہ بڑھ سکے؟

اب جو اس قسم کے سوالات کے شرعی یا عقلی طور پر واضح قسم کے جوابات نہیں ملتے اس طرح کی بعض جماعتوں یا دھڑوں اور گروہوں کے قائدین یا راہنماؤں کے موقف کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کیونکہ اگر آپ ان میں سے کسی کے ساتھ حقیقت کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے ذرا گہرائی اور علمی انداز سے گفتگو کریں، کہ اس کے کسی دوسرے کے ساتھ کیا حقیقی اختلافات ہیں تو آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ ان میں اصول اہلسنّت والجماعت سے التزام پر کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ سب لوگ ائمہ اور علمی مراجع پر متفق ہیں اور بلکہ سبھی لوگ حقیقت اور معنی کے لحاظ تقریباً ایک سے ہی اقوال ومسائل پر متفق ہیں اگرچہ الفاظ اور تعبیرات مختلف ہوں اس طرح مجموعی طور پر ایک سے اہداف اور وسائل تک پر بھی متفق ہیں اگرچہ انداز واطوار اور ہتھیار مختلف رکھتے ہوں۔

اب جب ایسا ہی ہے تو بجائے ایک دوسرے پر چڑھائی، مفاصلت اور الزام تراشی کے آخر دوسرے کو کم از کم اپنی راہ پر چلنے کے لئے چھوڑ کیوں نہیں دیا جاتا اور کم از کم غیر جانبدار موقف ہی کیوں اپنا نہیں لیا جاتا۔ جبکہ ایسی مخاصمت کی کوئی شرعی اور علمی دلیل وجود نہیں رکھتی

اور اگر ہر ایک آدمی اپنی جماعت ہی کے ساتھ رہتے ہوئے کسی دوسرے مسلمان بھائی سے ایسے امور میں تعاون شروع کردے جہاں تعاون ہوسکتا ہو اور کسی اسلوب، طریقہ کار اور جماعت پر بھی آنچ نہ آتی ہو تو آخر اس سے کیا دینی نقصان ہوجاتا ہے؟

ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ مجموعی طور پر اس وقت کے حالات اور گرد وپیش کا تجزیہ وتفسیر کرنے اور اس میں درپیش مسائل کے اسلامی حل کی ابتدا کرنے کے لئے طریق کار تجویز کرنے میں، دینی میدان میں موجود ہر جماعت یا گروہ کا اپنا خاص اجتہاد ہے اور اس بات سے بھی انکار نہیں کہ ہر جماعت کا اس سلسلے میں اپنا اجتہاد ہونے کی بنائے پر جو اختلاف وقوع پذیر ہوتا ہے وہ ہر گروہ کے تحریکی انداز وادا کو اپنے رنگ میں رنگتا ہے، لیکن ایسا اختلاف فکری اور سلوکی روش میں اثر انداز نہ ہو۔ یعنی بنیادی طور پر اہل سنت والجماعت کے فکر وسلوک کے التزام پر تو سبھی متفق ہوں تاہم جہاں تک وقت کے مسائل کے تجزیہ وتفسیر اور ان سے عہدہ برا ہونے کے لئے طریق کار کے تعین میں اختلاف کا تعلق ہے تو ایک جماعت عقائد اور ان کی مسلمانوں میں ترویج کے پہلو پر زیادہ زور دیتی ہے دوسری تربیت اور تیاری پر تیسری سیاسی کام اور تحریکی شعور پھیلانے پر، کوئی گروہ اور جماعت سنت کی دعوت اور سلوک وآداب میں بدعات کی بیخ کنی پر، کوئی گروہ عامۃ الناس میں اسلامی تصورات کی ترویج اور اسلامی تعلیمات کی پابندی کرانے پر ترکیز کرتا ہے اور کوئی جماعت عسکری تیاری اور باطل سے نبرد آزمائی پر توجہ مرکوز کرتی ہے غرض اس طرح کے بے شمار اجتہادات ہیں جو اس وقت ہمارے خیال میں سب کے سب اسلام کی ضرورت ہیں اور سبھی اسلام ہی میں شامل ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ سب مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے

ہیں اور یہ سب ندی نالے آخر کار ایک بڑے دریا میں ملتے ہیں جو کہ امت مسلمہ کی گہری نیند سے بیداری، اس کے سوئے ہوئے جسم کو متحرک کردینے اور اس دین کو اس کا حقیقی قیادتی کردار سونپنے سے عبارت ہے جس کی انسانیت ایک عرصے سے منتظر ہے۔ اسی طرح ہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کرتے کہ ان جماعتوں یا گروہوں میں علمی اور عملی ہر دو لحاظ سے رخنے موجود ہیں جو فکری بھی ہیں اور منہجی بھی اور پھر اس سے بھی انکار نہیں کہ ان میں سے جو کچھ جماعتیں ان فکری رخنوں کی درستی اور علمی و عملی مناہج کی تکمیل کے لئے مخلصانہ کوشش بھی کرتی ہیں لیکن ایسی کمزوریاں اور رخنے اس بات کا جواز بہرحال نہیں کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے مخالفانہ و معاندانہ روش اختیار کرنے اور علیحدگی والزام تراشی کے ساتھ چڑھائی شروع کردے۔ جبکہ اس بات کی کوئی شرعی دلیل ہے نہ علم و عقل اس کی اجازت دیتے ہیں۔ کجا یہ کہ صورتحال بھی ایسی ہے کہ کسی ایک جماعت میں اگر وہی اور ویسی ہی کمزور و کوتاہی نہیں تو بھی کوئی اور خانہ یا بہت سے خانے خالی ہیں اور رخنے بہرحال موجود ہیں۔ بلکہ شاید یہ سمجھنے میں کوئی مبالغہ نہ ہو کہ اکثر دینی جماعتیں، گروہ اور اکٹھ اپنی تمام تر ایجابیات و سلبیات کے ساتھ ایک سے جوہر اور ایک سی حقیقت کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ کسی شخصی مزاج، ذہنی میلان و رجحان یا پھر انفرادی طور پر کوئی ملکہ حاصل ہونے کی بنا پر ہوتا ہے جو کسی کو اس جماعت میں کھینچ لے جاتا ہے اور کسی کو دوسری میں، پھر جو جاہلی عصبیت اور جماعتی ہوی و تعصب اور شخصیاتی میلان اور جذباتیت کے مظاہرے ہوتے ہیں اس کا تو ذکر ہی جانے دیجئے۔

⑦ ایسی بعض جماعتوں یا گروہوں کے افراد اور قیادتوں کے ساتھ آپ گفت

وشنید کریں تو کئی ایک حقائق تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جن سے ان جماعتوں کے اپنے بارے میں بھی اور دوسروں کے بارے میں بھی ان کے عام موقف کی ترجمانی ہوتی ہے ۔جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے

الف: کوئی ایسا واضح ٹھوس اور مکمل جامع قسم کا علمی وعملی منہج موجود نہیں جس کی بنیاد پر ان جماعتوں اور گروہوں میں سے کسی ایک کا دوسرے سے امتیاز ہوتا ہو اور جو ان جماعتوں کی موجودگی اور تعدد کے لئے وجہ جواز بنتا ہو۔

ب ۔کوئی واضح قسم کی شرعی یا دوٹوک عقلی دلیل بھی نہیں ملتی جو ان جماعتوں کے ایک ہی مشترک مقاصد یا غرض وغایت کے سلسلے میں بھی تعاون نہ کرنے کے لئے جواز ہوسکتا ہو۔

د۔ قیادتوں کی سطح پر ان بیشتر جماعتوں ،اور افراد و کارکنان کی سطح پر تو تمام جماعتوں میں شریعت کے اصول اور فروع کا علم یا ناپید ہے، یا انتہائی کم اور یا پھر بہت کمزور

ھ۔ان جماعتوں اور گروہوں کے افراد کے فکر وکردار میں ان بنیادی امور اور مسائل کے سلسلے میں کوئی بھی حقیقی امتیازات وجود نہیں رکھتے جن کی بنا پر وہ دائرہ عام تشکیل پاتا ہے جو اہلسنّت کا دوسروں سے امتیاز قائم کرتا ہے۔

یہ تمام حقائق سامنے آتے ہیں تو آدمی کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ جب صورت حال ایسی ہے تو ان بیشتر دینی جماعتوں کے مابین موجود مخاصمت کا آخر کیا جواز ہے جو کہ سب کی سب اہلسنّت والجماعت کے شعار ہی کی حامل ہیں؟

اگر ذہن وفہم کے یکساں نہ ہونے اور یوں اجتہاد کے نتیجے میں متعدد آراء ہونے کی وجہ سے ان جماعتوں کے اختیار کردہ طریق ہائے کار اور اسالیب کے متعدد ہوجانے کی کسی حد

تک گنجائش نکلتی بھی ہے تو آخر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ایک منزل مقصود اور مشترکہ ہدف تک کے سلسلے میں بھی ایک جماعت دوسری سے تعاون نہ کرے اور ہر جماعت (اپنی موجودہ شکل محفوظ رکھتے ہوئے) ہی سہی ''جماعت ام'' یعنی اہلسنّت والجماعت کے اس شرعی دائرہ عام میں رہتے ہوئے دوسری سے تعاون نہ کرے جس میں کہ اجتہادات اور نقطہ ہائے نظر کے متعدد ہونے کی نہ صرف گنجائش موجود ہے بلکہ شرعی طور پر معتبر حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کی اجازت بھی ہے؟

اس عجیب وغریب قسم کی صورتحال پر غور کیا جائے جس کا کہ اہلسنّت والجماعت کے شعار کی حامل جماعتیں شکار ہیں تو اس کی وجہ یہ سامنے آتی ہے کہ منہج اہلسنّت والجماعت کی حقیقت کا جامع، عمیق اور شرعی فہم وتفقہ اصل میں ناپید ہے اور اذہان میں اخلاق اور فکر وعمل کا وہ دائرہ عام موجود ہی نہیں جس سے ائمہ (اہل) سنت اور سلف صالح امتیاز قائم کرتے تھے۔

''جماعت'' جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیک وقت سبب بھی ہے اور نتیجہ بھی۔ چنانچہ مجتمع ہونے اور شیرازہ بندی کرنے کی شدید خواہش وکوشش، تقویٰ اور دوسروں کے لئے خیر کی تڑپ رکھنے کی اساس پر تمام مسلمانوں سے موالات، ان کی ہدایت کے لئے دوڑ دھوپ، حکمت وموعظت حسنہ کے ساتھ ان کی خیر خواہی وخیر کوشی، اور ہر حال میں اس کام پر صبر کرنا وعزیمت اختیار کرنا، یہ سب سبب بنتا ہے کہ لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل ہو اور اس کے انعامات بڑھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وانعامات ہی میں یہ شامل ہے کہ ان کا اجتماع اور شیرازہ بندی قائم رہے اور ایک دوسرے سے موالات پختہ ودائم

رہے۔

اب اس وقت جو جماعتی اور گروہی تنگ نظری بیشتر دینی جماعتوں اور تنظیموں پر چھائی ہوئی ہے، ناموں اور شخصیات کے لئے اندھا تعصب اور ہر گروہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ حق صرف اسی کے پاس ہے اور دوسرے تو لستم علی شئ والی حالت پر ہیں، شخصی مزاح وانداز اور ذاتی پسند وناپسند کو حکم شرعی اور علمی وفقہی کسوٹی پر مقدم کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی شرع مصلحتوں پر اپنی جماعت کی مصلحت کو فوقیت دی جاتی ہے اور کسی دوسرے کے لئے اہلسنّت ہی کے دائرے میں رہتے ہوئے سوچ ،فکر اور مخالف اجتہاد اختیار کرنے کا حق ضبط کر لینے کا چلن عام ہے،اس پر مستزاد یہ کہ علم ومنہج اور سلوک واخلاق میں ایسا جاذب نظر نمونہ اور اسوہ بھی کسی کے پاس نہیں جیسا کہ بزرگان ائمہ اہل سنت ہر دور اور ہر زمانے میں پیش کرتے رہے ہیں......تو اس ساری فصل ہی کا یہ ثمرہ ہے جو ہمیں اس وقت تن داغ داغ کی صورت میں نظر آتا ہے اور جسے ہم بیشتر دینی جماعتوں اور گروہوں میں سر چڑھ کے بول رہی ہے، جس کی بنا پر ہر جماعت یہ سمجھ کر کام کر رہی ہے کہ صرف وہی اہلسنّت ،فرقۂ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہے اور پورے دین کی تمام تر ذمہ دار صرف وہی ایک ہے اور صرف وہی اس قابل ہے کہ سب کچھ وہ کرے گی ،امت مسلمہ کو درپیش تمام خامیاں وہی دور کرے گی ،سبھی رخنے یہ اکیلی پر کر سکے گی ،تمام مرحلے بھی اکیلی طے کرے گی اور تمام معرکے بھی یہی سر کرے گی ،اور نقطہ صفر سے آغاز کا کام بھی ہمیشہ یہی کرے گی تا آنکہ خلافت بھی یہی قائم کرے،خود پوری دنیا کا چارج لے اور تمام امور کے انتظام وانصرام کی چابیاں اپنے ہاتھوں میں تھام لے!!! اس قسم کی سوچ اور ذہنیت اس دین کے لئے اچنبھی ہے اور اس دین کی

واقعیت اور پوری تاریخ سے کوئی میل نہیں رکھتی۔ یہ ذہنیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ اشیاء کو ان کی حقیقت کے ساتھ دیکھنے اور امور واقع اور گردوپیش کے ساتھ تعامل اختیار کرنے میں اہلسنّت کا جو منہج ہے اس کو سمجھا ہی نہیں گیا۔

سلف اور ائمہ اہلسنّت میں بھی اختلاف ہوا تھا، بہت سے علمی و عملی مسائل میں ان کے اجتہادات بھی متعدد ہوئے تھے، جس کے نتیجے میں ان کی فکری وتحریکی روشیں بھی متعدد ہوئیں اور ان میں سے بعض کا اجتہاد خطاء اور تاویل بعید ایسی غلطیوں میں پڑ جانا بھی وقوع پذیر ہوا، لیکن نیت کا اخلاص اور للّٰہیت، قول وعمل کی سچائی، علم شرعی اور خلق نبوی کے التزام کی وجہ سے ان میں اس بات کی تڑپ بدستور رہی ہے کہ اس سب کچھ کے ذریعے بھی وحدت کا کلمہ باقی رہے اور وہ برابر ''جماعت'' آداب بحث وتنقید اور مخالف کے ساتھ صبر ایسے اصول کی بھی حفاظت کرتے رہے، دوسروں کی غلطی چاہے کتنی بھی ہو اس کے لئے ہدایت اور خیر کی دعا بھی ہوتی رہی اور دوسری طرف ہر آدمی بھی جس امر کو صحیح، حق اور صواب سمجھتا اس کا التزام بھی کرتا اور دوسرے کو اسکا قائل کرنے کی کوشش بھی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ حقیقت ان کے ذہنوں میں پوری طرح واضح اور روشن تھی کہ ان کا باہمی تعاون، ان کی وسیع تر ''جماعت'' کی حفاظت اور بچاؤ، آپس کی شیرازہ بندی، وحدت کلمہ اور اپنے مشترک دشمن کے سامنے ایک صف کی صورت میں سینہ سپر ہو جانا، ان کے لئے زندگی بھی ہے، فتح ونصرت بھی اور رحمت الٰہی بھی۔

جہاں تک ذہن وفہم کے اختلاف، صلاحیتوں کے مختلف اور یکساں نہ ہونے اور اہلیتوں کے تنوع کی بات ہے تو یہ ایک حقیقت واقعہ بھی ہے، قانون فطرت بھی اور شرعاً بھی بری

بات نہیں۔اور جب تک اہلسنّت کے لئے اساسی امور کا بنیادی طور پر التزام رہے وہاں اس کو برداشت کرنا،اس کے لئے گنجائش پیدا کرنا،اور کھلے دل اور کھلے ذہن سے اسے سمجھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔جس کی بنیاد یہ رہے کہ بصورت نزاع مسئلہ کو کتاب،سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ تبع تابعین رحمہم اللہ ایسے سلف صالح کے فہم وفقہ کی طرف لوٹا دیا جائے ......آخر جن امور میں ان کا اختلاف ہوسکتا تھا وہاں ہم سے کیوں نہیں ہوسکتا ......؟اور کیا ہم میں دین کا علم وحرص ان سے بھی زیادہ ہے......؟

دورحاضر کی بیشتر جماعتوں میں جو ایسے ناموں، پہچانوں اور شعارات کے لئے تعصب پایا جاتا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل وبرہان نہیں اتار رکھی اور تقویٰ،عمل صالح اور تمام مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر ’’ولاء‘‘ایسی بنیاد کی بجائے شخصیات ،(جماعتی یا تنظیمی)ناموں اور لیبلوں سے تعلق ونسبت کی بنیاد پر علیحدگی ومفاصلت بھی اختیار کی جاتی ہے اور ولاء ووفاداری بھی، پھر حق کو بھی شرعی مصادر سے لے کر قبول نہیں کیا جاتا کہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے بلکہ اسے بھی ایک قسم کی گروہی نظر سے دیکھا جاتا ہے جو کہ بہت تنگ ہوتی ہے، یا پھر گروہی وجماعتی قیادت کے نقطۂ نظر یا مزاج وانداز کے راستے سے حق تک رسائی ہوتی ہے......تو یہ وہ چیز ہے جو ہر آدمی کی عقل وسلوک کو اس کی تنظیم، جماعت یا گروہ کے دائرے میں ہی جام کردیتی ہے اور یہی وہ بات ہے جو ہر جماعت کے گرد فرضی اور وہمی حدود کی وہ دیوار کھڑی کردیتی ہے جس سے اس کے اندر موجود افراد آخر کار یہ باور کرلیتے ہیں کہ صرف وہی جماعت حق ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ یا غلط ہے یا باطل یا عظیم تر انحراف۔

جہاں تک اجتماعی اور منظّم کام کا تعلق ہے تو وہ شرعی طور پر بھی ضروری ہے اور عقلی وواقعاتی لحاظ سے بھی مطلوب ہے۔خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فطری قانون ہے، کیونکہ وہ کام اور کارنامے جو جماعت سے مطلوب ہوتے ہیں وہ نہ تو اکیلا فرد انجام سکتا ہے اور نہ منتشر افراد۔تاہم اس اجتماعی کام کو بطور دلیل آڑ بنانے کے کی بجائے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خود جماعت بھی وہ مطلوبہ نتائج برآمد کرنے کے قابل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے افراد میں موجودہ صلاحیتوں اور فطری قابلیتوں کا پورے تنوع کے ساتھ ایسا سائنٹیفک اور منظّم استعمال نہیں کرتی جوان تمام افراد کے کام میں بہترین تنسیق اور زبردست قسم کی ہم آہنگی پیدا کرنے سے وقوع پذیر ہو اور پھر اس کام سے اس کے کسی ایک فرد کی نہیں بلکہ جماعت کی عمومی اور شرعی مصلحت ہی پوری ہوتی ہو۔اسی طرح جماعت اس وقت تک کامیاب بھی نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے افراد......اور سب سے پہلے اس کے رہنما......ان اصولوں سے پوری طرح واقف اور ان کے قائل نہ ہوں خاص طور پر جب تک یہ بات ذہن نشین نہ ہو کہ ایک فرد بطور فرد......چاہے وہ کیسی ہی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا حامل ہو اور کیسا ہی ملکہ اور قدرت حاصل کیوں نہ ہو......اللہ تعالیٰ کے فطری قوانین سے بہر حال نہیں ٹکرا سکتا کہ وہ اکیلا ایسے کارنامے سرانجام دیدے جن کا مطالبہ بنیادی طور پر ایک جماعت سے ہوا کرتا ہے۔اس کی بجائے اسے جو کچھ حاصل ہے وہ جماعت کی مصلحت کی خاطر سب کچھ کھپا دے اور اس کے ساتھ فرد کے کام مجموعی طور پر جماعت کے کام میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہوتا ہو۔پھر بعینہ اسی طرح دینی جماعتوں میں سے ہر جماعت آخر کار کسی دوسری جماعت کے سامنے ایک فرد ہی کی حیثیت رکھتی ہے جہاں یہ سب

جماعتیں مل کے اس وسیع تر ''جماعت ام'' کی تشکیل کریں جو کہ اہلسنّت کے ہاں ایک جامع مفہوم رکھتی ہے ،اور اس سلسلے میں ہر ایسے وہمی اور خیالی حصار کو نظر انداز کر دیں جو کسی جماعت نے اپنے گرد تعمیر کر رکھا ہو یا کسی اور نے اس کے گرد قائم کر رکھا ہو،اسی طرح مصنوعی طور پر قائم ان علاقائی حدود کو بھی نظر انداز کر دیا جائے جس نے امت مسلمہ کے جسد کو وطنوں، عصبیتوں اور وفاداری، وابستگی اور ولاء کی ملکی اور علاقائی قسم کی مکانی بنیادوں اور قیادتوں، گروہوں، تنظیموں اور جماعتوں وغیرہ کی صورت میں کاٹ کر حصے بخرے کر دیا ہے ،اسی طرح ایسے تمام لیبلوں، شخصیتوں، امتیازات اور شعارات کو بھی ملیامیٹ کر دیں جن کا اللہ عزوجل کے میزان حق میں ایک ذرہ وزن بھی نہیں ہے۔

آداب کو مدنظر رکھتے ہوئے دینی جماعتوں کے ذریعے سے دین کا کام کرنے میں شرعاً کوئی حرج ہے نہ عقلاً اور ایک منظّم اور منسق انداز کے اکٹھ کے ذریعے فرد کی جهد اور خدمات کو دوسروں کی جدوجہد کے ساتھ ملاے اس دین کے کام لانا شرعی طور پر واجب اور ضروری بھی ہے اور بدیہی طور پر مطلوب بھی، بلکہ اس بات سے قطع نظر کہ یہ مقصد پورا ہونے کی صورت کیا ہو اس سے کوئی چارہ کار بھی نہیں ۔اسی طرح ایسے عہد، میثاق یا شرعی عقود کی پابندی بھی شرعاً ثابت اور واجب ہے جو بھی کسی ایسے واضح قسم کے امر کی ادائیگی اور طرفین میں پہلے سے طے شدہ اچھے اور صالح مقصد کی انجام دہی کے لئے ہو،لیکن غلطی اور منہج اہلسنّت والجماعت سے انحراف یہ ہے کہ جماعت صغیرہ کے ساتھ ولاء اور وابستگی کو جماعت کبیرہ (الجماعۃ) پر مقدم کر دیا جائے، جماعت صغیرہ کی وہمی مصلحت کو جماعت کبیرہ کی حقیقی اور شرعی مصلحت پر فوقیت دے دی جائے ،اور ایک ایسی مصلحت کو جو راجح نہیں بلکہ مرجوح

ہو عمل میں لانے کے لئے مقصد مطلق اور بڑے فرض کو قربان کر دیا جائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب مقصود شریعت معلوم ہو جائے تو اس کے حصول کے لئے دوسرے راستوں کو چھوڑ کے قریب ترین اور سب سے سیدھا طریقہ اختیار کیا جائے۔

اب اسلامی جماعتوں، تنظیموں، دھڑوں اور مکتبہ ہائے فکر کی اس وقت کی صورت حال پر مختصر گفتگو کے بعد روئے سخن ہم ایک ایسی حقیقت کی جانب پھیرنا چاہتے ہیں جو ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کی نظر سے ہرگز اوجھل نہیں ہونی چاہیے جو اس دین کے فہم وفراست سے بہرہ ور ہے۔ پھر بھی یہ خدشہ ہے کہ اہلسنّت والجماعت کی اس دین سے منسوب گمراہ فرقوں کے ساتھ کشمکش اور پیہم معرکہ آرائی کے اندر یہ حقیقت چھپ گئی ہے یا ارتکاز نظر سے محروم ہو گئی ہے۔ اس دور میں اہلسنّت کو درپیش جو چیلنج ہیں ان میں اگر علی الاطلاق خطرناک ترین نہ سہی تو خطرناک ترین چیلنجوں میں ایک بہر حال یہ ہے کہ ان تمام مصنوعی لیبلوں کو منہدم کر دیا جائے، ان تمام افکار وآراء کے چہروں سے نقاب کھینچ کر پھاڑ دیئے جائیں اور ایسے تمام شعارات کو بے لباس کر دیا جائے جن کے پیچھے کافر سیکولرازم اپنے افکار، افراد اور پارٹیوں جماعتوں سمیت اپنا چہرہ چھپانے میں کامیاب ہوتا ہے اور جس کا مقصد اس امت کے قلب وذہن کو زہر آلود کرنا ہے۔

سیکولرازم کی حقیقت سے نقاب کشائی اور اس سے نبرد آزمائی کے لئے اس بات کی اولین ضرورت ہے کہ خود اہلسنّت کے ذہنوں میں اور دلوں میں اس کفر کے خلاف شدید ترین مزاحمت اور برسرپیکار ہونے کی اہمیت کو واضح اور دوٹوک قطعی حیثیت نہ دی گئی تو اہلسنت قوتیں خود بھی اور ان کے علماء اور دانشوران مفکرین بھی اس نازک دور میں اپنے

فرض کی ادائیگی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ جاہلی قوتوں کے سامنے جن میں سے ایک سیکولرازم بھی ہے ان کے اپنے قدم بھی کبھی جم نہیں سکتے، کیونکہ اس دوٹوک واضح اور قطعی موقف کے بغیر سیکولر قوتوں کو کافر نہیں سمجھا جاسکے گا اور نتیجتاً اہلسنّت تحریکیں اپنے حقیقی اہداف کی قطعی تحدید و تعین بھی نہ کرسکیں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان جاہلی قوتوں کے بارے میں موجودہ عام سوچ اور سادہ لوح ذہن کی سطح سے آگے گزر کے ان کی اصل حقیقت پہچان کر اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے نقطہ ابتداء ہی میں ناپید ہوگا، جبکہ عام سطحی ذہن اور اصل حقیقت کے درمیان اتنی بڑی خلیج حائل ہے کہ اس کا اندازہ بھی مشکل ہے۔

اس دور میں لوگوں کے ذہنوں میں جو بے شمار اسلامی تصورات اور افکار کے سلسلے میں شدید قسم کا انحراف اور ابہام پیدا ہو چکا ہے، اور جو دشمنان اسلام اور منافقین نے شبہات پیدا کر دیئے ہیں تو اس بات کے پیش نظر یہ امر ناگزیر اور اولین ضرورت ہو چکا ہے کہ اہلسنّت والجماعت ان تصورات اور افکار کی صحیح وضاحت کریں، ان شبہات کو دور کر دیں اور کافر سیکولرازم کو چہار وانگ بے لباس کر دیں، پھر یہ بھی آشکارا کر دیں کہ توحید جو کہ دین اسلام میں سب سے بڑی حقیقت ہے، بلکہ کائنات میں سب سے بڑی حقیقت ہے، وہیں یہ عقیدہ توحید، سیکولرازم کا بھی سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت سے پوری پوری آگاہی اور آشنائی بھی ضروری ہے اور دعوت الی اللہ کے تمام مراحل میں اس پر زور صرف کر دینا بھی ناگزیر ہے۔ دوسری طرف احیاء امت کے راستے کی بھی وضاحت ہونی چاہیے جو کہ اہلسنّت کے مناہج اور اصول کی اتباع و تمسک سے عبارت ہے۔

اگر لا الٰہ الا اللہ کا مطلب طاغوت سے کفر اور اللہ پر ایمان لانا ہے، اور طاغوت کی سب

سے بہتر تعریف جو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کی ہے کہ: الطاغوت کل ماتجاوز به العبد حده من معبود اور متبوع اور مطاع ، فطاغوت کل قوم من یتحاکمون الیه غیر الله ورسوله اور یعبدونه من دون الله او یتبعونه علی غیر بصیرة من الله او یطیعونه فیما لا یعلمون انه طاعة له. ہر وہ ہستی یا شخصیت طاغوت ہے جس کے ساتھ بندہ اپنی حد بندگی سے تجاوز کر جاتا ہے چاہے وہ معبود ہو، یا پیشوا یا واجب اطاعت، چنانچہ ہر قوم کا طاغوت وہ شخص ہوتا ہے جس سے وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کے فیصلہ کراتے ہوں، یا اللہ کو چھوڑ کے اس کی عبادت کرتے ہوں، یا الٰہی بصیرت کے بغیر اس کے پیچھے چلتے ہوں، یا ایسے امور میں اس کی اطاعت کرتے ہوں جن میں انہیں علم نہیں کہ یہ اللہ کی اطاعت ہے"......تو اس مفہوم کی بنیاد پر جو کہ درحقیقت اہل سنت والجماعت کے ہاں "معلوم من الدین بالضرورة" ہے......ہم سیکولرازم کے بارے میں اسلام کا واضح حکم باآسانی معلوم کر سکتے ہیں اور اس بنا پر ہی ہم اہلسنّت کے افراد کے قلب وذہن میں اس مسئلہ کو اس واضح ، دوٹوک ، اور قطعی سطح پر بھی لے جا سکتے ہیں جو کہ سیکولرازم کی نقاب کشائی اور نبرد آزمائی کے لئے ناگزیر ہے۔

مختصر طور پر "سیکولرازم" ایک ایسا طاغوتی ، جاہلی اور کافرانہ نظام ہے جو لا الہ الا اللہ کی شہادت سے مکمل طور پر متصادم اور منافی ہے ، چاہے اس نظام اور منہج کو اپنانے والے جماعتوں کی شکل میں ہوں یا افراد کی صورت میں۔

سیکولرازم کے بارے میں یہ موٹی سی بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ اس کا مطلب اللہ کے نازل کردہ دین کے علاوہ کوئی دوسرا حکم وقانون چلانا ہے، اللہ کی شریعت کے ماسوا کوئی

حکم اور فیصل بنانا اور اللہ رب العزت کو چھوڑ کر دوسرے طاغوتوں کے حکم و فیصلہ، قانون سازی وتشریع اور اطاعت کو قبول کرنا ہے۔ سیکولرازم کے اس شعار کا مفہوم یہی ہے کہ انسان کی عملی اجتماعی زندگی ''دین'' پر قائم نہ ہو۔ چنانچہ اس بنا پر سیکولرازم بدیہی ایسا جاہلی نظام ہے جس کے دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے نہ اعتقاد میں گنجائش ہے، نہ نظام میں اور نہ قوانین وشرائع میں، بلکہ وہ قرآن کی نص کے بموجب کافر نظام ہے: ''وَمَنْ لَمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ. وہ لوگ جو اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکم و فیصلہ نہیں کرتے وہی کافر ہیں''۔

کیا اس کے بعد اہلسنّت کے قلب وذہن کے تمام گوشوں میں سیکولرازم کے خلاف انتہائی درجے کی مزاحمت اور یکسوئی کے ناگزیر ہونے میں شک یا تردد کی کوئی بھی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شک کی قطعی طور کوئی گنجائش نہیں ،لیکن مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں سے جو اسلام کے بنیادی حقائق روپوش ہوئے ہیں اور اس زمانے کے منحرف افکار نے دین کا اصل چہرہ مسخ کر رکھا ہے،تو اس وجہ سے بے شمار لوگ ایسے بے قیمت شبہات پیدا کر رہے ہیں کہ اگر واقعاتی لحاظ سے اس قدر لٹیا نہ ڈوبی ہوتی تو ان پر ایک اچٹتی نظر ڈالنا بھی وقت کا ضیاع ہوتا۔ایک شبہہ تو یہ ہے کہ بعض لوگوں کو ایسے نظاموں ،حکومتوں اور افراد پر لفظ کفر اور جاہلیت کا اطلاق کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے جن پر خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کا اطلاق کیا ہے۔اس مشکل کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ نظام اور ارباب نظام ......خاص طور پر جمہوری سیکولر نظام ......اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار نہیں کرتے ،اس وجہ

سے بھی کہ موجودہ سیکولر اور جمہوری نظام نماز روزہ ایسے شعائر اسلام کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں بنتے ، دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جمہوری اور سیکولر نظاموں کے بعض افراد کلمہ گو ہیں ،نماز روزہ اور حج زکوٰۃ ایسے شعائر اسلام بھی ادا کرتے ہیں اور (عیسائیت کی طرز پر)''مذہبی شخصیات'' کا بھی احترام کرتے ہیں اور دینی اداروں کا بھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے بوسیدہ شبہات کی بنیاد پر بعض لوگوں کو جن میں بدقسمتی سے دعوت اسلامی کے بعض علمبردار بھی شامل ہیں، یہ ماننا دشوار لگتا ہے کہ سیکولر اور جمہوری نظام اور حکومتیں کافر اور جاہلی ہیں اور یہ کہ ان کے ماننے والے اور ان کے پیچھے چلنے والے جاہلیت کے پیروکار ہیں۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس قسم کے شبہات پیش کرنے والے نہ تو لا الٰہ الا اللہ کا مطلب سمجھتے ہیں اور نہ ہی اسلام کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہیں۔

سیکولرازم کے بعض علمبردار تو خاصی تفکیر اور تدبیر کے بعد، اس سے بھی زیادہ خبیث اور خطرناک چال چل رہے ہیں۔ یہ لوگ بیک وقت حکم بغیر ما انزل اللہ پر مبنی (لادینی) نظام بھی چلا رہے ہیں اور اسلام کے دعویدار بھی ہوتے ہیں، ساتھ عقیدے کے احترام کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ یوں لوگوں کا احساس بھی مار دیا ہے، ان کی وفاداریاں بھی حاصل کر رکھی ہیں اور ان کے ضمیر کو بھی افیون زدہ کر دیا ہے، اور اب بلا خوف وخطر شریعت کو منہدم کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ان سیکولر اور جمہوری نظاموں کے ناخدا برسر عام یہ بات کہنے کی جراءت نہیں کرتے کہ وہ ملحد یا لادین ہیں، یا وہ نفاذ شریعت کے خلاف ہیں جبکہ وہ جمہوریت یا اس طرح کے کافرانہ نظام پر فخر کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ سیکولر حکمرانوں اور ''دانشوروں'' کے بیانات اور خیالات بہت عام اور واضح ہیں جو کہ حقیقت میں تو جاہلیت کی عکاسی کرتے ہیں

مگر انتہائی خباثت اور مکر وفریب کے ساتھ انہیں زبردست دعووں کے ساتھ دین سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان عوام ان افکار سے بدک نہ جائیں اس لئے چاہتے ہیں کہ ان عوام کے قلب وذہن میں سیکولرازم تھوڑا تھوڑا کر کے اس طرح راسخ کر دیا جائے جیسے کم رفتار زہر جسم میں سرایت کر جاتا ہے...... قصہ کوتاہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی ٹوٹنے نہ پائے۔

غور کیا جائے تو کیا یہ وہی افکار نہیں جن کا زہر سیکولرازم کے نام نہاد ''مسلمان'' دانشور ''دین خدا کا اور وطن سب کا'' یا ''سیاست میں دین نہیں اور دین میں سیاست نہیں'' ایسے نعروں کی صورت میں جسد اسلامی کو گھولنا چاہتے ہیں دین اسلام سے منسوب منافقین اور زندیقوں کی ہمیشہ سے یہ ریت چلی آئی ہے کہ صریح اور واضح طور پر انکار نہ کیا جائے اور نہ ہی اسلام دشمنی کو عریاں ہونے دیا جائے۔ ان کا ہتھیار اصل میں ہوتا ہی تلبیس اور پردہ پوشی ہے تاکہ معرکہ وصف آرائی کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر کبھی آہی جائے تو اس سے پہلے یہ مسلمانوں کی صفوں میں بہت دور تک گھس چکے ہوں، اور یوں اہل ایمان کو انگشت بدندان چھوڑ کے بیک دم بساط الٹ دی جائے۔ اسی مقصد کے لئے تو یہ سیکولر ارباب اختیار و دانش اور اس طرح کے زندیق ایسے نعرے اور شعارات رائج کر رہے ہیں جن کے ذریعے ممکنہ حد تک مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو فریب کے جال میں لاسکیں اور دوسری طرف تھوڑی تعداد کے ان حضرات کو بھی ''جذبات'' میں نہ آنے دیں جو سیکولر نعرے الاپنے والوں کی ''نیک نیتی اور اسلام دوستی'' کو صرف مشکوک سمجھتے ہیں! جبکہ درحقیقت یہ اسلام کی جڑوں پر کلہاڑے چلا رہے ہوتے ہیں مگر اس فنکاری اور دھیرے پن سے کہ مسئلہ صرف

’’شک‘‘ تک رہے اور وہ بھی ایک قلیل تعدا د کے نزدیک!! آج عقلیت پسند (نیچری) مکتبہ فکر (Nationalism) یا ’’عوام کی حکومت کے ذریعے‘‘ ’’شخصی آزادی‘‘ ’’عوام طاقت یا اختیار کا سرچشمہ ہیں‘‘ آزدی ثقافت اور ’’آزادی فکر‘‘ ایسے نعروں کا چلن جو عام ہوا ہے یا پھر بعض لوگوں نے اسلام پسندوں کے جذبات کو سرد کرنے کے لئے ’’شریعت کو ارتقاء دینے‘‘، ’’وقت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے شریعت کی رواداری‘‘ اور ’’شریعت کی قانون سازی‘‘ اور (Islamisation) ایسے سلوگن بلند کئے ہیں، اور اگر کسی کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو اس نے ’’دین اور حکومت میں تفریق‘‘ ’’سیاست میں دین نہیں اور دین میں سیاست نہیں‘‘ ’’دین خدا کا اور وطن سب کا‘‘ ’’حکومت کا حق حکومت کو دو اور اللہ کا حق اللہ کو دو‘‘ ایسے نعرے بھی الاپ دیے ہیں، تو کیا یہی کام وہ لوگ نہیں کر رہے جن کے شیطانی ذرائع ابلاغ میں ’’بصیرت‘‘ یا ’’روحانی پروگرام‘‘ ایسے عنوان کے تحت دین (دھرم) کو بھی ’’حصہ‘‘ دیا گیا ہوتا ہے؟ وہ حکمران جن کے جاہلی قوانین حکم میں شخصی قوانین (Personal laws) بھی شامل ہوتے ہیں جن میں ہر کسی کو پرائیویٹ معاملات اور مضامین کے لئے بھی مخصوص ہوتا ہے، تو ان کی انتہائے نگارش یہی ہے کہ دین کا ’’صحیح مقام‘‘ صرف مسجد ہے۔ یہ لوگ زندگی میں ایک بار اگر اللہ کے گھر میں ’’فریضہ حج‘‘ ادا کرنے چلے جاتے ہیں، جس دھوم دھام سے کوریج دینے کے لئے ذرائع ابلاغ کو خصوصی ہدایت بھی ہوتی ہے، تو مشرق تا مغرب دشمنان خدا کے گھروں کی زیارت اور طواف کے لئے ہر دم عازم سفر رہتے ہیں جہاں سے منہج وفکر بھی لے کر آتے ہیں، قانون وتشریع بھی وہیں سے لیتے ہیں، امر ونہی بھی انہیں وہیں سے صادر ہوتا ہے اور حلال وحرام بھی!!

یہ سیکولرازم جو جاہلیت کی آغوش میں جنم لے کے اسی کے ہاتھوں پلا بڑھا ہے کھلا کفر ہے جس میں نہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات ہے، نہ اس مسئلے میں کوئی ہیر پھیر ہو سکتا ہے اور نہ کسی شک وشبے کی گنجائش ہے۔ اس میں اصل الجھن بھی، ہیر پھیر بھی تلبیس حقیقت بھی سیکولرازم کے علمبرداروں کی پیدا کردہ ہے کیونکہ انہیں علم ہے کہ مسلمان ملکوں میں ان کی جاہلیت کی بقاء صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ کھل کر سامنے آئے بغیر مسلمان عوام الناس کے ساتھ ہیر پھیر اور تلبیس کے ساتھ پیش آیا جائے۔ اسی کام کے لیے (اسلام کے) جھوٹے اور جعلی دعوے اور لیبل استعمال ہو رہے ہیں تاکہ مسلمان ان کی حقیقت اور ان کے منصوبوں کی باطنی سطح تک رسائی حاصل نہ کر سکیں ①۔ دوسری طرف نہ صرف عوام الناس کے عقیدہ

---

①: اچھے بھلوں کے لیے ابھی تک یہ معمہ ہے کہ پاکستان میں دین کو سیاست سے کیسے بے دخل کیا جا سکتا ہے۔ نجانے اتنی سادہ بات سمجھنی مشکل کیوں ہوگئی کہ جب آئین ونظام سازی پر عملاً حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر چونکہ مسلمان شریعت کی بے حرمتی تو کر ہی نہیں سکتے! اس لئے اس پورے مذہبی جوش وجذبے اور عقیدت کے ساتھ شریعت کو دستوری دفعات کا فریم کر کے ''بچوں کی پہنچ سے دور'' ''ایوان کے کسی بالاتر طاق'' میں سجا دیا جاتا ہے۔ رہا نظام وقانون کا معاملہ تو جب اصولاً یہ طے ہو جائے گا کہ قانون وہ کہلائے گا جو پارلیمنٹ پاس کرے، تو پھر قانون کا رتبہ پانے کے لیے شریعت کا نہ تو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونا کافی ہوا، نہ جبریل علیہ السلام کا اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ابلاغ وبیان فرمانا نہ قرآن میں بیان ہونا اور نہ بخاری اور مسلم میں روایت ہونا۔ یہ سب کچھ سر آنکھوں پر ہونے کے باوجود پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر قانون کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ پھر جب یہ حق پارلیمنٹ کا تسلیم کر لیا جائے تو وہ قرآن کی ایک آیت کو بھی قانون کا ویسا ہی درجہ عطا کر سکتی ہے جیسا فلم انڈسٹری کی ایک فاحشہ کے مطالبے کو یوں پارلیمنٹ کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اس کی اور قرآن کی قانونی پوزیشن اس نظام میں ایک سی ہوتی ہے۔ قانون دان ''تکلف'' سے کام نہ لیں تو اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اسی کفر کو امر کرنے کے لئے آئین کے بنیادی حقوق کا باب سیکولرازم کے اس مشہور ومعروف عقیدے کا ہو بہو عکاس ہے کہ کسی انسان پر اگر کوئی پابندی ہو سکتی ہے تو وہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہے اس کے باہر ہر انسان کو ہر معاملے میں ⇐

دین کو تلبیس کا شکار کیا جائے بلکہ انہیں اپنے ان بھائیوں کے خلاف بھی ابھارا جائے جو اس حقیقت سے آگاہی رکھتے ہیں اور لوگوں کو اس کے تباہ کن خطرے سے خبردار کرنے کا کام کرتے ہیں۔

⇦ اس بنا پر حقوق و فرائض (آپ بے تکلف ہونا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں حلال و حرام) قانون کی نظر میں وہ ہونگے جو آئین اور قانون کو د مقرر کرے۔ پھر آئین کا آرٹیکل ۴ سیکولرازم کے اس بنیادی فلسفے کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے کہ جرم اور سزا کا تعین صرف اس ملک میں رائج قانون کرے گا' یوں اللہ اور رسول جو بھی کہتے رہیں جرم صرف وہ ہوگا جسے مروجہ قانون جرم کہتا ہو اور سزا بھی صرف وہی اور اتنی ہی روا ہوگی جو یہ قانون مقرر کریگا..........

مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں

(۱) ہر محلے اور گلی کے اندر آپ نے ہندومت اور سفلہ پن کی تعلیم دینے والی پاکستانی اور انڈین فلموں کے اڈے تو ضرور دیکھ رکھے ہوں گے۔ ان میں غیر قانونی فلمیں جانے دیجئے' صرف ایسی فلمیں نکال لیجئے جو غلیظ اور برہنہ تو ضرور ہوں مگر سنسر قوانین سے جواز کی باقاعدہ سند یافتہ ہوں۔ ''سادہ لوحی'' میں آ کر اگر آپ ہلاکت اور عذاب کو دعوت دینے والے اس گھناؤنے جرم کو پاکستان کی کسی عدالت میں چیلنج کرنا چاہیں تو آپ کو کیا جواب ملے گا؟ یہی نا کہ دین میں یہ جرم ضرور ہوگا مگر قانون کی نظر میں جرم نہیں! پھر دین اور نظام و قانون جدا جدا ہوئے نا! بتایئے اور کافری کیا ہے؟ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی'

(۲) پاکستان میں کسی جگہ اگر کوئی با اثر مذہبی آدمی غلاظت سے لتھڑی ہوئی ان لچر فلموں کو بزور بند کرانے کی کوشش کرے تو آپ کو کیا معلوم ہے کہ آئین کے آرٹیکل ۴ کی نظر میں اس نے پاپ کیا ہے؟ اس کا پاپ یہ ہے کہ جس چیز سے آئین اور قانون نے منع نہیں کیا ویڈیو سنٹر مالکان کو اس ''جائز'' کام سے منع کر کے اور Wrongful Confinement کا مرتکب ہو کے اس نے قانون کا ''تقدس'' پامال کیا ہے؟ سنسر قوانین کی رو سے 'ایک ''جائز اور قانونی حق'' کے استعمال میں رکاوٹ بنے تو قانون کے آرٹیکل ۴ ہی کے بموجب ''معزز'' شہریوں کو ہراساں کرنے اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے جرم مین قانون اسے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کریگا۔ کون نہیں جانتا کہ ان معاملات میں قرآن کی آیات نہیں' قانون کی دفعات معتبر ہیں؟ ذرا سوچ کے بتایئے کہ تو پاکستان میں قرآن کا مسجد کے علاوہ کیا مناسب مقام رہ جاتا ہے؟ (۳) پاکستان کے نظام میں ⇦

اس دین سے منسوب گمراہ فرقے ......جن میں رافضیت ہمیشہ خطرناک ترین رہی ہے ......اور جن کی نشو ونما جاہلیت کی عالمی قوتوں اور بلاکوں کے ہاتھوں انجام پاتی ہے تاکہ اہلسنّت کی تباہی کے لئے ان کو استعمال کیا جائے ......کیونکہ اسلام دشمن قوتوں کے لئے عالم اسلام میں اصل خطرہ اہلسنّت ہی ہیں ...... یہ گمراہ فرقے اہلسنّت کے ساتھ جو محاذ کھولتے ہیں اور جو معرکے شروع کرتے ہیں، ان میں نبرد آزمائی کے وقت بھی اہلسنّت کے داعیوں کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان کے قلعے اندر سے بھی اسی خطرے میں ہیں۔اس بات کو نظر انداز کر دینا بھی خطرے سے خالی نہیں کہ اندرونی طور پر جو سیکولر عناصر مل کے دین کی عمارت

⇦ شراب حرام ہے مگر سود حلال! اس کی وجہ؟ ہر دین کے حلال وحرام اپنے ہوتے ہیں۔جی ہاں قرآن مجید نے قانون اور نظام کو دین قرار دیا ہے۔بادشاہ مصر کے قانون کو اللہ نے دین الملک (بادشاہ مصر کا دین) کہا ہے''ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک''یوسف علیہ السلام بادشاہ کے دین (قانون) کی رو سے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے۔سو پاکستان کے دین الملک کے حلال وحرام اگر کبھی اسلام کے حلال وحرام سے متفق یا مختلف ہو جائیں تو یہ محض اتفاق ہوگا۔دراصل کسی بھی نظام یا دین کی تفصیلات اور جزئیات کی اپنی کوئی بھی حیثیت نہیں ہوتی کہ اس بنیاد پر ہم اس سے اپنے دین کی موافقت یا مخالفت تلاش کرتے پھریں یا اس میں کچھ جزئیات کو نکالنے یا کچھ کو شامل کرانے پر ضد کریں۔دنیا کا ہر نظام کچھ نہ کچھ جزئیات میں کسی دوسرے نظام سے متفق ہوا ہی کرتا ہے۔اصل میں نظام اور دین کے اندر دیکھا یہ جاتا ہے کہ چلتی کس کی ہے اور قانوناً یہ حیثیت کس کی ہے کہ روک دے تو رکنا پڑے اور حکم یا اشارہ بھی کرے تو اسے قانون مانا جائے۔اگر پاکستان میں ایسا اختیار صرف اللہ کا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی کوئی اس کا شریک نہیں تو یہاں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں لیکن اگر یہ حق صرف اس کا نہیں تو اس میں جو اللہ کے ساتھ شریک ہوتا ہے وہ اس نظام کا معبود ہے اور اس آسمان تلے بدترین مخلوق ان معبودوں کی آسامیوں کے لئے آپ داڑھی والوں کا انتخاب کریں یا ٹخنوں سے اونچی شلوار والوں کا اس سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔

ہر آدمی، قبل اسے موت آلے اور فرشتے سوال کرلیں کہ بتا تیرا دین کیا تھا، اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ جس نظام کے سائے میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ اللہ کا دین ہے یا دین الملک۔

گرانے پر لگے ہوئے ہیں اور جن کی معرکہ آرائی بیشتر اوقات چھپی ہوتی ہے اور کبھی کبھار کھل کے سامنے بھی آجاتی ہے اس زمانے میں اسلام اور جاہلیت کی اصل اور حقیقی جنگ میں اصل دھڑا یہی لوگ ہیں۔ پھر یہ بات بھی انتہائی بنیادی ہے کہ اس جنگ کا خطرناک ترین مرحلہ یہ ہوگا کہ ان گھناؤنی سیکولر قوتوں کے قبیح چہرے سے نقاب کھینچ کہ انہیں مسلمانوں کے سامنے بے حجاب کیا جائے تاکہ سبیل المجرمین واضح ہوجائے جن کی ساری کی ساری جنگ مکروفریب اور تلبیس دین کی صورت میں اس طرح ہورہی ہے کہ مسلمان ان کے چہروں سے بھی واقف نہیں۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اہلسنّت ان اندرونی اور بیرونی خطروں سے خبردار ہوجائیں جوان کی دنیا اور آخرت کو تباہ کرنے کے لئے صبح وشام سرگرم رہتے ہیں؟ کیا ابھی وقت نہیں ہوا ہے کہ جہاں سب اس کام میں لگے ہوئے ہیں وہاں اہلسنّت بھی اپنے وجود اور عقیدے کی حفاظت کے لئے جاہلی قوتوں اور معاشروں کے سامنے ایک قوت اور بلاک بنیں اور پھر حملہ آوری کے لئے بھی تلواریں سونت لیں؟ اس لمحے کو آنے میں کتنی دیر لگے گی کہ حاملین اہلسنّت ......کم ازکم ان کے بیشتر لوگ......آپس کے وہمی معرکے اور جانبی اور ظاہری قسم کے اختلافات سے ہاتھ کھینچ کر اپنی سب کی سب قوتیں اور مادی ومعنوی طور پر مشترکہ کوششیں ان دشمنوں کے خلاف مرکوز کردیں جو عالم اسلام کے خلاف تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور یوں ان معرکوں میں کود جائیں جو حقیقی بھی ہیں اور بنیادی بھی؟ کیا ان باتوں کا وقت ابھی نہیں آیا؟

الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله وما نزل من

الحق. ''کیا اہل ایمان کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد و ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے لئے پسیج جائیں؟''

اے اللہ! ہمیں ہدایت دے، سمجھ عطا فرما، تو ہی توفیق دیتا ہے اور تو ہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اختتام

آخر میں ......اس گفتگو کے اختتام پر، جو ناگزیر سوال درپیش ہے اور جس کا قارئین کے ذہن میں پیدا ہونا فطری امر ہے ......وہ سوال جو ان کے سب مسلمانوں کے ذہن میں کروٹیں لیتا ہے جو کہ عالم اسلام میں پندرھویں صدی کے ابتدائی برسوں کے حالات کا سامنا کر رہے ہیں ،دین کے افق پر فجر صادق کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں اور اسلامی اہداف کی سمت ایک نئے سفر کی ابتداء اور نئے مرحلے کے آغاز کی آس لگائے بیٹھے ہیں ......وہ سوال جو ہر سچے اور مخلص دل سے اٹھ رہا ہے : کام کیا ہو؟ کہاں سے شروع کیا جائے؟ منزل مقصود کے لئے راہ حق میں پہلا قدم کیسے اٹھے اور نقطۂ آغاز کیا ہو؟

بدیہی طور پر، صحیح راستے کا تعین کرنے سے پہلے اس منزل کا تعین ضروری ہے جس تک رسائی کے لئے یہ راستہ درکار ہوتا ہے۔اور منزل کے تعین کے ساتھ، یا پھر اس سے بھی پہلے ،اس مرض کی تشخیص ضروری ہوتی ہے جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس منزل کو سر کرنا مطلوب ہوتا ہے اور اس مصلحت کی نشان دہی بھی ضروری ہوتی ہے جس کے حصول کے لئے منزل تک رسائی ناگزیر ہوتی ہے ۔یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے ایک طبیب مرض کی تشخیص کرنے اور علاج کا ایک ہدف متعین کرنے کے بعد اس دوا کا انتخاب بھی کرتا ہے جو اس مقرر کردہ ہدف کے حصول کی ضامن ہو اور اس کے ساتھ طریقہ علاج بھی تجویز کرتا ہے

۔

ان تمام نقاط کے ذہن میں پوری طرح واضح نہ ہونے اور ایک واضح و روشن منہج کی

صورت میں ان کی عملی جھلک موجود نہ ہونے سے ہمیشہ ہی افکار اور تصورات میں اضطراب واقع ہوتا ہے، اسی سے اہداف ومقاصد اور ان تک پہنچانے والے وسائل باہم گڈ مڈ ہوتے ہیں، اور اقامت دین کو جو مراحل پیش آیا کرتے ہیں وہ نظروں میں آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ فروعی اور جزوی مصالح کو حاصل کرتے کرتے اہم تر ہدف کا ذہنوں سے محو ہو جانا اور اسلام کے بڑے اور حتمی اہداف کی سمت میں منزل سے بہت دور راستے ہی کے مراحل کا ہو لینا یا ان مراحل میں درپیش جزوی اہداف کے تعاقب میں اصلی پٹڑی سے سرک جانا بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ مرض کی تشخیص اور علاج کی تجویز کے ساتھ، یا پھر اس سے بھی پہلے، مریض پر نظری طور پر پوری تحقیق ہونی چاہیے پھر دقیق قسم کا چیک اپ ہونا چاہیے جس میں ظواہر (محسوس ہونے والی تکلیف کو) حقیقی وجوہات کے ساتھ پورا ربط دیا جائے اور نظر کے احاطہ میں آنے والی حرکات وسکنات سے اندرونی باعثوں تک رسائی حاصل کی جائے اور خلل کی بجائے اس خلل کی علت پر ہاتھ رکھا جائے، پھر اگر ایک علت کی بھی کوئی بڑی علت ہو تو اس پر دائرہ لگایا جائے۔

چنانچہ اس مبارک جہاد کے راستے کا نقطہ آغاز اور پہلا قدم، جو کہ کسی بھی راستے کو منتخب کرنے سے بہر صورت پہلے ہونا چاہیے، یہ ہوگا کہ صبر کے ساتھ علم کے حصول پر ذرا رک جایا جائے یعنی نظری علم اور پرانے اہل علم اور حکمت ودانائی کے حاملین ایسے سابقین کے علمی وتجرباتی ورثے کو پورے طریقے سے ازبر کیا جائے......اور جب تک یہ صحیح شکل میں انجام کو نہ پہنچے اس پر صبر بھی کیا جائے۔

پھر اس کے ساتھ اپنے زمانہ وگرد وپیش کے علم اور اس حقیقی مناط (بنیاد) کی بحث واستقراء پر بھی اس طرح رکا اور صبر کیا جائے جس پر ہمیں شریعت کا صحیح صحیح حکم فٹ کرنا ہے......اور اس سلسلے میں ان لوگوں کے علم وتحقیق سے مدد لی جائے جو دور حاضر پر صحیح نظر اور تخصص کے حامل ہیں۔اس کے علاوہ واقع اور زمانے کی رگ کو سمجھنے کے لئے ہر میدان میں بہت ضبط کے ساتھ مقیاسات اور معلومات کو کام میں لایا جائے۔

اور پھر آخر میں، اس تمام تر کام کے جو بھی دیانتدارانہ نتائج برآمد ہوں، ان پر گامزن ہوا اور صبر کیا جائے اور خواہش نفس کو صرف اور صرف حق کے فیصلے کے تابع کر دیا جائے، یہ بہرحال نہیں ہونا چاہیے کہ پہلے نتائج نکالنے کی جلدی کی جائے اور پھر اس کے بعد ایسے مقدمات کی تلاش شروع کی جائے جو ان نتائج کو ثابت کرتے ہوں، کیونکہ اس قسم کا ''صبر'' اللہ کے لئے اخلاص نفس، ظاہر وباطن میں صدق ووفا اور لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ ایسے حکم کی اطاعت کے جذبے کا اصل قاتل ہے۔

ایک مسلمان جو اللہ کے ساتھ اور اپنے نفس کے ساتھ صدق وسچائی سے کام لیتا ہے اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ کسی بھی راستے یا طریقہ کار کے انتخاب سے پہلے، وقت کے ان مسائل کے بارے میں دوٹوک انداز میں اپنا موقف متعین کرے، چاہے یہ مسائل نظری ہوں یا عملی ،اس کے ساتھ اس کا یہ فرض بھی بنتا ہے کہ وہ پوری دقت کے ساتھ......جس کا اللہ اس سے حساب لے گا......اپنے مبلغ علم کا تعین کرے جس کے بل پر وہ کسی بھی اعتقاد یا عمل کی بابت فیصلہ کرنے کا مجاز بنتا ہے جو کہ قیامت کے ہولناک دن اس کے اعمال کے ترازو میں بہر صورت موجود ہوگا اور جس کے نتائج کا سامنا بھی، چاہے وہ نتائج اس کے حق میں ہوں یا

اس کے خلاف، بہر حال کرنا پڑے گا۔اس سلسلے میں پوری طرح سوچ لینا چاہیے کہ اس کے انتخاب کردہ فیصلہ کو اختیار کرنے والے ایک ایک آدمی کی نیکیاں یا گناہوں کے انبار اس کی کمر پر ہر صورت میں رکھے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر شوریٰ اور افہام وتفہیم کو فرض کیا ہے جس کا اطلاق اس کے عوام سے پہلے ان کے امراء، مجتہدین، علماء اور ائمہ پر ہوتا ہے۔کیونکہ وہ وہ جانتا ہے کہ علم بھی اور حق بھی کسی ایک انسان کی جاگیر نہیں، چاہے وہ امام ہو یا مجتہد، اور یہ کہ علم کا جو حصہ ایک کے پاس ہے وہ دوسرے کے پاس نہیں ہوتا، ایک شخص کے ہاں جس چیز کی کمی ہو وہ دوسرا پوری کرسکتا ہے، اور یہ بھی کہ فیصلہ اپناتے وقت علماء اور اہل تخصص ......جو کہ اپنے اپنے میدان میں پوری دسترس رکھتے ہوں......کی تعداد جیسے جیسے زیادہ ہوتی ہے ویسے ہی غلطی کا امکان بھی کم ہوتا ہے۔اب جب امت کے اہل حل وعقد، جو کہ مسلمانوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو اہل اجتہاد ہیں نہ اہل فتوی، نہ علمی امور میں، نہ واقعاتی استقراء میں اور نہ ہی مختلف شعبوں کے متخصصانہ امور میں۔

اس بنا پر ایک مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے دین کی اصل بنیادوں کو سمجھے اور اس دائرے کی معرفت حاصل کرے جس سے ایک ایسے انسان کا نکلنا ناممکن تصور ہو جو دنیا وآخرت میں نجات کا متلاشی ہو جو کہ قرآن، سنت اور فقہ سلف صالح رضی اللہ عنہم کی صورت میں موجود ہے۔اس کے ساتھ شریعت کے ان عمومی مقاصد اور مصالح معتبرہ کا علم بھی حاصل کرے جن کے دائرے میں رہتے ہوئے دین ودنیا کے امور میں اجتہاد ہوا کرتا ہے اور جو کہ دین کے (مذکورہ) عمومی دائرے کے ادراک کے بعد ہی سمجھ میں آتے ہیں۔

پھر دوسرے نمبر پر، واقع اور اپنے گردو پیش کا علم حاصل کرے جو کہ اس کے معاشرے کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ علم دقیق بھی ہونا چاہیے اور مبنی بر استقراء بھی، جس کی بنیاد پر وہ اس صحیح حکم شرعی تک رسائی کے قابل ہو سکے جو اس واقع کے لئے مطلوب ہے۔ اور یوں عقیدہ وعمل کی بنیاد اٹھے۔

ایک مسلمان جو اپنے رب کے ساتھ اپنے آپ کے ساتھ صدق وسچائی سے کام لیتا ہے، اس کا یہ بھی فرض ہے کہ (مذکورہ) نظری علم اور واقعاتی علم کی مسلسل اور پیہم بحث وتحقیق کے دوران کسی بھی حکم کے انتخاب یا کسی بھی فیصلے سے پہلے اہل ذکر اور ہر شعبے میں دسترس رکھنے والے اہل علم سے رجوع کرے کیونکہ وہ اپنے رب کے سامنے اسی بات کا جوابدہ ہوگا۔ اگر امام (خلیفہ) موجود نہ ہو تو اہل حل وعقد تو ہوں گے، اور اگر یہ نہ ہوں تو علماء مجتہدین ہوں گے، اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو اپنے اپنے شعبے میں تخصص رکھنے والے اہل علم تو بہر حال ہوں گے، یہ بھی ناممکن ہو جائے تو اپنے زمان ومکان کے زیادہ علم رکھنے والے لوگوں سے رجوع ہوں۔ یوں......اپنے وسیع اور جامع مفہوم کے ساتھ...... جماعت سنت کے اندر اہل علم میں خوب سے خوب تر کی تلاش کی جائے۔ مسلمان جس قدر اس ''شوریٰ'' کا دائرہ وسیع کرلے اور علم وعمل میں قابل اعتماد لوگوں کی طرف......جس کے بارے میں ذاتی تعلقات یا اچھی شہرت کی بنیاد پر جانا جاسکتا ہے...... جتنا زیادہ رجوع کرلے، اسی قدر وہ اللہ کے سامنے جوابدہی سے عہدہ برآ ہوگا اور جس قدر وہ اپنے موقف میں صواب سے قریب تر ہوگا، اور اسی دوران میں مسلمان بھ جس قدر باہم قریب تر ہوں گے، اتنا ہی ان میں تحریکی ہم آہنگی بڑھے گی اور اللہ کے فضل سے اپنی سمت میں ان کی رفتار زیادہ اور قوی تر ہوگی۔

اللہ کے دین کو اس کی زمین کے اندر نظام و قانون سے بے دخل کر دینے کی صورت میں جو یہ فتنہ کبری رونما ہوا ہے اور جس وقت حاضر دوچار ہے جماعت حق ،فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ کے وجود کو ختم کرنے میں نہ تو کامیاب ہوا ہے اور نہ ان شاء اللہ ایسا ہو سکے گا۔ اگر کچھ وقت کے لئے یہ جماعت امامت کبری سے محروم ہوگئی ہے تو بھی اپنے وجود اور صف بندی و یگانت کی حفاظت کے بعد اس کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ پوری قوت سے تمام حالات و واقعات کا رخ اس فتنہ اولی کی نیستی و نابودی کی سمت پھیرنے کی کوشش کرے...... کہ اسی وقت کے دوسرے فتنے پھوٹ رہے ہیں...... اور اس کا رخ ایک ایسی صحیح اور با صلاحیت قیادت کھڑی کرنے کی سمت کرنے کی کوشش کرے جو آخر کار اس جماعت کو پھر سے اقوام عالم سے آگے لانے اور خلافت اسلامی کے سائے میں انسانوں کی عملی زندگی میں اس شریعت کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس لانے کے لئے علم و عمل کے میدانوں میں اس کی رہبری کا فرض سرانجام دے۔

اس وقت بیشتر مسلمانوں کے ہاں...... زبان قال سے نہ سہی تو زبان حال کی رو سے ...... جو یہ عام اعتقاد رائج ہے کہ اہلسنّت عقائد کے التزام کی صورت میں اس جماعت سے خالی وابستگی نصرت الٰہی کی ضامن ہے اور پھر اس اعتقاد کی بنیاد پر فتح و نصرت کے انتظار میں تسلی سے بیٹھ رہا جائے ،حقیقت میں عقیدہ اہلسنّت پر بنیادی ضرب ہے اور نصرت الٰہی کے راستے میں بہت پیچیدہ رکاوٹ ہے۔

مسئلہ قدر کو جس طرح ائمہ و سلف امت نے سمجھا تھا، اس میں جو خلل واقع ہوا ہے...... اور ان دو باتوں کو باہم خلط کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے

اور ہم سے کیا کرانا چاہتا ہے اور جبریہ عقائد کے ملبے کا بار ابھی تک ذہنوں پر موجود ہے......جس پر کہ امت کی نسلوں کی نسلیں پروان چڑھتی رہی ہیں اور جن کو سمجھنے اور چھان پھٹک کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے......نتیجتاً یہ مختلف درجوں کے ساتھ بیشتر مسلمانوں کے فکر وسلوک میں سرایت کر چکے ہیں، اور یہی اس قسم کی سوچ اور اعتقاد کا اصل سبب ہے۔

سلف اور ائمہ امت نے اس مسئلہ کا پورے استیعاب اور حقیقت پسندی کے ساتھ احاطہ کیا ہے اور اللہ کے پیدا کردہ اٹل فطری قوانین کا با قاعدہ اکتشاف کیا ہے جو کہ کسی ایک فرد کے مقابلے میں دوسرے فرد یا ایک جماعت کے مقابلے میں کسی دوسری جماعت کی کوئی رعایت نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ بھی سمجھا کہ ہمیشہ ہی نتائج کو ان کے مقدمات سے نتائج کو ان کی علتوں سے اور عواقب کو ان کے اسباب سے جوڑ دینا......اللہ ہی کے حکم وقدرت سے ......ایک ایسا مستقل فطری قانون ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

ایسے نتائج جن کے وقوع پذیر ہونے کے لئے روئے زمین میں بلند ترین مرتبے کے اہل ایمان اور زاہد متقی ترین لوگ منتظر وخواہشمند ہوتے ہوں، یقیناً ایسے انسانوں کے حق میں جا سکتے ہیں جو صحیح اور طبعی اسباب ومقدمات کو اختیار کرتے ہوں چاہے وہ پوری دنیا کے چھٹے ہوئے بدمعاش کیوں نہ ہوں اور کافروں سے بڑھ کر کافر کیوں نہ ہوں، جبکہ مومن صرف اپنے ایمان، اور اپنے ورع وتقوی پر اعتماد کئے بیٹھا رہے اور ان مقدمات کی جستجو کی تکلیف نہ کرے جن کو اللہ نے ان نتائج تک رسائی کے لئے پیدا کر رکھا ہے۔ ایسے آدمی کی استجابت کیسے ہو؟!

اہلسنّت کا اپنے زمانے کی زبان اور علوم وثقافت کے علم وادراک اور طبعی علوم کے تمام

شعبوں میں مادی قوت کی بھرپور فراہمی کے لئے نکل کھڑے ہونا، ایسی بات ہے جو عقلی طور پر آرام سے سمجھ آجائے یا تاریخی طور پر حتمی اور قطعی ضرورت ہونے سے بھی پہلے ایک ایسا شرعی فریضہ ہے جو عملی زندگی سے غائب ہے، بجائے اس کے کہ طبعی قوانین سے ٹکر لینے کی سوچی جائے اور وقت اور توانائی کا اسراف کیا جائے اہلسنّت کے لئے تو دوسروں سے پہلے اللہ کے فطری قوانین سے مطابقت پیدا کرنا اور انہیں اٹل حقیقت کے طور پر تسلیم کرنا ضروری ہے۔

امت مسلمہ کو خواب خرگوش سے بیدار کر کے اس کی رگوں میں زندگی کی رمق دوڑانے اور اسے پھر سے انسانیت کی قیادت کا پہلے والا علم تھمانے کے لئے ...... جو کہ اس کا فطری مقام ہے...... جو کام ہونا چاہیے وہ کبھی بھی افراد اور چھوٹی بڑی جماعتوں کی ایسی کوششوں سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا کہ ہر ایک اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے وہم وخیال کا قلعہ تعمیر کرنا شروع کر دے، جس کا مظاہرہ ایسی سوچوں کی صورت میں خوب ہو رہا ہو کہ ''صرف ہم حق پر ہیں دوسرے سب باطل پر''!!

حقیقت اصل میں اس سے کہیں بڑی ہے اور اس کی خطرناکی ایسے تصورات سے کہیں شدید اور بھیانک ہے جو نہ تو شرع صحیح سے موافقت رکھتے ہیں اور نہ عقل صریح سے کوئی لگا کھاتے ہیں۔ مسئلہ اس بات کا متقاضی ہے کہ یہ سبھی قوتیں، جماعتیں اور اس دین کے لئے مخلص سبھی افراد کوششیں کریں۔

حق نہ تو کسی ایک شخص کی جاگیر ہے اور نہ کسی ایک جماعت کی ...... جبکہ سبھی لوگ اہلسنّت والجماعت کے دائرہ عام ہی سے التزام رکھ رہے ہوں...... اب جو بھی آدمی کسی

دوسری کی غلطی دیکھے تو اسے ممکنہ حد تک ہدایت اور نصح وارشاد کی کوشش کرے، نہ کہ اسے برا بھلا کہنا اور اذیت دینا شروع کردے، جہاں یہ ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بھی کسی کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا، چنانچہ ہر مسلمان فرد سے یہ مطلوب ہوتا ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا رخنہ یا دراڑ نظر میں کرے جہاں سے اس دین کو نقصان ہوسکتا ہے، پھر اگر اتنی ہمت اور صلاحیت رکھتا ہو تو خود اس کو موندنے کے لئے کھڑا ہو جائے، یا پھر دوسرے کو اس سے خبردار کرے اور ذمہ داری اٹھانے کی جانب توجہ دلائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ...... بلکہ اسی دوران ہی...... اسے یہ بھی چاہیے کہ وہ کسی دوسرے کے لئے ایسا فریضہ انجام دے جس کا وہ روز حساب اللہ عز وجل کو جواب بھی دے گا اور حساب بھی...... بہرحال یہ تو کم از کم مطلوب ہے کہ ہر آدمی دوسرے کی کوششوں کا احترام کرے اور انہیں طعن و تشنیع اور تحقیر کا نشانہ نہ بنائے اس سے کوئی آگے بڑھے جو بات اسے سمجھ میں آئی ہے اور اسے صحیح سمجھتا ہے اسے دوسروں کو سمجھائے اور دعوت دینے میں حکمت اور موعظہ حسنہ سے کام لے اور اس پر صبر بھی کرے۔ اس سے بھی کوئی آگے بڑھے تو نقطہ ہائے نظر اور طریق ہائے کار میں جتنا بھی اختلاف ہو، آدمی دوسرے سے...... جبکہ وہ اس کا اہل ہو...... مشورہ بھی کرے اور اس کی رائے کا احترام بھی۔ پھر اس سے بھی آگے بڑھنے کی توفیق ملے تو جس میدان میں بھی انسان فائدہ دے یا لے سکتا ہو اس میں دوسرے سے بھرپور تعاون کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ کام میں تنسیق پیدا کرے، تاکہ سب کی سب کوششیں مل کر ایک زوردار آبشار کی طرح مشترکہ ہدف پر پڑیں۔ پھر آخر میں ان تقاضوں کی انتہائی صورت یہ ہے کہ شخصیتوں میں جتنا بھی امتیاز موجود ہے رہے مگر سب کے سب ایک جسد واحد کے اندر جسم

کے اعضاء کی طرح متحرک ہوں تاکہ آخر کار اس تن پر ایک قیادت کا سر ابھر سکے جو اللہ کے فضل ونعمت سے راہ حق میں اس کاروان صدق وفا کو لے کے اپنی اصل سمت میں گامزن ہو۔

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

web : http://www.muwahideen.tz4.com

email : info@muwahideen.tk